

مئی 2012

عالمنا
حنا



مکمل ناول

اسلامیات

- عید رضا 7 حمد
توبہ پھول 7 نعت
سید اختر ناز 8 پیار نبی کی پیاری باتیں
احساس وفا 142 قرۃ العین

ناولٹ

انشاء نامہ

- تہنری راہ طلب میں ہمارا
بادشاہت کی تلاش میں ابن انشاء 13

اسانے

انٹرویو

- محبت اور دوستی 17 احسن خان سے ملاقات کاشت گریج
بہی کران 113

- محبت ہو بھی سکتی ہے ہمارا 119

- کھیلن کو مانگے چاند 133 راجہ شاہین

- فوزیہ نزل 20 محبت تو محبت ہے شائستہ ساجد 214

- نظارت نمر 222

سلسلہ ناول

انتہا ہمارا ہمارا کے جملہ حقوق محفوظ ہیں، پیش کردہ تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی، ناول یا سلسلہ کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جاسکتا ہے، اور نہ کسی فی وی چینل پر ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلے وار طے کے طور پر کسی بھی شکل میں پیش کیا جاسکتا ہے، خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کارروائی کی جاسکتی ہے۔



مکمل ناول

- ستاروں کے آئینے میں 229 حنا کی محفل عین عین 251
حاصل مطالعہ 235 خبرنامہ عید اللہ 253
تنبہ طاہر 147 حنا کا دسترخوان افراح طارق 255
بلیس بھی 243 رنگ حنا
صائغہ محمود 239 میری ڈائری سے کس قیامت کے یہ نامے فوزیہ شفیق 257

سرور طاہر محمود نے نواز پریشانگ پرپس سے چھو کر دفتر ہمارا نامہ 205 سرگرم روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ: **ماہنامہ حنا** پہلی منزل محلہ امین میڈین مارکیٹ 207 سرگرم روڈ
اردو بازار لاہور فون: 042-37310797, 042-37321690 ای میل ایڈریس: monthlychina@hotmail.com, monthlychina@yahoo.com

قارئین کرام! حنا کا شمارہ 2012ء کی پیش خدمت ہے۔

اپریل 2012ء کا مہینہ پاکستان کی تاریخ میں خوشی مینے کے طور پر یاد رکھا جائے گا، اس ماہ کے آغاز میں ہی، میں سیاحین کلٹر میں لیڈر سلائیڈنگ کی وجہ سے اپنے 137 کیرل چوانوں سے محروم ہوئے، ابھی یہ زخم تازہ ہی تھا کہ بھوجا تیر لائن کے طیارے کے حادثے میں 127 کیسانی جانوں کا نقصان اٹھائے، ان حادثات میں انسانی جانوں کے اس زیاں پر ہم سب ملین ہیں اور خداوند تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ مروجین کو اپنے جوار رحمت میں جگہ اور کو ایمین کو صبر تیل عطا فرمائے، (آمین)۔

سیاحین گلیٹر کے حادثے نے ایک بار پھر دنیا کے اس بلند ترین عمارت پر لڑنے والوں کی مشکلات سب پر عیاں کر دی ہیں، جہاں پر لڑنے والوں کو دن کے ساتھ ساتھ برترین موسمی حالات کا بھی سامنا کرنا پڑ رہا ہے، اس جگہ خراب موسم کے ہاتھوں بارے جانے والوں کی تعداد دکن کے ہاتھوں بارے جانے والوں سے کہیں زیادہ ہے، دونوں ملکوں کی فوجیں اس عمارت پر اربوں روپے خرچ کر رہی ہیں جس کا اثر ان کی معاشی ترقی پر پڑ رہا ہے، اگر یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے تو اس لحاظ پر خرچ ہونے والی رقم کو دونوں ملک اپنے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے خرچ کر سکتے ہیں، یہ حقیقت ہے کہ پاکستان اور بھارت ایک دوسرے کے مقابل کھڑے ہیں اور اس خطے میں تھیر، سیاحین اور سر کریک جیسے مسائل نے صورتحال کو گلیٹر بنا دیا ہے اور یہ خطے تھیر کی صورت حال سے دو چار ہے ہم چناب نواز شریف اور جنرل کیانی کی اس بات سے مشتق ہیں کہ پاکستان اور بھارت کو سیاحین کے عمارت پر 1984ء کی پوزیشن پر واپس جانا چاہیے اور مذاکرات کے ذریعے اپنے مسائل کا حل تلاش کرنا چاہیے، تاکہ عوام کی سماجی زندگی میں نمایاں بہتری لائی جاسکے اور اس خطے سے غربت کا خاتمہ ہو سکے۔

دعا مغفرت:۔ میں مکی کو میرے بھائی اور خواتین ڈائجسٹ کے مدیر اعلیٰ محمود ریاض کو، میں نے چھوڑے گیارہ سال ہو جائیں گے ان کی یاد آج بھی ہمارے دلوں میں زندہ ہے، قارئین سے التجا ہے کہ ان کے لئے دعا مغفرت فرمائیں اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔

اس شمارے میں:۔ ادا کار احسن خان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔

ناول، ہمارا عام کا ناول، سبکی کرن، ہمارا، رابع شاہین، شائستہ بیجا اور نظارت نصر کے افسانے، فوزیہ غزل اور امہرم کے سلسلے دار ناولوں کے علاوہ حنا کے بھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار حنود

گلشن میں ہر جگہ تیرا رنگ جمال دیکھا
ہر روپ ہر طرح سے تیرا بے مثال دیکھا

ہم کو جو کچھ خدا سے ملتا ہے
دست خیر الوریٰ سے ملتا ہے
جس کو ایمان لوگ کہتے ہیں
الفت مصطفیٰ سے ملتا ہے
تجھ کو تو اس گھڑی بھی پکارا ہے المدد
جب بھی غم زماں سے برا اپنا حال دیکھا

دربار کرم کا جوش میں جھلکے ہے ہر طرف
پھیلا ہوا جو تو نے بھی دست سوال دیکھا
آدی کو مقام قرب خدا
درد صلے علی سے ملتا ہے
عظمت پہ تیری پختہ وہیں ایمان ہو گا
پتھر میں جب کرم کو بھی فیض کمال دیکھا

اس کو ملتا ہے اوج لافانی!
جو حبیب خدا سے ملتا ہے
سہرا نے جب حمد کے موتی لٹائے ہیں
درد رمتوں کا اس پہ کھلا بے مثال دیکھا

سیرت مصطفیٰ میں اے اعجاز
حسن خلق ابتدا سے ملتا ہے

پیارے نبی کی پیارگی باقیں

سید ارتناز

جس شخص کو اہمیت نہیں دی جاتی

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”کیا میں تجھے جنت کے بادشاہ نہ بتاؤں؟ (ہر) ضعیف آدمی، کمزور سمجھا جانے والا (لوگ) اسے کمزور سمجھیں اور اس سے کسی قسم کا کوئی خیر نہ محسوس نہ کریں۔ دو پرانے کپڑوں میں لمبوس، (لیکن اللہ کے ہاں اتنا بلند مقام ہے کہ) اگر اللہ کے نام سے قسم لھائے تو وہ اس کی قسم پوری کر دیتا ہے۔“

حضرت حارث بن وہب خزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”کیا میں تمہیں جنت والے نہ بتاؤں؟ ہر ضعیف آدمی، کمزور سمجھا جانے والا (جتنی ہے) کیا میں تمہیں جہنم والے نہ بتاؤں؟ ہر درشت خو، زبردست، متکبر (جتنی ہے)۔“

فوائد و مسائل:-
”کمزور سمجھا جانے والا سے مراد شریف انفس آدمی ہے، جو کسی ظلم نہیں کرتا بلکہ اگر کوئی زیادتی کرے تو وہ معاف کر دیتا ہے، لوگ اسے کمزور سمجھتے ہیں، اس سے کسی قسم کا کوئی خیر نہ محسوس نہیں کرتے اور نہ اس کے شر و غیرہ ہی کا کوئی خوف ہوتا ہے۔

انفرادی معاملات میں نرمی اور درگزر کا

چلن عام ہو جائے تو معاشرہ امن کا گہوارہ بن جاتا ہے، فساد ہمیشہ اس وقت شروع ہوتا ہے جب کوئی اپنی اپنی، جسمانی یا خاندانی اور افرادی طاقت پر گھمنڈ کر کے دوسروں پر ظلم کرتا ہے، اگر وہ کسی پر زیادتی نہ کرے، خواہ اسے کمزور سمجھا جائے تو یہ اخلاقی نقصان ہے جس کا ثواب جنت ہے۔

درست خو سے مراد بات چیت کے انداز میں اور برتاؤ میں جتنی اختیار کرنے والا ہے، اس قسم کے بد اخلاق آدمی سے ہر کسی کا بھگڑا ہوتا ہے جس سے فساد جنم لیتا اور بڑھتا ہے۔

جواہر کا مطلب انجوع لمعوں بیان کیا گیا ہے، یعنی ایسا حریص آدمی جو مال جمع کرتا رہتا ہے لیکن بخل بھی ہے خرچ نہیں کرتا، مومن میں حرص اور بخل کی عادتیں نہیں ہوتیں بلکہ یہ منافقوں کا کاروبار میں ہونی ہیں جن کی وجہ سے وہ جہنم کے سخت ہو جاتے ہیں۔

متکبر سے مراد دوسرے کو حقیر سمجھنا اور حق واضح ہو جانے کے باوجود تسلیم نہ کرنا ہے، یہ برتری کا غلط احساس بہت سی اخلاقی اور معاشرتی خرابیوں کا باعث ہے۔

قابل رشک مومن

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”میرے نزدیک سب سے زیادہ قابل

رشک وہ مومن ہے جو ہلکا پھلکا (کم آمدنی والا) ہو، اسے نماز سے وافر حصہ ملا ہو (ظنی نماز اور تہجد زیادہ پڑھتا ہو) لوگوں میں گم نام ہو، اس کی پرواہ نہ کی جاتی ہو، اسے ضرورت کے مطابق رزق میسر ہو (اتنا زیادہ رزق نہ ہو کہ بچا کر رکھا جائے) وہ اس پر مبر کرے (خرید کا لالچ نہ کرے) اسے جلدی موت آجائے، اس کا ترکہ تھوڑا ہو اور اسے رونے والیاں بھی کم ہوں۔“

حضرت ابو امامہ حارثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”سادگی ایمان میں سے ہے۔“

راوی نے کہا۔

”سادگی سے مراد معمولی لباس و غذا پر اکتفا کرنا ہے۔“

فوائد و مسائل:-

مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سند ضعیف قرار دیا ہے جبکہ سنن ابی داؤد کی تحقیق میں اسے حسن قرار دیا ہے، علاوہ انہیں شیخ البانی رحمۃ اللہ نے اس حدیث پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے اسے حسن قرار دیا ہے، بتا دین حسین حدیث والی رائے ہی درست معلوم ہوتی ہے جیسا کہ ہمارے فاضل محقق نے اسے ایک جگہ حسن قرار دیا ہے۔

تکلفات سے پرہیز ایمان کا جز ہے، لہذا سادہ عادات کا حامل عام نعمت پر بھی اللہ کا شکر کرتا ہے جب کہ تزیین و زینت کا عادی بعض اوقات ایک بڑی نعمت کو بھی اپنے معیار سے کم تر سمجھتا ہے اور شکر کے بجائے شکوہ کرنے لگتا ہے۔ سادگی میں بہت سی تجزیں شامل ہیں، مثلاً ہندو لگا پکڑا پکڑا لہنا، زمین پر بیٹھ جانا، منکس اور عیب کی بات سننے اور سختی میں مدد کرنے کو اپنی

شان کے خلاف نہ سمجھنا، غریب کی معمولی دعوت قبول کر لینا اور اس کا پیش کیا ہوا سادہ کھانا کھا کر احسان مندی کا اظہار کرنا، ملازموں سے حقیر آمیز رویہ رکھنے سے اجتناب کرنا، اپنے سے کم تر درجے کے لوگوں کی خوشی اور غمی میں شریک ہونا وغیرہ۔

بہترین افراد

حضرت اسماء بنت بزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے۔

”کیا میں تمہیں تمہارے بہترین افراد کی نشان دہی نہ کر دوں؟“

صحابہ نے عرض کیا۔

”کیوں نہیں، اللہ کے رسول؟“

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
”تمہارے بہترین افراد وہ ہیں جن کو دیکھ کر اللہ کی یاد آئے۔“

تنگ دستی کی فضیلت

حضرت ہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے ایک آدمی گزرا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
”تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو؟“

انہوں نے عرض کیا، اس کے بارے میں آپ کی رائے زیادہ صحیح ہے، ہم تو (اپنی معلومات کے مطابق) یہ کہتے ہیں یہ شخص معزز (دولت مند) افراد میں سے ہے، اس کے بارے میں یہی توقع ہے کہ اگر (کسی گھرانے میں) نکاح کا

پیغام دے تو اس کا پیغام قبول کیا جائے، اگر (کی کسی) سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول کی جائے اور اگر بات کرے تو اس کی بات سنی جائے (اور اسے اہمیت دی جائے)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہو گئے، (پھر) ایک آدمی کھڑا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”اس شخص کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟“

”انہوں نے کہا۔
”اللہ کے رسول! قسم ہے اللہ کی! ہم تو کہتے ہیں کہ یہ ایک غریب مسلمان ہے، اس کے بارے میں تو بچ ہے کہ اگر نکاح کا پیغام دے تو اسے رشتہ نہ دیا جائے، اگر سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول نہ کی جائے، اگر بات کرے تو اس کی بات نہ سنی جائے۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
”یہ (غریب مسلمان) اس (پہلے) شخص جیسے زمین ہجر آدمیوں سے بہتر ہے۔“

فائدہ و مسائل:-
غریب مسلمان اگرچہ گناہ ہو، دنیا والوں کی نظروں میں اس کا کوئی مقام نہ ہو لیکن اللہ کے ہاں ایسا ایک آدمی بھی دنیا بھر کے ان انسانوں سے بہتر ہے جو ایمان و تقویٰ سے محروم ہوں۔
اللہ کے ہاں اصل اہمیت اور قدر و منزلت ایمان و تقویٰ کی ہے، نہ کہ مال و دولت، شان و شوکت، ذات برادری اور نام و نسب کی۔

نکاح کے لئے نیک مردوں اور نیک عورتوں کا انتخاب کرنا چاہیے، خواہ وہ غریب ہی ہوں، غریب نیک آدمی، امیر نیک آدمی کا ہم پہلے سے کہیں بد عقیدہ یا بری عادتوں والا دولت مند شخص نیک آدمی کا ہم پہلے نہیں۔

اللہ کی محبت

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”اللہ تعالیٰ اپنے مومن، نیک دست، سوال سے بچنے والے، بال بچوں والے بندے سے محبت فرماتا ہے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”نادار مومن، دولت مندوں سے آدھا دن، یعنی پانچ سو سال پہلے جنت میں جائیں گے۔“

فائدہ و مسائل:-
اللہ کے ہاں ہزار سال کی مدت ایک دن کے برابر ہے، اس لئے دولت مندوں سے آدھا دن پہلے جنت میں جانے کا مطلب دنیا کے حساب سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہونا ہے۔

پہلے جنت میں جانا ان کے بلند درجات کو ظاہر کرتا ہے اور انہیں عیشی مشکلات بھی کم برداشت کرنی پڑیں گی۔

اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ دولت مندوں کو اپنی زیادہ دولت کی آمد و خرچ کا حساب دینا پڑے گا جس میں کافی وقت صرف ہو گا جبکہ غریب لوگ اپنی تنہائی کی کمی کے حساب سے تنہائی دیر میں فارغ ہو جائیں گے۔

دنیا میں دولت کم ملنا یا نامانجا بھی اللہ کی ایک نعمت ہے لیکن اس کے ساتھ ہم ضروری ہے جس طرح زیادہ دولت کے ساتھ شکر ضروری ہے۔

زیادہ مال رکھنے والوں کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”زیادہ مال رکھنے والوں کے لئے ہلاکت ہے مگر جس نے مال کو اس طرح، اس طرح، اس طرح اور اس طرح (خرچ) کیا۔“

فرماتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دائیں بائیں آگے اور پیچھے چاروں طرف (ہر طرف ایک بار) اشارہ فرمایا۔

فائدہ و مسائل:-
مال حرص اور بخل کے ذریعے سے جمع ہوتا ہے اور یہ دونوں مذموم حالتیں ہیں۔

چنانچہ طریقے سے کمایا ہوا مال بھی اللہ کی راہ میں اور نیکی کے کاموں میں خرچ کرنا ضروری ہے، اپنی ذاتی آسائشات اور تفریبات پر مال صرف کرنا درست نہیں۔

سخاوت کرنے والا ہلاکت سے محفوظ ہو جاتا ہے کیونکہ اس کا مال اس کے لئے نیکیوں میں اضافے کا باعث بنتا ہے، جس قدر زیادہ خرچ کرے گا، اتنا ہی جنت میں بلند درجات کا مستحق ہو گا۔

فائدہ:-
سخاوت سے اس شخص کو فائدہ ہو سکتا ہے جس کی کمائی حلال ہو، لہذا حرام کمائی سے بچنا انتہائی ضروری ہے۔

زیادہ مال

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”اگر میرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہوتا تو میں نہیں چاہوں گا کہ مجھ پر تیسری رات آئے اور (اس وقت بھی) اس میں سے کچھ میرے پاس (بیجا ہو) موجود ہو مگر اتنی چیز جسے میں قرض کی ادائیگی کے لئے سنبھال رکھوں۔“

فائدہ و مسائل:-
اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت کا بیان اور امت کے لئے ترغیب ہے۔

احد ایک پہاڑ ہے، اتنا سونا دو تین دن میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا، اس کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش یہی کی کہ اگر اتنا مال بھی ہو تو وہ بھی دو تین دن میں مکمل طور پر تقسیم کر دیا جائے۔

قرض کی ادائیگی قرض خواہ کا حق ہے، اس کی ادائیگی سخاوت ہے اہم ہے۔
قرض لینا دینا جائز ہے لیکن قرض لینے وقت یہ نیت ہونی چاہیے کہ جلد از جلد ادا کر دیا جائے گا۔

سنبھال رکھنے کی ضرورت تب پیش آسکتی ہے جب ادائیگی کا مقررہ وقت آنے میں کچھ وقفہ باقی ہوتا کہ جب قرض خواہ مطالبہ کرے تو ادائیگی کا اہتمام کرتے ہوئے ادائیگی میں تاخیر نہ ہو جائے۔

اگر قرض خواہ قریب موجود ہے تو مقررہ وقت سے پہلے خود جا کر ادائیگی کر دینا افضل ہے لیکن اگر اس سے رابطہ مشکل ہو تو رقم سنبھال کر رکھنا مناسب ہے تاکہ ادائیگی جلد از جلد کی جا سکے۔

خوبی

حضرت قتادہ (بن عبد اللہ) اسدی رضی

تو حق نہیں کرتے کہ وہ اس کھٹ راگ سے گزرتے۔

امیر تیمور کو ہم قائل کر لیتے، ہمارا خیال ہے کہ وہ ہماری بات نہ ٹالے لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ اس قسم کا نڈر کرے کہ ”آج میری ٹانگ میں درد ہے، کل ایکشن کی تاریخ کا اعلان کروں گا“ راتوں رات گھوڑوں کی ٹنگی پیچھے پر پیچھے لنگر لے کر ”علی علی“ کرتے خود ازمیں کی طرف نکل جاتے، بلکہ ان کا ایک اور گھوڑا جاتے جاتے ہماری پیٹوں کی کلی کولات مار جاتا کہ اور دو مشورے صاحبِ قرائن کو، اصولاً تو انگریزوں کو بھی حکومت سنبھالنے سے پہلے ہندوستان میں ایکشن یا استعجال رائے وغیرہ کرنا چاہیے تھا لیکن خیر! دوسرا طریقہ بھی حکومت بدلنے کا اتنا ہی مقبول اور مشہور ہے بلکہ ہمارے ہاں جمہوریت تو مدت سے کاغذ ہے، اسی کا زیادہ دستور ہے۔

سوال یہ ہے کہ ان دو گھمے بڑے طریقوں کے علاوہ بھی کوئی طریقہ ہے جو پر امن بھی ہو، افسوس کہ نیلیوڈن اور یڈیو کی بدعت رائج ہونے کے باعث لوگوں میں پرانے کلاسیک ادب کا ذوق اٹھ گیا ہے، ہائے کیا زمانہ تھا کہ لوگ شب و روز داستانیں کہتے سنتے رہتے تھے، خوش حال بادشاہوں اور بادشاہ شہزادوں کی اور شہین آنکھوں والے ناکار دیوؤں کی اور اڑتے پائینوں کی، داستانوں میں اس انہماک کا ایک معنی فائدہ یہ تھا کہ ملک میں افسطین (افراط زر) بھی پیدا نہ ہونے پاتی تھی۔

فی زمانہ حکومتوں کے بدلنے کے دو طریقے رائج اور مقبول ہیں، ایک بیٹ مینی ایکشن کا، دوسرا بیٹ مینی کوئی کا، ورنے اب دونوں میں چنداں فرق نہیں رہا کیونکہ ایکشن میں بھی بیٹ کے ساتھ ساتھ بلکہ بیٹ سے زیادہ بیٹ کا استعمال ہونے لگا ہے اور زیادہ موثر اور کامیاب پایا گیا ہے، ہم ذاتی طور پر ایکشن کے حق میں نہیں، یہ خون خرابے کی چیز ہے جسے ہم نے مغرب کی اندھی تقلید میں اختیار کیا ہے، ہمارے بہترین بادشاہوں میں سے جن کا نام زریں حروف سے لکھتے لکھتے ہماری دوا میں شگ ہوئی ہیں اور ملک کے سونے کے ذخائر میں معتد بہی واقع ہو گئی ہے، اکبر، جہانگیر، شاہجہاں وغیرہ ان میں سے کون ایکشنوں کے ذریعے برسرِ اقتدار آئے؟ عوام کی اکثریت کی رائے کی کوئی سند بھی نہیں۔

لوگوں کا بس چلنا تو بادشاہ غازی حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلے میں دو ہوت دارا شکوہ کو دے، حالانکہ ہم آپ جانتے ہیں کہ وہ بڑا بدعتیہ آدمی تھا، ہمارے محمود کے مقابلے میں جو شہنشاہ ایشیا پیشہ، درویش اور اپنے بھائیوں پر جان چھڑکنے والے تھے، اس میں کوئی خاص خوبی نہ تھی بلکہ ایک بڑا عیب یہ تھا کہ کتابیں لکھتا تھا، اکبر اعظم تو ایکشن کا فارم بھی خود ہر کر سکتے تھے، ان کے نامزدی کے کاغذات ابوالفضل کو پر کرنے پڑتے، بادشاہ بس نشانِ کشت ثبت کرتا محمود خرقہ نوئی اور امشاہ ابدالی سے بھی یہ

بندہ، درہم کا بندہ، کھل کا بندہ اور چادر کا بندہ، اگر اسے دیا جائے تو خوش رہتا ہے، اگر نہ دیا جائے تو (بیعت والا) وعدہ پورا نہیں کرتا۔“

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”ہلاک ہو جائے دینار کا بندہ، درہم کا بندہ اور چادر کا بندہ، ہلاک ہو جائے، اوندھا ہو جائے، اسے کاٹنا لگے تو کلا نہ جائے۔“

فوائد و مسائل:-

دنیا کا لالچ موموم ہے۔

جب محبت و فرقت کی بنیاد محض دنیوی مفاد پر ہو جائے تو خلوص باقی نہیں رہتا، اس صورت میں خلیفہ مسلمین یا اس کے نائب سے بیعت بھی اللہ کی رضا کے لئے اور اسلامی سلطنت کی حفاظت اور خدمت کے لئے نہیں ہوئی، اس طرح یہ عظیم نیکی بھی تمام برکات سے محروم ہو کر برائی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

دینی جماعتوں اور تنظیموں سے تعلق، اللہ کی رضا اور ثواب کے لئے ہونا چاہیے، اسی نیت سے عہدہ اور ذمہ داری قبول کی جائے، اگر محسوس ہو کہ محنت کرنے کے باوجود جماعت میں اہمیت تسلیم نہیں کی جا رہی تو اکابر سے ناراض ہو کر جماعت سے الگ نہ ہو جائے، ہاں، اگر یہ محسوس کیا جائے کہ جماعت یا تنظیم کے عہدے دار صحیح انداز سے کام نہیں کر رہے اور توجہ دلانے کے باوجود اصلاح پر آمادہ نہیں تو خاموشی کے ساتھ تنظیم کے الگ ہو جائے۔

☆☆☆

اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ایک آدمی کی طرف بھیج کر اس سے ایک اونٹنی طلب فرمائی، اس شخص نے (اونٹنی دینے سے) انکار کر دیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ایک اور آدمی کی طرف بھیجا، اس نے ایک اونٹنی بھجوا دی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹنی کو دیکھا تو فرمایا۔“

”یا اللہ! اس میں اس برکت عطا فرما اور اسے پیچھے والے کو بھی۔“

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں نے کہا۔

”جو اسے لے کر آیا اس کے لئے بھی برکت کی دعا فرمائیں۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”اور جو اسے لے کر آیا (اللہ اسے بھی برکت دے۔“

پھر آپ کے حکم سے اسے دوہا گیا، اس نے بہت دودھ دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پہلے شخص کے بارے میں، جس نے انکار کر دیا تھا، فرمایا۔

”یا اللہ! فلاں کا مال زیادہ فرما۔“ اور جس نے اونٹنی بھیجی تھی، اس کے حق میں فرمایا۔

”یا اللہ! اس کو روزِ کارِ رزق روز دے۔“

ہلاکت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”ہلاک ہو جائے (تباہ ہو جائے) دینار کا

ان قصوں کہانیوں کے موجب ایک بادشاہ کے لادلاہلہ مرنے پر لوگ صبح دم شہر کے دروازے میں سب سے پہلے داخل ہونے والے مسافر کے سر پر تاج رکھ کر شادیانے بجا دیتے تھے، کچھ لوگوں کا کہنا ہے شاہ مرحوم کا کانا وزیر اس پہلے آدمی کو پہلے ہی لنگی دروازے سے یا فیصل گئے برج سے رہی لنگی شہر کے دروازے کے پاس اتار دیتا تھا اور وہ شہر تک سر دی سے ٹھہرتا اپنے کو بادشاہی کے خوابوں سے گمراہاں دہکا پڑا رہتا تھا، لیکن ہم اس شخص بدگمانی سمجھتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ اس زمانے میں ولی عہد پیدا کرنے کے مقول انتظام ہوتے تھے، خاصے مہنگان حرم بیگمیں کے بھی، کنیزوں کے بھی، امراء و ذرائع بہو بیٹیاں اس پرستار اور اولاد نزدیک بشارتیں اور دعا میں دینے والے اہل اللہ بھی شہر کے باہر ڈیرے جمائے بیٹھے رہتے تھے، شہر سے باہر کھنٹی دور بھی نہیں کھنٹی گونڈ رو نیاز کے ٹوکے وہاں تک لے جانے میں دقت ہو۔

علاوہ ازیں ان دعاؤں کو مستجاب بنانے اور اس معاملہ میں قدرت کا ملکہ کا ظہور میں لانے کے لئے محل کے اندر وحشی غلام بھی رہتے تھے جن کے سرکاری فرائض تو دن میں ختم ہو جاتے تھے لیکن اپنے آقا کی بیگمات کی فرمائش پر اور نام بھی خوشی خوشی کر لیتے تھے، خواہ سر اوں کی موجودگی اس میں مانع نہ ہوتی تھی، تاہم راستاؤں سے پنا چلتا ہے کہ بادشاہوں کی لادلاہلہ اور صبح دم مسافروں کو بیٹھے بٹھائے چکی پکانی بادشاہی ملنے کی وارداتیں خاصی ہوتی تھیں۔

☆☆☆

ہم بادشاہت کے تہہ دل سے قائل ہیں، اس وقت بالخصوص مسلمان ملکوں میں جو بادشاہ

ہیں، وہ ہماری آنکھ کا تارا ہیں، ہم نے کئی بار لکھا کہ راب جو ہمیں خدا نے بر ملک دیا ہے تو اس میں ہمیشہ بادشاہت لا کر کسی کو بادشاہ یا خلیفہ بنانا چاہے تاکہ یہ آئین دستور، پینڈل پارٹی، بی این اے وغیرہ کے جھگڑے نہ اٹھیں، یہ کوئی ضروری نہ تھا کہ ہمیں بادشاہ بنایا جائے، کسی اور کو بھی بنایا جا سکتا تھا، کیونکہ فی زمانہ اہلیت اور لیاقت کو کون دیکھتا ہے، تاہم ہماری شہنائی نہ ہوتی۔

افغانستان ہم اس لئے بھی آئے تھے کہ یہاں بادشاہت ہے، یہاں بھی نہ بھی کوئی لادلاہلہ مرنے کا کیا جب یہاں صبح دم دروازہ شہر میں داخل ہونے والوں کے حقوق تسلیم کیے جائیں، لیکن یہاں آکر پہلی پالیسی تو یہ ہوتی کہ اس شہر میں نہ تسلیم ہے، نہ کوئی دروازہ ہے، یہاں ہم کھل لے کر پڑ جاتے اور ہر روز اخبار ناغہ خرید کر سیاہ چاشنی خیروں کا مطالعہ کرتے ایک صورت یہ بھی تو تھی کہ لوگ در بدر تلاش کرتے تھے کہ شہر میں کوئی ایسا بصرے یا کاشفرا کو جان تاجر لے جس کا تعلق کسی پرانے شاہی خاندان سے ہو اور جو حسن صورت، لیاقت اور فطانت میں یکٹائے زمانہ ہو، ہم نے اسی خیال سے اپنی ذرا گیارہ اس ڈگری کے علاوہ جو کہ اپنی قرضہ کی ہاندہ کی سلسلے میں ہم پر ایک دیوانی عدالت نے دی تھی (کوئی باہوش عدالت ایسا نہیں کر سکتی تھی) فریم کر کے اپنے ڈرائنگ روم میں لٹکا دیں، جہاں لوگ آتے جاتے رہتے ہیں، ایسے بھی جن کو پارلیمنٹ اور کابینہ میں تک پہنچ سہے اور خود مل تحیر شروع کر دیا، قیاحت یہ ہوئی کہ کسی نے ملکہ عالیہ کو بروقت فیملی پلاننگ کا لہجہ نہ سمجھا تھا جس سے چند فیاضیں پہلے ہی پیدا ہو چکی تھیں بلکہ قیاحت در قیاحت بھی، اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ شہزادی این کے ہاں اس عزیزہ

پیدا ہونے کی ہمیں خوشی نہیں، جب اور سب ہی کو ہے تو ہمیں بھی ہے، تاہم یہ ہوا کہ بادشاہت کی یکو میں ان کا شہر لگ گیا، پانچواں۔ ہم کہاں تک ترے پہلو سے سرکتے جاویں پھر بھی اگر پہلے چار امیدواروں کو کچھ ہو جائے اور ان میں جو اولاد زینہ ہے، وہ فاتر افضل نکل جائے یعنی سب کے سب امر کی منکوحہ کو توں سے شادی کر کے وزیر اعظم وقت کو تاراض کر لیں، یا رورن کیسٹھولک، سلمان یا کبیر چٹھی ہو جائیں اور یہ نو لود پچی تاج پہننے سے انکار کر دے کہ چھتا ہے یا میرا اس سے خراب ہوتا ہے تو سلطنت دست بدست ہم تک آ سکتی ہے، لیکن آج یہ خبر آئی کہ اس گھرانے میں ایک اور شہزادی نے جنم لیا ہے، یہ ڈچس آف کوسٹری صاحبزادی ہیں، ان کا بادشاہت کا قطار میں بار ہواں نمبر ہے۔

ہم نے ایک ہمدرد سے ذکر کیا اور کہا کہ ”کوسٹری میں رہنے کی وجہ سے ہم بھی ایک طرح کے ڈوک آف کوسٹری بنیں گے۔“ تو کہنے لگے۔

”صاحب من، اگر ملکہ الزبتھ ثانی کو ملکہ کورور کی عمر ارازی ہوتی تو کبھی کبھ نہیں کر ایک سو بار ہواں امیدوار بھی پیدا ہو جائے، بس سہلے اپنے وطن واپس جاؤ، اپنا وقت مت ضائع کرو، الیکشن کے رجسٹر کے مطابق تمہارا بہر وارثت کے معاملے میں چھ کروڑ اسی لاکھ روپیہ ہزار آنکھ سو بیسیواں ہے، پھر تم کالے کی ہوا اور پانی راستاؤں میں بھی شاہی خون کی لہر ہوا کر گئی۔“

ہم نے بتایا کہ ”کالے تو ہم بیماری کی وجہ سے ہو گئے ہیں، جب وقت آگے گا تو اسے ملک سے گور کرنے والی کریم دیکھیں گے، جس کے

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیں

ابن انشاء

- ☆ اردو کی آخری کتاب.....
- ☆ غار گندم.....
- ☆ دنیا گول ہے.....
- ☆ آوار گرد کی دھاری.....
- ☆ ابن بطوطہ کے تعاقب میں.....
- ☆ چلتے چلتے جہنم کو چلنے.....
- ☆ تھری گری پیر مسافر.....
- ☆ خطا سبھی کے.....
- ☆ بستی کے اک کوپے میں.....
- ☆ چاندنگر.....
- ☆ دل وحشی.....
- ☆ آپ سے کیا پردہ.....

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

- ☆ تھوڑا اردو.....
- ☆ انتخاب کام پیر.....
- ☆ ڈاکٹر سید عبداللہ.....
- ☆ غیث تشر.....
- ☆ غیث غزل.....
- ☆ غیث اقبال.....

لاہور اکڈمی، چوک اردو بازار، لاہور
فون نمبر 7310797-7321690



پاکستان ڈراما سٹریکٹوریٹ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہاں رہے ہیں۔ ان کے نمایاں ڈراموں میں "میرے چارہ گر" نے کافی توجہ حاصل کی۔ اس کے علاوہ اب تک درجنوں ڈرامے اور کامیاب فلمیں اپنے ناظرین کو دے چکے ہیں۔

حنا انجسٹ کے خصوصی اوراق کے لیے آج کی شخصیت احسن خان سے ملاقات حاضر خدمت ہے۔

۲۰۱۰ء

☆ احسن خان۔

۰ آپ کی پیدائش کہاں ہوئی؟

استعمال سے جتنی تک گورے ہو سکتے ہیں اور روڈ شاپیاور جنوبی افریقہ تک گورے ہو سکتے ہیں، اب رہی شاہی خاندان کی بات ہم نے ایک پرانی کتاب میں دیکھا ہے کہ پراچین زمانے میں ہمارے جد امجد کالج کے قریب ایک ریاست کے ایک طرح سے راجہ تھے، وہ یوں کہ بظاہر راجہ ان کے چھوٹے بھائی تھے لیکن وہ بڑے بھائی یعنی ہمارے جد امجد کا انتخاب کرتے تھے کہ ان کی کھڑاؤں تخت پر تو نہیں، تخت پر جگہ ہی کہاں ہوتی ہے، تخت کے نیچے رکھتے تھے۔

ہمارے ان مہربان نے فرمایا۔

"یہ انگلستان ہے، یہاں انگریزی خون یعنی سفید خون کی شرط ہے، کالج کا حوالہ نہیں چلے گا۔"

☆☆☆

تاریخ انگلستان ہم نے اس خیال سے لکھنی شروع کی تھی کہ آخر میں اپنے عہد کا حال اپنے قلم سے لکھ جائیں تاکہ آئے والے مورخ غلطیاں نہ کریں، لیکن قارئین کرام شاعر کہہ گیا ہے۔

"جب وطن از ملک سلیماں خوشتر"

اب ہم فرنگستان کے راجہ پاٹ پر لالت مار کر وطن واپس آنے اور ایک رجم دل اور بیدار مغز تاجدار کے طور پر اپنے ملک اور عاپا کی خدمت کرنے کے لئے بے تاب ہیں، جو کی امراء اور عائد کا کوئی وفد ہمیں لینے کے لئے آئے گا، ہم لندن کے درو دیوار پر حسرت سے نظر کرتے ہوئے روانہ ہو جائیں گے، اس کالم کی کئی سنیال کر رہیں، اپنے سب قارئین کو ہم خلعت انعام دیں گے اور لوگوں کا مزہ مورتوں سے دیں گے خصوصاً ان کا چونکنا چینی کے لئے مار کھولنے کی کوشش کریں گے۔

(مستری دہائی میں لکھا گیا)

ہم نے دل برداشتہ ہو کر کہا۔

"اچھا تو اور ملکوں کے نام بتاؤ جہاں بادشاہت ہو اور جہاں جوہر قابل کی قدر ہوئی ہو، اسلامی ملک ہو تو اور اچھا ہے، کیونکہ ہمیں اسلام کا بول بالا کرنے کا بھی شوق ہے۔"

ہمارے ان دوست نے چند ملکوں کے نام بتائے لیکن یہ بھی کہا کہ "آج کل وہاں ویزا کی پابندی ہے اور پاکستانیوں کو وہاں نہیں ملتا۔"

اس کے بعد جب سے پی آئی اے کا تاثر ٹیلی ویژن کر سکتے تھے۔

"بتاؤ، لندن سے کون کون سی فلائیں سیدی کراچی جاتی ہیں؟"

ہم نے منقش ہو کر کہا۔

"رہنے دے، ہم خود دیکھ لیں گے، آدی گڑن دے، گڑی کی بات تو کرے۔"

ہم بادشاہ ہوتے تو کیا کرتے، اس باپ میں ہم نے ایک منشور چھاپ رکھا ہے جسے خرچا ڈاک کے لئے دس روپے بیچ کر ہم سے طلب کیا

☆☆☆

☆ میں اور میرا بھائی یا سر جڑاں ہیں۔ ہماری
توڑ جاتا ہے۔

اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ مجھے فلوں اور ڈراموں
میں ہمیشہ رومانوی کردار کرنے کو ملے۔

0 شادی لومیرج تھی کہ راتج؟

☆ میری شادی لومیرج بھی ہے اور راتج بھی میری
بیوی فاطمہ بہت اچھی خاتون ہیں۔ اور کافی حد تک
ہم میں دفنی ہم آہنگی بھی ہے ہم ایک دوسرے سے
اکثر خیالات کا تبادلہ بھی کرتے رہتے ہیں۔

0 شادی کو کتنا عرصہ ہو چکا ہے؟

☆ میری شادی کو پانچ سال ہو گئے ہیں،

0 شادی کے بعد زندگی گزر رہی ہے؟

☆ جیسا کہ میں نے بتایا کہ میری اپنی بیوی کے
ساتھ بھرپور دفنی ہم آہنگی ہے۔ اور میری بیو میری
دوست ہے۔ اس لیے ہم ایک دوسرے سے کبھی کوئی
بات نہیں چھپاتے اور ہماری زندگی بہت اچھی گزر
رہی ہے۔

0 آپ کے بچے کتنے ہیں؟

☆ میری ابھی ایک چار سال کی بیاری بیٹی ہے۔
سکینڈو کیلچر کہ بہت خوش ہوتا ہوں، اس کے ساتھ
نہایت شگفتہ انداز اور رکھتا ہوں۔

0 آپ کو ویرن ملک فلوں کی بھی آفرز ہوتیں؟

☆ جی ہاں، مجھے انڈین فلوں اور ہالی وڈ فلوں کی

آفرز ہوتی ہیں۔ ابھی میٹنگز جاری ہیں۔ انشاء اللہ
جلد ہی آپ کو کسی ہولی وڈ کی فلم میں نظر آؤں گا۔

0 آپ کے پسندیدہ ادیب کون سے ہیں؟

☆ پاکستان میں اچھے ادیبوں کی کمی نہیں ہے بہت
سے نام ہیں، جیسے سعادت حسن منٹو ممتاز مفتی،
قدرت اللہ شہاب، یوسف اچھے ادیب تھے مجھے
اشفاق احمد بہت پسند ہیں۔ ان کی کتابیں بہت شوق
سے پڑھی ہیں آج بھی ان کی کتابیں پڑھتا ہوں تو

ایسا لگتا ہے پہلی بار پڑھ رہا ہوں ہر بار کچھ نیا ملتا ہے
ان کی کتابوں میں۔ اس کے علاوہ فریڈریش شون
کتاب "کے فقیر" مجھے بے حد پسند ہے۔ میرے
خیال میں ہرنو جوان کو "کے فقیر" ایک با ضرور
پڑھنی چاہیے۔

0 آپ نے ایم اے انگلش لٹریچر کیا کیا۔ آپ کے
پسندیدہ انگلش رائٹرز کون ہیں؟

☆ انگلش رائٹرز بہت سے پسند ہیں۔ قابل ذکر
Paulo Coelho ہیں۔

کروں اگر نثر چھوٹ جائے تو قضا لازمی ادا کرتا
ہوں

0 پسندیدہ فلمی اداکار کون سے پسند ہیں؟

☆ جاوید شیخ، ندیم صاحب، کو بہت پسند کرتا ہوں
اور اداکاروں میں براثر شریف فہرٹ ہیں۔

0 کیا کھانا بنانا آتا ہے؟

☆ کلنگ میں اٹھا اور چائے پی بنا سکتا ہوں۔

0 کھانے میں کیا پسند ہے؟

☆ مجھے ساگ اور مکئی کی روٹی بہت پسند

ہے۔ اور تھائی فوڈز شوق سے کھاتا ہوں۔

0 زندگی میں کسی نے احسان کیا ہوا؟

☆ میرے والدین میرے سب سے بڑے محسن ہیں۔

- اس لئے عمران خان کو پسند کرتا ہوں۔

0 اگر اقدار ملے تو سب سے پہلے کیا کریں گے؟

☆ اس ملک سے کرپشن پیدا کرنے والے عناصر کا

خاتمہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ جس کی وجہ سے تمام

☆ میرے والدین نے ہمیشہ ہمیں پیار سے سمجھایا

کبھی ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی۔

0 کوئی ایسی خواہش جو پوری نہ ہوئی ہو؟

☆ اللہ کا شکر ہے جو چاہا وہ پایا کوئی خواہش نہیں
جو کہ پوری نہ ہوئی ہو۔

0 مستقبل کے کیا منصوبے ہیں؟

☆ میں مستقبل قریب میں لیڈ بڑ اور چینل کی بونیک
کی پہلی برانچ لاہور میں شروع کر رہا ہوں۔

0 نئی نسل کو کوئی پیغام دینا چاہتے ہیں؟

☆ میرا تمام نوجوان نسل کو پیغام ہے کہ اپنے والدین
کی خوب خدمت کریں۔ اور خوب محنت کریں۔

☆☆☆

سولہویں قسط کا خلاصہ

بروقت طبی امداد اور کیتھارین کا خلوص دعائیں ماریا کو پھر سے زندگی کی طرف لے آتی ہیں۔ شہر یار کی خرابی طبیعت پسندیدہ اس کی خیریت پوچھتی ہے تو اپنے سرد روپے اور روڈ انداز سے وہ اسے رنجیدہ کر دیتا ہے۔

اریبہ قرآن پر رٹ کر رکھ دیتی ہے مگر صالحہ کو اٹھانا نصیب نہیں ہوتی، وہ فاج و لغتوہ کے شدید ایک کا شکار ہو جاتی ہے تو اس کے جھوٹ کا پردہ سب پر چاک ہو جاتا ہے۔

ماریا کی سائیکس ایک بار پھر کیتھارین کو الجھا دیتی ہے اپنے طریقہ علاج میں ناکامی، ماریا کی پھر سے خودکشی کی کوشش وہ ڈاکٹر ز سے یہ نکات دیکھ کر کرتی ہے۔

شہر یار سنجیدہ کو آفس ڈراپ کرنے جاتا ہے تو راستے میں گاڑی خراب ہونے کے ساتھ ابر آلود موسم، ڈاؤن مو بائل بیٹری یہ صورتحال موڈ خراب کر دیتی ہے۔

اریبہ کی والدہ پھر سے باطل پن کے شدت آمیز دورے میں ایک عورت کو زخمی کر دیتی ہے۔

کیتھارین ماریا کے ہوش میں آنے پر کسی کاروبار سے دستبردار ہوتی ہے تو اشتعال و دکھ کا شکار ہو جاتی ہے، اسے اپنی ہمدری طلوس بیکار کیا نظر آتا ہے، کیتھارین کی ایوی پی ڈاکٹر اسے یونانی نفسیاتی طریقہ علاج کے مطابق ماریا کی تشکیل عادات کی ریکوری کرنے کا مشورہ دیتا ہے۔

متر ویں قسط

اب آپ آگے پڑھیے



اجازتوں کی داستان جو تم کو ہوا تو سنا لیں تم کو بہت سا جانتے رہتے ہیں چلو ذرا سا جگہ میں تم کو تم ہی ہو جو ہستی بن کر گمراہی انکھوں میں آئے ہو جس بات کی تمہیں یہ کہنا ہے پھر بھلا کیل لیاں ملں تم کو

وہ اس کی طرف دیکھ رہی تھی، بھی رنگ بدلے میاں لے پڑتے چھائے دایلوں کو اور وہ اطمینان سے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے کھڑا تھا جیسے اسے انجانے منٹ کے لئے تو کھر سے نکلا تھا، ہلکی چٹکی بولنا باندی شروع ہو چکی تھی اور اس افقائے سعید کا حد درجہ اشتعال بے بسی میں ڈھال دیا تھا، وہ رست واضح دیکھ رہی تھی اور آفس میں ہونے والی میننگ، اپنی پوزیشن، دروازے کا اعتماد، شیئر ہولڈرز کی کنوین کوڈی ہوئی تا عنکب سب کچھ سوچتے ہوئے بے بسی کے شہ پر ترین احساس نے اس کی خوبصورت آنکھوں کو پانی سے بھر دیا تھا وہ اپنے سامنے کھڑے بے حس شخص کو نگاہ میں سے دیکھتی خود کو مزید پیچھنے سے پہلی فرخت ڈور ٹھوکی گاڑی میں اٹھتی۔

شہر پاراس کی بھرائی نگاہیں دیکھ چکا تھا کراس وقت اسے توجہ نہ کر دہ سعید کے سامنے خود کو ہلکا پڑائیں دیکھ سکتا تھا، اگرچہ اس کے آنسو شہر یار کے لئے قابل برداشت نہ تھے وہ اسے یوں بے چارگی میں دیکھتا نہیں جانتا تھا لیکن حالات اسی صورت حال کے متقاضی تھے، سو خود کو ذرا بے نیاز ظاہر کر دہ بھی دوسری طرف سے فرخت ڈور کو ہلکا ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔

”ہو سکتا ہے اس کے پاس موبائل موجود ہو کراس نے آف کر کے رکھا ہو اور محض مجھے زنج کرنے کو یہ سارا ڈرامہ ٹھیل رہا ہو۔“ سعید کے ذہن میں اس خیال کا آیا تھا اور اپنے مقابل بیٹھے شخص کو زور دیدہ نگاہی سے دیکھتے خود کو صہالجا نہ موڈ میں لے آئی۔

”سٹیل اگر آپ یہ سب مجھے زنج کرنے کو کر رہے ہیں تو Request me please“ آپ ایسا تم کریں میرا آفس بیٹنا بہت ضروری ہے فارن ڈسٹیکشن کے ساتھ میری بہت اہم میننگ ہے اور میرا آفس بیٹنا بہت ضروری تھا، اگر میں آج میں نہ گئی تو میرا تاثر بہت برا پڑے گا میننگ کے شر کا یہ۔“ کتنا عجیب سا انداز تھا جس سے شہر یار نے بھر پور غماز اٹھایا تھا۔

”اچھا! چند گھنٹے کی میننگ کے شر کا، پر اپنے تاثر خراب ہونے کا کتنا ذرا ہے تمہیں اور زندگی بھر کے سچائی کے ساتھ تمہارا رویہ کیا تاثر دے رہا ہے اس کی کوئی پروا ہے تمہیں۔“ اس کی ٹھوڑی کو ذرا سا اوپر اٹھاتے ہوئے وہ پوری توجہ سے دیکھتا ایسے انداز میں بولا تھا کہ سعید کا بے ساختہ دل چاہتا ہے پوری گاڑی اٹھا کر اس کے اوپر دے مارے مگر ہائے رہے مجبوری دل کے چاہنے سے سب ہوتا کب ہے اس وقت ویران جگہ خراب موسم اور کبھی وہ مکمل طور پر اس شخص کے رحم و کرم پر تھی اور اس سے منہ ماری کر کے اپنے لئے مزید کوئی مشکل کھڑی کرنے کا ریسک ہرگز نہ لے سکتی تھی، سوبط کے گھونٹ پیچتی لب کاٹ کر رہی تھی اور شہر یار اس کے مزاج کیل کا یہ بے بس انداز برا حرا دے رہا تھا اس کے دلش لبوں پر ایک مٹھوئی کی شکرابٹ آکر ٹھہری، فی الحال تو دایوین کا ہر چانس تم سے البتہ ایک راستہ سے یہاں سے کچھ فاصلے پر ہم آفس اپنے کسی نئی برانچ پر کام کر رہے ہیں تو وقت گزرنے کے لئے ایک ریٹ ہاؤس بنا ہوا ہے میرا خیال ہے ہم وہاں چلتے ہیں، شہر یار

نے تانید طلب انداز میں اسے دیکھا تھا جس کے چہرے پر نگاروی کا تاثر پورا واضح تھا۔
”آپ کے ریٹ ہاؤس میں جانے سے بہتر ہے میں گاڑی میں بیٹھی رہوں یا بارش میں چلتی آؤں؟“ لہجہ اور انداز درست تھا۔

”Ok, as you wish“ میں تو تمہارا بھلا چاہتا تھا تمہیں نہیں پسند تو کوئی بات نہیں، دیکھو کہ دو کاپی مفروانا کا پرچم نچا کر تو کو کچھ مضائقہ نہیں، کیوں کر اسکی تو بارش بھی ہے، ہم پیدل یا آسانی ریٹ ہاؤس تک جا سکتے ہیں بارش میں اور مسلسل ہو گئی تو گاڑی میں بیٹھنا بھی اتنا ہی سزا نہ ہوگا، گاڑی کا رنگ سنا ہے ہے اور سیارہ پڑا آسانی بھی بڑی تیزی سے سکتی ہے ابھی پھیلے آسمان پر جو کچھ آسمانی گاہگاہ سے مرے تھے وہ سب کالی گاڑی میں بیٹھے تھے، وہ اتنے عجیبہ لکچھے بولا تھا کہ اسے کھینچ کر اپنا دروازہ دوسرے ہی پل گاڑی سے نکلی اس کے ہمراہ قدم بوجھانے کی شہر یار نے راب مسکراتا جا رہا تھا ہلکی پھلکی بوندیں مونے قطرلوں کا روپ دھارتی آہستہ آہستہ تیز ہو چھاڑ میں تبدیل ہونے لگیں اور وہ بھاگنے کے انداز میں تیز تیز چلتے جب تک ریٹ ہاؤس پہنچے اچھے خاصے بیگ چکے تھے، ریٹ ہاؤس کا گیٹ وہاں پہلے سے موجود ملازم کھول چکا تھا، شہر یار اسے اندر کرنے میں بٹھا کر خود جانے کہاں غائب ہو چکا تھا، پڑے گئے ہونے کے باعث ٹھنڈا اس کے جسم میں لپکی پکڑا کر رہی تھی۔

کچھ دیر تو وہ کین کی پیچھے بیٹھی اپنے کپڑوں سے بچرتے پانی کو دیکھتی رہی جب ٹھنڈا اور کپکپاتا حد سے سوا ہونے لگی تو اٹھ کر شہر یار کو دیکھنے کی تاک کو کرنا چارہ وغیرہ لے سکے، وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی کرے کے آگے بے برآمدے سے گزرتی اندازہ کرنے لگی، شہر یار کو موبائل کان سے لگائے دیکھ کر اس کے پیچھے سارے خواں ایکدم سے چوکنا ہوئے تھے وہ رک کھنے کی کوشش کرنے لگی۔

”یہ تو کبہر کا تھا میرا موبائل گھر رہ گیا ہے اب کہاں سے موبائل آ گیا۔“ سعید کو جس کے ساتھ اس کے جھوٹ بولنے پر غصہ بھی آ رہا تھا نے فی الحال پس پشت ڈالے وہ اس کی گفتگو سننے کی سعی کر رہی تھی۔

”جی ہا، آپ فکر مت کریں، ہم ریٹ ہاؤس میں ہیں، گاڑی وہیں سے آپ ڈرائیو کر بھیج کر گاڑی گھر سے ریٹ ہاؤس بجوادیں اور میری گاڑی سلیکٹ کر دکھائی پڑے گی۔“ وہ اب خاموش ہو کر عصفان علی خان کی بات سن رہا تھا۔

”سعید! اڑو کے پیا آپ میننگ سے فارغ ہو لیں پھر آپ کی بات کرو اتنا ہوں۔“ شہر یار آرام سے بولتا اسے بچھن کر گیا۔

”کتنا بڑا دھوکہ باز ہے یہ شخص موبائل فون پاس رکھتے ہوئے مجھ سے جھوٹ بولا اور کیا خبر گاڑی خراب ہونے کا ڈرامہ رچا کر میرے ساتھ جا کو بھی دھوکے میں رکھ رہا ہو۔“

سعید ہلے بل میں اعصابی تناؤ کا شکار ہوئی تھی گیارہ اتنا ظالم شخص تھا کہ برس میننگ میں اسکی آکورد پوزیشن کا سوچا نہ دہائی دباؤ کو دھیان میں رکھا اس کی تنہائی اور بے بسی سے خط اٹھا کر کیا اپنے نفس کی تسکین کر رہا تھا اور یہاں اس ابھی مائل میں وہ اس کے ساتھ کچھ بھی کر سکتا تھا سعید

کو غصے، رنج اور بے بسی کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ اپنی کم مانگی کا بھی شدت سے احساس ہوا، وہ اب کیا کہہ رہا تھا یہاں سے کیا اس رہا تھا، باہر بارش کی تیز اور بجلی کیسے چمک رہی تھی، وہ کی بھی چیز پر دھیان دے بغیر تیز قدم اٹھائی دروازہ کھول کر باہر نکل گیا اور ایک دورے سنسان راستے پر چل پڑی، وہ کی بھی طرح شہر یار کی دسترس سے دور ہونا چاہتی مگر طوفانی موسم اور اپنی پوزیشن کا خیال کیے بغیر۔

شہر یار موہاں آف کر کے پلٹا اور واپس کمرے میں آیا تو سنیچر کو نہ پا کر پہلے تو یہی سمجھا واپس روم میں سے ہی منٹ تک کی مکمل خاموشی نہ پائی کرنے کی آواز، وہ بے چین سا اٹھا واپس روم کا دروازہ دیکھا تو وہ کھلا تھا اندر کوئی نہ تھا، پھر اس نے ریٹ ہاؤس سارا اٹھا لیا مگر سنیچر نہیں نہ تھی، اس کی نگاہ اچانک ریٹ ہاؤس کے بیرونی دروازے پہ لگی جو کھلا تھا، شہر یار دروازہ کھلا دیکھ کر بری طرح چونک اٹھا۔

”حکم علیہم، دروازہ بند نہیں کیا تھا۔“ وہ چونک کر پوچھا۔
 ”صاحب کنڈی لگا تھا ہم نے۔“ پٹھان چونک کر ہم کو بولا۔
 ”کنڈی کے بچے تم نے تالا لگنا تھا۔“ وہ قسم سے ڈھار اور اسے احساس ہوا کہ چونک کر سنیچر کی گشتگی کا جان گیا تو..... خود پہ قابو پا کر اپنی سیاہ بیٹھ پہنٹا ہوا تیز قدم اٹھا تا اس کی تلاش میں آگے بڑھا۔

”یہ تو راستہ بھی بہت خطرناک ہے اور کچھ وہ ہے بھی بیوقوف سی، ساتھ جنگلی علاقہ لگتا ہے اگر کوئی حادثہ پیش آ گیا تو.....“ شہر یار کا دل خدشات سے بھرا ہوا نہ لگا۔

☆☆☆

اریبہ کپڑے دھو کر دھوپ میں پھیلاتے چھت پہ آئی تو لگتی کہ ایک سرے سے ایڑن تک کپڑے پھیلاتے ہوئے اس نے یونی کپڑوں والی بائی میں غورا ہوا پانی جھینکنے کے لئے خود کو ڈرا آگے کیا تو اسے چھت کے اس کونے سے ایک مخصوص قسم کی بوکا احساس ہوا اور یہ سانس اور دماغ کو پکڑی بوس چیز کی تھی اریبہ کو کچھ نہ آئی اس نے کمرے کی حالت میں جھکتے ہوئے اچھی طرح اندازہ کرنا چاہا تو حواس اٹکد سے چونکا ہوئے تھے کیونکہ اس کی نگاہوں کے سامنے مگرے کے دوادھ چلے کڑے پڑے تھے۔

”یہ کہاں سے آئے، ہمارے گھر میں تو مگر بنے والا کوئی بندہ نہیں پھر؟ کیا شہباز نہیں ابھی بچہ ہے، وہ اسے ایسی لاش چیزوں کا علم کیا؟“ اس نے خودی اپنے خیال کی سختی سے لگی۔

”پھر یہ کون بی سکتا ہے جبکہ دو باج بھی ایسی کسی علت سے دور ہے اور وہ بھی اگر کچھت سے بھی نہیں بیٹھا پھر؟“ وہ بے چین اور شکری کیفیت کے ساتھ سبز حیاں اتر کر نیچے آئی، شہباز کے کمرے کا دروازہ اس نے نادانستی کھولا تھا اور اندر قدم رکھتے ہی اسے اسی ناگوار جھک کا احساس ہوا، وہ چار پائی سے چادر اور ٹیکہ اٹھا کر دیکھنے کی پھر دیوار کے ساتھ کھڑی الماری کے دروازے پر کھڑکی کے مگر نہیں مگر کی، اذیتا نہ کی البتہ کمرے کی ناگوار فضا تاریکی کی کہ یہاں کچھ دیر پہلے چھت سے مگرے کی پی گئی ہے، اریبہ پریشان نگاہوں سے کمرے کو دیکھتی کچھ سوچتی یونی کھڑی رہی پھر

نیچے بیٹھے ہوئے چار پائی کے نیچے جھکا ہوا جیسے شاگردی رہی، مگر بیٹ کی تین چارٹی ڈیوں کے ساتھ ان گنت ختم شدہ مگرےوں کے ٹوٹے پڑے تھے وہ یقین نہیں کرنا چاہتی مگر اسے یقین کرنا پڑ رہا تھا کہ یہ سب اس کے بھائی کا کارنامہ ہے وہ بھائی جس کے سنہرے مستقبل کے خواب کٹی آنکھیں دیکھ رہی تھیں، جس کو ایک کامیاب انسان بنانے کی سوچ اسے دن رات پریشان رکھا کرتی تھی، بھائی نے کھار ہو رہا تھا، اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

”اریبہ آپنی خالہ آئی ہیں، آپ نے امی کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا ہے، چیک اپ کو تیار ہو جائیں۔“ باہر سے ریجی کی آواز آئی تو وہ بمشکل خود کو سنبھالتی اپنے حواس درست کرتی کمرے کا دروازہ لاک کر کے لگی، جو یہی خالہ کے ساتھ مل کر امی کے کپڑے تبدیل کر دوا رہی تھی، اریبہ بھی منہ ہاتھ دھو کر اپنی چادر اوڑھنے کی پھر جو یہی کو بولا تے ہوئے آگے بڑھی۔

”جو یہی شہباز آئے تو اسے گھر سے باہر نہ نکلے دینا بہت آوارہ ہو گیا ہے یہ ناسے اپنی فکر ہے نہ مگر کی، کیا وہ رہا ہے فرزند کی نشتوں کا شکار ہے اور ہم کیسے اسے گڑا رہے ہیں، اس نے خبر رکھنا چھوڑ دی ہے۔“

”آپنی میرے خیال میں تو وہ مگرے لوشی کا شکار ہو گیا ہے، میں نے نہ صرف اس کے کمرے سے مگر بیٹوں کی بھوسوں کی ہے بلکہ اس کا رنگ بھی کالا پڑ رہا ہے۔“ جو یہی نے تشویش سے کہا۔

”ہوں تم ٹھیک کہہ رہی ہو، میں بھی یہی محسوس کر رہی ہوں۔“ وہ فکر سے بولی۔
 ”اسی لئے وہاں بھائی ہیں کہا کرتے تھے اس کا خیال رکھنے اور ڈیڑی روشن چیک کرنے کو ہم نے اپنی پریشانی میں دھیان ہی نہ رکھا۔“

”دماغ کو ڈرا سکون ملے تو کہیں دھیان دے، پریشانیوں جان نہیں چھوڑیں، لگتا ہے قدرت نے سبھی مصائب اس گھر کے لئے جن رکھے ہیں۔“ اس نے آزدہ اور کھو کناس لہجے میں کہتے ہوئے چادر کے پلو سے پھیل آنکھیں صاف کیں اور آگے بڑھ کر خالہ کے ساتھ مل کر امی کو سہارا دینے کا بہانہ کر رہی تھی۔

اریبہ اپنی والدہ کے ساتھ مشہور سائیکسٹ ڈاکٹر انم ارشاد کے کلینک میں موجود تھی، ڈاکٹر انم ارشاد اپنی پیشہ وارانہ خوش اخلاقی سے انہیں توجہ سے لے، تجربہ نیک کی تمام کیس سنہری جاننے کے بعد کچھ دیر بہت ہلکے ہلکے اور نرم انداز میں ان سے گفتگو کی ان سے گفتگو کے بعد وہ واپس اریبہ کی طرف متوجہ ہوئیں، تو اریبہ کا پھلا سوا لالہ بھی تھا۔

”کیا خیال ہے آپ کا ڈاکٹر صاحبہ میری والدہ ٹھیک ہو سکتی ہیں۔“ ڈاکٹر انم اپنے مخصوص انداز میں نرمی سے مکرانی تھی۔

”دیکھیں اتنی جلدان کی دماغی حسیات کے متعلق اندازہ لگانا یارائے دینا نہ تو بہت آسان ہے نہ مشکل کیونکہ طب اور علم الادویہ کی بہت زیادہ ترقی کے باوجود انسانی ذہن کے ابہام، خوف کو مکمل طور پہ پہلے پیش میں بیج کر مکر نہیں، اٹھانے سے اس عمر کے اس جیسے میں ناقص ہو جاتے ہیں اور خراب سمجھ اس کی کیفیت کو اور بھی نقصان دہ بنا دیتی ہے ایسے میں کسی شے کا شیخ اور اک

کرتا مشکل ہو جاتا ہے، پھر خوشی رشتوں کا ساتھ چھوڑ جانا سب سے زیادہ اثر انداز ہونے والا حادثہ ہے ان کے لئے اور یہ بتانی ہے چارگی کے ساتھ اندام حیروں میں زندگی گزارنے والے خوف میں آکر اپنے ہوش دھاس سے بیگانہ ہیں۔

”اور یہ بیگانگی جانے کب دور ہوگی، ان کا پاگل پن کم ہونے کی بجائے بڑھتا جا رہا ہے، اب تو باہر کے لوگ بھی ان کی بشریائی کیفیت کا شکار ہونے لگے ہیں۔“ اریہ نیم آنکھوں سے اپنی ماں کو دیکھتے ہوئے بولی۔

”آپ کو انہیں صحت مند دیکھنے کے لئے نہ صرف اپنے رویے میں تبدیلی لانی ہے بلکہ ان کے لئے ماحول بھی بدلنا ہے کیونکہ مریض کی بیماری سے زیادہ کمزوری کی بے حسی اور اکتاہٹ علاج کے غیر موثر ہونے کی وجہ بنتی ہے، لوگ مریض پر ترس کھانے کی بجائے خود ترسی کا شکار ہونے لگتے ہیں، ہم کا دامن ہاتھ سے چھوڑتے ہوئے غصے اور بیزاری کو فطری عمل ظاہر کرنے پہ تیار رہتے ہیں اگر تھوڑی دیر کو مریض کی جگہ خود کو رکھ کر سوچ لیں تو ان کا رویہ مریض کے ساتھ خود بخود خفیک ہو جائے گا، نفسیاتی بیماریوں اور دماغی مریضوں کو ہم معاشرے کے لئے عیب اور اپنے لئے باعث شرمندگی سمجھتے ہیں۔“

”آپ نہیں جانتیں یہ کیسی حرکتیں سرزد کر جاتی ہیں بعض اوقات کہ ہم اچھی خاصی معصیت کا شکار ہو جاتے ہیں جب ان پر دماغی خلل کا درودہ شدید ہوتا ہے تو یہ بتا اپنے پرانے کی نیز کے ہر سامنے نظر آنے انسان کو مجرم سمجھ کر مارنے یا زخمی کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔“ رشیدہ خاتون بولیں۔

”اپنے گھر پر پڑنے والی حادثاتی موت کو اس نے کیا سمجھا، کیا نتائج اخذ کیے اور درغل میں کیا کر رہی ہے یہ سب روکنا ہمارے بس میں نہیں کیونکہ آپ ہر ایک سے اپنی مرضی و غشا کے مطابق سوچنے یا عمل کرنے کی توقع نہیں کر سکتے ہوں اس کی اصلاح کی جاسکتی ہے لیکن اس کے لئے عمل مزاحمتی اور سمجھ داری کی ضرورت پڑتی ہے۔“

ادویات سے زیادہ ہمارا رویہ اہم ہے جو ذہنی مریض کو نمیک کرنے میں معاون ہو سکتا ہے، پیار و محبت توجہ کے ساتھ دماغی خلل کے شدید دورہ میں اپنی برداشت اپنی زبان پر قابو رکھنا ہے، آپ کو ان کے ساتھ نرمی سے پیش آنا ہے ان کی بات توجہ سے سنتی ہے جیسے ہم کو یقین ہو کہ وہ سمجھتے نہیں بول رہی اس کی ہر بات پر رضامندی کا تاثر دینا ہے۔

”آپ کا مطلب ہے ہم یہ ظاہر کریں کہ ہم بھی پاگل ہو گئے ہیں؟“ اریہ تیرہ سے بولی۔
 ”بالکل، اگر آپ کو اپنی والدہ سے محبت ہے تو آپ انہیں ٹھیک دیکھنا چاہتی ہیں تو ایسا ظاہر کرنے یا ان کا پاگل پن سمجھنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس وقت وہ جس ذہنی انتشار اور دماغی خلل کو کھیل رہی ہیں، اس نے ان کے اعصاب کمزور کر دیے ہیں، انہیں آپ کی محبت اور توجہ کی ضرورت ہے ذہنی مریضوں کے ساتھ محبت سے پیش آنا چاہیے ان کے سامنے کوئی سخت بات غصہ دلانے والے الفاظ استعمال نہیں کرنے چاہیں، ان کی بات اور مسائل کو سمجھنے اور سننے کی کوشش کرنی چاہیے۔“

ڈاکٹر کی تمام باتیں اریہ نے بغور سنی تھیں اور اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس نے گہرے پرجوش انداز میں کہا۔
 ”ہمارا کل اعلاہ ہماری ماں ہیں اور ہم انہیں رو بصحت دیکھنے کے لئے سب کچھ کر سکتے ہیں، ہمیں اپنی والدہ سے بہت محبت ہے۔“

”اللہ آپ کو اس محبت و خدمت کا صلہ دے گا انشا اللہ، ان کی صحت و زندگی کے لئے میں چیز آپ کو لوگوں کا رویہ ہی ہے، تاہم میں کچھ مدینہ لکھ دیتی ہوں جو ان کے اعصاب کو مضبوط کریں گی ساتھ اچھی غذا، آرام و دودھ کی ضرورت کی تاکہ ان کی جسمانی کوری گور ہو سکے۔“

ڈاکٹر نے سے کہتے ہوئے پینڈ پر ضروری ادویات اور ڈانٹ چارٹ کی تفصیلات لکھنے لگی، اریہ ایک گہرا سانس سہرتے ہوئے اپنی ماں کو دیکھنے لگی اور اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں جنہیں تیزی سے جھپکتے ہوئے اریہ نے ڈاکٹر کا شکر یہ ادا کرتی الوداعی سلام کے بعد اٹھ کر اپنی ماں کو باہر لے جانے لگی خالہ ساتھ تھیں جو سہارا دے کر چل پڑیں۔

☆☆☆

زندگی اس کے لئے ایک خوفناک اڈے کی مانند تھی جس سے جان بچا کر اس نے بھاگنے کی کوشش کی تھی مگر پہلی کوششوں کی طرح اس کی یہ کوشش بھی کامیاب نہیں ہو سکی اور وہ ایک باہر پھر بچالی گئی تھی جسے کی خواہش کے باوجود وہ ایک بار پھر بھی رہی کی کیوں؟
 آسودگی، طمانیت ہی قلب و نظر کو میسر نہ تھی تو ایسی زندگی کا کیا فائدہ؟ آنسوؤں کی ایک تیز لہر اس کی آنکھوں سے پھسلنے لگی تو اس نے نہایت بے دردی سے رخسار دکڑے اور چہرہ اوپر کیا تو کیتھرین اس کے سامنے کھڑی تھی۔

”واو! کل کر جتنا دردناک جاتی ہو اور میں تمہیں روگوں کی نہیں کیونکہ تم نے کسی کے غلوں کی قیمت جاتی ہو نہ کسی کی اپنائیت و خود ترسی تمہارے لئے کوئی حیثیت رکھتی ہے تمہارے لئے اہم ہے تو صرف اپنی خود ساختہ بیماری جس میں گم رہی تم اپنا ہی نقصان کیے جا رہی ہو۔“
 ماریانے نہامت سے آنکھیں جھکا لی تھیں یہ کیتھرین کو اس طنز پر گنگو کرنے میں حق بجانب سمجھ رہی تھی۔

”زندگی کو کھن گزرا تا ہی کوئی کارنامہ نہیں ایسا تو جانور بھی کر لیتے ہیں، کامیاب زندگی کے لئے بنیادی شرط ہے کہ آپ پر عزم اور خوش مزاج ہوں اور ہمیشہ زندگی کے روشن پہلو پر نظر رکھیں، کرم تم میں بھی یہی تھی مگر مروج پر موز پر تم نے ضبط اور برداشت کو پس پشت ڈالے رکھا اور یہی پوائنٹ تمہاری فریض اور منطقی و کلینک کا باعث بن کر تمہیں اندر سے غیر محفوظ اور غیر مستحکم کرنے کے ساتھ مسلسل ڈپریشن بھی کرتا گیا، کیتھرین کا لہجہ بہت درست تجزیہ پیش کر رہا تھا اس کی ناکام زندگی کا۔“ ماریانے سر جھکا کر اپنی آنکھوں اور گالوں کو اس باتوں کی پشت سے گزرا تھا۔

”یہ نہیں کرتہارے پاس کچھ نہیں تھا تمہارے پاس کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی بہت کچھ تھا، تعلقات، رشتے، داغ، ذہن ان میں سے اگر کسی سب کو ایک خاندان ہماری زندگی سے سنبھلی ہو گیا تو تم اپنی بچی کچی ملائیوں کو بروئے کار لا کر بچہ بچا سکتی تھیں کرم تم نے اس کی ضرورت محسوس

نہیں کی اور یاد رکھو قدرت ہمیں صرف وہی چیز دیتی ہے جسے ہم استعمال کرتے ہیں جس سے ہم کام لینا چھوڑ دیتے ہیں اسے واپس لے لیتے ہیں، سوچئے کہ کبھی اسے آہستہ آہستہ واپس لے لیا جس کی اپنی زندگی میں تم ضرورت محسوس نہ کرتی تھیں۔“ کیتھرین کے سنجیدہ لب و لہجہ پر وہ کچھ گھول تک ہانپ کر جھپکے اسے دیکھتی رہی۔

”یہ ٹھیک ہے کہ ناکامی ہماری پینکشن کو بری طرح متاثر کرتی ہے، پینکشن ہمارے اندر کی توقعات ہوتی ہیں کہ جو کامیابی اور ناکامی دونوں صورتوں کے باوجود ہماری ذات کے اندر موجود رہتی ہیں، جب کوئی فرد ناکامی سے بہت زیادہ خوفزدہ ہو جاتا ہے تو اس کی یہ دنیا متاثر ہونے لگتی ہے، کسی بھی ناکامی کی صورت میں تمہارے لیے ضروری تھا کہ تم ان وجوہات کا جائزہ لیتیں جو تمہاری ناکامی کا سبب نہیں اپنے خوف اپنی ناکامی کو نظر انداز کر کے کچھ عرصے کے لئے نئے مشغلہ اپنائیں اور تمہاری سوچوں اور مقاصد کے بھی نئی راہ ہموار ہوتی کرتے ہیں خود کو ناکام ہونے کے تاثر میں وہ نقوش احساس کمتری کے جو پینکشن سے گھرے تھے انہیں بھی وہی طور پر قبول کر لیا اور اسی خود پسندی و خود مرکزیت میں بغیر کسی جدوجہد کے حوصلہ ہار دیا، جبکہ حوصلہ اپنی آسانی سے ہارنے والی چیز نہیں۔“ کیتھرین نے اسے سمجھا اور سمجھ جاتا تھا کہ اس کی ناکامی کی وجہ سے دنیا تھا، لیکن وہ اذیت محسوس کر رہی تھی کیونکہ بار بار خوف کی فحشی کمزوریوں اندر وہ ناکامی کا اتنا بے رحم تجربہ کوئی اس کے دہرو پیٹھ کر پہیلی بار کر رہا تھا اگر کوئی اور وقت ہوتا تو وہ دم مقابل کو اپنے بچکانہ رویے کی مار سے دو کوڑی کا کر کے رکھ دیتے مگر بیماری کی اس حالت میں جب اس کی تمام فزیکلی اور منطقی حیات پر اثر پڑ رہی تھی کمزوری اور تھکتہ محسوس کرتے ہوئے گلے تلے اچھے بالوں سمیت وہ جیسے بولنے کی حس بھی گھونپ چکی تھی اور کیتھرین نے ڈیڑھ گھنٹہ کا سناٹا سمجھ کر ہنسنا اس کی بھجوری تھی۔

”تم نے سوچا کبھی تم کیا ہو؟ اگر تم خود کمزور رہتی ہو تو پھر یہ توقع کیوں کر تمہاری شخص خوبیاں یا خامیاں دوسرا شخص بنائے، جبکہ تمہاری زندگی میں کامیابی و ناکامی کا دار و مدار تمہارے اپنے طرز فکر اور عمل پر ہے لوگوں پر نہیں، پھر ناکامی کی صورت میں حالات کو کتنا، خود کو کتنا دینا اور آئندہ کے لئے کوشش چھوڑ دینا غلط ہے کیونکہ اس طرح آپ حالات کو حیران کن بنا لیں گے، یہ سوچ کر کہ بس اب ہم کچھ نہیں کر سکتے کام کو اور پھر چھوڑنا آسان یا نجات کا باعث نہیں بن سکتا، کہ پختہ عادات کو بدلا جاسکے ہے تاہم اس کے لئے مسلسل محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔“ انتظار اور جوش مکمل سے تو قدموں کی تقدیر بدل جاتی ہے یہ پھر خود کو کتنا دکھانے کا عمل ہے۔“

”تو تم کیا سمجھتی ہو، میں نے خود کو کتنا دکھانے کی کوشش نہیں کی مگر میرا ساتھ کسی نے نہیں دیا، قسمت، دوست، رشتے معاشرہ سب مجھے تنہا کرتے گئے۔“ احتجاجی انداز میں اس نے اپنے لئے دفاعی جملہ کہا جس نے کیتھرین نے تیزی سے کہا۔

”تمہیں تنہائی، بے کسی اور تنہائی صرف تمہارے اپنے رویے نے بخشی کیونکہ چھوٹی سے چھوٹی بات پر شدید رد عمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے تمہیں احساس تک نہیں ہوا کہ اسے دکھوں کا پرچار کرتے ہوئے دوسروں کے ساتھ تمہارا رویہ کس قدر اذیت ناک ہے اگر تم اپنے رد عمل کا تجزیہ کر سکتے ہو تو چاہتا ہوں کہ اب غلطی میں اور یوں تم بہت سی غلطیوں سے بچ سکتے تھیں خود دشمنی ایسا چیز ہے جو کامیابی

کا حصول ہمارے نزدیک کرتی ہے اور انسان جو حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لئے زیادہ فعال اقدامات کر سکتا ہے، تم بھی خود کو کمزور جانتی تو زندگی سے بہت کچھ لے سکتی تھی، مگر تم اپنی خواہشات و ضروریات پوری نہ ہونے پر طنز طعنے مل کا شکار ہو جلد ہو گئیں، محنت اور کوشش کے بغیر کچھ نہیں ملتا ہے، مگر تمہارے ساتھ میں مسئلہ نہیں تھا کہ تم نے خود کو جانے کی کوشش نہیں کی، ایک حقیقت کے مطابق خود دشمنی سے آگاہی انسان میں خود اعتمادی، ذہانت پیدا کرتی ہے اگر آپ خود کو جانتے ہیں اپنی خصوصیات کو مانتے ہیں تو یقین کیجئے کہ آپ ہر آنے والے غلط ٹریک سے بچ سکتے ہیں اس مسئلہ ہے تو صرف اپنے آپ سے پوچھئے گا۔“ کیتھرین نے کچھ دیر تک اسے بغور دیکھا۔

”خود دشمنی، اپنے آپ سے پوچھنا، تو کیا میں نے خود کو بنا چاہا ہے یا پھر کے جو کیا غلط تھا اور یہ سب مجھے محسوس کیوں نہیں ہوا کہ میں خود اپنے شرت پسند رویے، اپنی موڈی طبیعت اپنے سہمی مزاج کی وجہ سے نقصان اٹھا رہی ہوں، اپنے ناکامیوں کی ان ساری وجوہات سے میں نے خبر کیوں نہ لی، زمانے کو پرکھنے کا دعویٰ تھا مجھے خدا کی اصلیت جاننے کی بھی نہیں بلکہ خود اپنے اندر اپنی اصلیت سے خبر کی خود آگاہ نہ ہونا ہی کیا میرے نقصانات کی بڑی وجہ ہے اور یہ وجہ مجھے کتنی دیر سے کیوں سمجھ میں آئی؟ میں واقعی اعصابی مزاجتوں کے سامنے نیم شعوری کسی ہتھیار ڈال چکی ہوں۔“ ان گنت سوالات تھے جو کیتھرین نے ڈیڑھ کے بے نوک و بے رحم تھمرے کو سننے کے بعد اس کے سامنے سر اٹھانے لڑے تھے اور وہ اپنے دل کی عدالت میں ان کے جواب ڈھونڈ رہی تھی۔

☆☆☆☆

خمن جین میں کمزوری برتن دھو رہی تھی کہ مہاجرین میں بھی سبزی بنیادی تھی جبکہ آئندہ اپنے انگلش پارٹ ٹو کے پیپر کی تیاری کر رہی تھی رشیدہ خاتون، جین کی طرف کی ہوتی تھیں اور اب تک نہ لولی تھیں۔

”یہ ایسی صبح سے گئی ہو جس ابھی تک لولی نہیں، ہمارا ذوق کر کے پتا تو کرواں سے چل پڑی ہیں کہ نہیں۔“ خمن نے جین کی کڑکی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”میرا خیال ہے وہ وہاں پہنچا لولی کی طرف جانے کا ارادہ رکھتی تھیں شاید انہیں ڈاکٹر کے پاس جانا تھا چیک اپ کو۔“

”ادھر وہیں تب تو راجل بھائی چھوڑے جائیں گے خمن نے خمن کو یہ آکومز کیسے پاؤں مطلب شورے والے، مگر یو پی پا چاول ساتھ کر لیں۔“ خمن جین میں پوچھا لگا کے ساتھ دھوئی ہوئی۔

”روٹی کے ساتھ دو دھان شورہ برکتے ہیں تھوڑا گوشت کا سان پڑا ہے صبح والا وہ کس کر لیں گے چاول کھل کھا۔“ ہانے کہا۔

”مگر گوشت والا سان تو میں نے صبح ہی ادا کر دیا تھا کہ خالہ لوگوں کو دے دیں بیچاروں نے جانے کب سے نہ کھایا ہو گا۔“

”ایک تو تم بھردن ہر کام بناؤ مجھے جھٹ سے انجم دے لیتی ہو، ان بچاروں کو بھائی ہفتہ میں ایک دو دفعہ گوشت ضرور دے کے آتے ہیں۔“ ہانے مورا۔

بولی تو رشیدہ خاتون نے کچھ چونک کر بیٹوں کو دیکھا تھا۔
 ”ایسا نہیں کہتے وہ کون سا غیر بن پھر انہوں نے ہمارا کتنا ساتھ دیا ہم اتنی جلد احسان فراموش بن جائیں“ ان کے خفا سے لہجے میں تنبیہی محض شامل تھا۔

”ای پلین آپ یہ بات نہ کیا کریں کہ انہوں نے ہمارا کتنا ساتھ دیا ہے یہ بھی سوچیں کہ ہم نے خود سے اپنے گھر بار کے لیے کیا کچھ نہیں کیا، اپنی اسلحہ پرمیچور کر ڈیوٹی شروع کر دی تھیں، آپ سلامتی کرتی ہیں اور خاڑا سے بیٹیوں کے پڑے ہر تیسرے دن مفت میں سلوا کر اگر مینے میں دو ایک بار سودا سلف یا پزار پانچ سو دینی تھی کچھ ان احسان نہ کرتی تھیں بلکہ آپ کی محنت کا معاوضہ ہی ادا ہوتا تھا وہ دے کے بھانے۔“ ہانے بہت صاف گوئی کا مظاہرہ کر دیا۔

”ہماری طرح ار یہ بھی عملی طور پر بہت کچھ کر سکتی ہے، اگر چاہے تو۔“
 ”مگر ایسا سوچے گا کون جب آرام سے خرچ چورے ہوتے رہیں گے تو کس کو پڑی ہے ہاتھ بیدر بلانے کی۔“ ”خمن نے کہا۔

”تم خاموش نہیں ہو سکتیں، ظاہر ہے وہ اتنی حساس بیٹی ہے اپنے گھر کے لئے کچھ تو سوچ رکھا ہو گا مگر یوں گھر کو کسی کے آسے پہ چھوڑے۔“ رشیدہ نے بھانجی کا دفاع کیا۔

”پھر خالی کر گجویشن نہ کر لی جی نہ نہ شفا سر کون تو کرسی دے گا کم از کم ایم اے کر لے تو کسی عکس بھی جابل سکتی ہے اتنی میں سمجھ کر بیونورس کی اپنی تعلیم تو نہیں چھوڑ سکتی اور مجھے رنجیدہ نہ رہا تھی وہ جاب وغیرہ کا سوچ بھی رہی تھی شاید وہاں بے منتع کر دیا۔“

”بھانجی نے منتع کر دیا مگر کیوں؟“ ”ہانے نے اچھے سے دیکھا۔
 ”بھئی گھبر ہے ہونے والی بیوی ہے نہیں اچھا لگا ہو گا اس کا باہر لنگنا۔“

”واہ رے قدرت وہ ہونے والی بیوی اور تم نہیں تھیں ہمارا تلاش رزق میں لگنا کیسے پسند کر لیا تھا ہماری کمائی کیسے تین سال تک کھائی تھی تب تو ایسی غیرت نہ جا کی اس کے لئے ابھی سے اسنے اصول وضائل اپنی احتیاط و فکر، بھائی ہو کر اس نے آپ سے یا ہم سے بھی گھر سے نہ لنگنے کو کہا بھی منتع کیا روکا امی ہم بھی کچھ لگتیں ہیں وہاں بھائی کی اور ان کی ملازمت کے باوجود ابھی تک ہم دونوں پرائیویٹ سکولز میں جاب کے ساتھ بچوں کو ٹیوشن پڑھا رہی ہیں۔“ بولتے ہوئے خمن نے کام لہجہ بجا ہوا ایم ایس نہیں شکوہ امیر بھی تھا اور رشیدہ خاتون جیسے جی سی ہو کر بیٹیوں کو دیکھ کر کہیں، کیا کہیں تھیں وہ، خمن کوئی فطرتاً کھد رہی تھی گی لگتو انہیں جی تھا ہوا بیٹے سے کہ بہنوں کے لئے کچھ نہ سوچا اور سنگتیر کا اشتیاق۔

”چھوڑو خمن یہ زندگی ہے اور زندگی میں ہمارے لئے سکھ ہے ہی نہیں آزمائش یا تکلیف اور کچھ نہیں تو ذہن کا آزار جینے کے اسنے سامان بھلا کس کو میسر ہوئے۔“ خمن کو دیکھتے ہوئے ہما بولی۔

”اوں ہوں کفر یہ کلمات مت بولو اللہ ناراض ہوتا ہے۔“ رشیدہ نے ٹوکا۔
 ”چاہیں اللہ کسی ہم سے بھی خوش ہو گا کہ نہیں۔“ خمن بوڑھائی ہوئی بڑی لالچاؤ لالچاؤ لالچاؤ کہن کی سمت بوڑھی اور بیونورس سے واپسی پہ ان کے گھر میں داخل ہوئی ار یہ وہیں منجمد ہو گئی کب

”تو مجھے کیا پتہ تھا خیر کچھ نہیں اللہ اور دینے والا ہے اگر ہم نے آج گوشت کھانا ہوا تو اللہ ضرور دے گا۔“ خمن سکون سے بولی۔

”اللہ تو دے گا مگر بندے کو پانا گھر دیکھ لیتا چاہیے، اب نرے آلو منر تو مجھے بھی اچھے نہیں لگتے اوپر سے امی بھی نہیں۔“

”ابھی بہت تاہم ہے تم آرام سے یہ سب بنا لو معاملہ دار چاول پکا لیں گے آلو منر ڈال کے ساتھ دہی کا رائیہ بن جائے گا۔“ خمن نے چھٹ مشورہ دیا۔

”میری تو طبیعت بھی ٹھیک نہیں پکانے کو سو ڈھمی نہیں ہو رہا۔“
 ”تمہاری پسند کی چیز نہ ہو تو تمہارا موڈ یو بی ہو جاتا ہے ابھی گوشت آجائے تو سب سے پہلے

پکن میں تم ہی لٹری ہو گئی اتنی افتاد پرستی چھوڑ دو۔“

”اہ، مجھے کیا پتا تھا چمچوں کے خاندان میں پیدا ہوتا ہے ورنہ دنیا کو آتے ہوئے اپنی سوچ سستی ساوتری کر کے آتی ویسے ڈیٹر سیر دنیا میں مطلب پرست ہونے بنا کوئی کام پورا نہیں پڑتا

لیکن میں اس بات کی بھی قائل ہوں کہ مفاد پرستی بھی ایک مناسب حد تک ہو کیونکہ مفاد پرستی حد سے بڑھنے لگی تو پھر لالچ، جھوٹ، جھوکا دہی بہت سے جرائم کو جنم دینا دسان کو پرے راتے پہلے کا

سلیدہ دینے لگتے ہیں اور برائی ہی ہمیشہ ایک چھوٹے سے سیاہ نقطے سے شروع ہوتی ہے پھر پوری کالی رات میں تبدیل ہو جاتی ہے اس لئے پہلے ایک فرعون تھا اور آج بہت سے فرعون ہیں۔“

”بہت خوب لفظ ہو رہا ہے اب میری پیاری بہنا چلی ابھی طرح بولتی ہو اتنی اچھی طرح صحن کی صفائی کر دو، دیکھو شک چول سے کیسے خمن اٹا پڑا ہے۔“ اسنے میں رشیدہ خاتون اندر آئی میں

اور اندازے کے مطابق رابیل ان کے ساتھ تھا مگر دروازے سے چھوڑ کر پلٹ گیا کیونکہ ان کے گھر مہمان آئے ہوئے تھے۔

”امی بہت دیر لگا دی آپ نے خالہ لوگ کیسے ہیں اور انزلہ آپ کا بتائیں۔“ خمن نے ایک ہی سانس میں پوچھا۔

”اچھی ہے انزلہ خمر سے، تھوڑی کمزوری ہے میڈیسن اور ڈاؤنٹ چارٹ کے مطابق خوراک

لے رہی ہے دیکھو اللہ خمر کا وقت لائے اور اپنی خالہ کا کچھ نہ پھوچو دیکھا تو بے ڈاکٹر ڈاکٹر انہیں فلی طور پر چوبیس گھنٹے میڈیکل کیئر ٹیکہ کی ضرورت ہے، ار یہی ہو نیورس جانے لگی ہے رہیہ اور جو رہے ابھی گھر ہے ہیں تو ماں کو سنبھال لیتی ہیں مگر ایگزائز کا رزلٹ آنے پر کابج جانا شروع ہو گئی تو ان کا فکر پھر پھر ہے ہر وقت کسی کا رہنا تجھ کو سنبھال ضروری ہے بلوں کی بچت کرنے کو ار یہ نہ

فرق بن کر کتنا شروع کر دیا تھا۔“

”ار یہی ہو نیورس جانے لگی ہے جبکہ گھر کا بجٹ اور حالت دونوں ٹھیک نہیں پہلے اپنے گھر کیلے مسائل تو ٹھیک ہی پڑھا تھی تو رات بوقت بھی ہو سکتی ہے۔“ ہانے تنبیہ کی ہے کہ۔
 ”تو اور کیا کر گجویشن کیا ہوا ہے کسی چھوٹی موٹی جاب یہ یا آسانی جاسکتی ہے گھر کیلے حالات معمول ہے لانے کو کچھ تو ہاتھ بیدر بلانے ساتھ ہم ہاتھ بٹاتے جائیں گے سب کچھ صرف ہمارے گھر پہ چھوڑ دینا اور خود کچھ نہ کرنا، اس طرح تو ہم بھی مزید مشکلات میں گمرتے جائیں گے۔“ خمن بھی

آئی وہ کتنی دیر سے کھڑی تھی اور کتنی خاموشی سے انہی قدموں پر مڑتی کوئی نہ جان پایا، ہاں بس اک وحشت ناک سنا تھا جو فضا میں اچا بک بڑھ گیا تھا۔

☆☆☆

غصے، طیش اور کچھ کچھ بے بسی کا اندازہ لے لیتی ابتر ذہنی کیفیت کے ہاتھوں پریشان وہ ریٹ ہاؤس سے چل تو پڑی تھی مگر اندر سے اتنی بہادر ہرگز نہ تھی کہ اسی تیز بارش، طوفانی جھگڑ اور بادلوں کے سیاہ اندھیرے پھر کھلی راستے کی ہیبت ناک یا خوف نہ ہوتا تو آخر ایک نازک نازک بازی لڑی، خود کو کتنا بھی بہادر ظاہر کر لی، اندر سے تو تنہائی سے بھی خوف کھاتی تھی، سواں وقت بھی جتنی آسانی بجلی کرے بادل اور بارش کی تیز بو چھاؤں نے اس کی ساری طرہ خانی ہوا کردی تھی، ابھی کبھی کسی جنگلی جانور کے غرائے کی آواز بھی آجاتی تھی جو اسے مزید خوفزدہ کر دیتی۔

”اس طوفانی موسم میں کوئی جنگلی درندہ مجھے کھایا تو میرا نام نشان نہ ملے گا یا کڑی بجلی نے مجھ کو کربا تو کسی کو پتا بھی نہ چلے گا۔“ وہ خوف کے زیر اثر ہر اس اہل موسم کو ہر کرک سی گئی۔

”مجھے یوں اکیلے نہیں لگنا چاہیے تھا اس شدید بارش اور طوفانی موسم میں میرے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا ہے اور یہاں مجھے جانے والا بھی کوئی نہیں۔“ اس کے خوف میں نہ صرف اضافہ ہو رہا تھا بلکہ سردی اور کچھ بارش سے ہنسیکے ہونے کے باعث اس کی کپڑا اور جود کھپکا رہا تھا۔

بارش اسے بہت پسند بھی ہو دی تھی لیکن موسم کی مگر اس کی طبیعت بھی یوں بھی نکل سکتا تھا کہ سوچا تھا، اپنے نرم گرم ہسٹ پر لپٹے جائے گا کچھ سے ڈرائی فرت اور پکڑوں سے لطف اندوز ہوتے اس کے لئے بارش تھے اسے معافی نہ تھی جب وہ فورٹ میوزک سننے ہوئے اپنے کمرے کی گلاس ونڈو سے شپ گرتی یونوں کو دیکھا کمری تو کتنا خوش ہو کر کمراتی تھی اور اب اسے یہ موسم ذرا اچھا نہ لگ رہا تھا بلکہ اپنی بے بسی و بے چاری پر دوا آ رہا تھا۔

ایک تو طوفانی موسم کا کچھ پر کچھ تیز ہوتا جھگڑ، بوستا اندھیرا پھر اور بارش کے زور سے ملے جیسے جھون کی پر اسرار شاخیں میں شاخیں ستر اڑوں، زور سے کڑی آسانی بجلی سے سب اجڑاؤں کو منظر کی ہیبت ناک اور اس کی پریشانی میں اضافہ کر رہے تھے، خوف، ڈر اور سردی سے کا ہنپتہ وہ ایک قدرے گھنے درخت کے تنے سے لگ کر کھڑی ہو گئی اور خود کو تنے کی۔

”کیا ضرورت تھی جا سوچے مجھے، بغیر موسم کا لحاظ کے ریٹ ہاؤس سے نکلنے کی، اتنی تیز بارش میں حوصلہ جیتنے رہنے سے تو میں سردی سے ہی خوف کمر کر جاؤں گی۔“ اس کی ہر اسالنگاہوں میں بڑے بڑے آنسو تیرنے لگے۔

”اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے شہر یا تمہیں خدا سمجھ۔“ وہ اسے بھی کو تنے کی خائف و ہراساں کی۔

”یہ بارش بھی لگ رہی ہے ساری آج برسی ہے اور یہ بجلی کی اتنی خوفناک کرک، یا اللہ مجھے بچالے، اتنی بے بسی کی موت وہ بھی اپنے امے پاپا سے دور اور باہر شاہریا کا کربا کرم کے نہ اللہ مہیاں تھی ایک ایک شخص سے بدلے لینے کا موقع تو دیدے پھر مجھے اٹھائیا کربا یوں بھری جوانی کی موت ابھی میں نے دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے شادی تک تو ہوئی نہیں میری۔“ ڈرتے ڈرتے وہ اپنے رب سے

بھی جھکے کر رہی تھی کہ کیا تک تیز آسانی بجلی کی ایسی گنجبار کرک ہوئی اس کے اعصاب نوراً سے چیختر خوف اور دباؤ کا ظہار ہوئے بہت لرزے ہوئے اس نے آہٹ الکرسی اور دروازا کھینچا، کا در شروع کر دیا کلام الہی سے خوف و وحشت نے ٹھہرتے اعصاب کو کچھ ڈھارس ملی تو اس نے کسی ہوئی نکلیں اٹھا کر اپنے ارگرد دیکھا تو بارش کی رفتار میں کچھ کمی ہوئی تھی اس اور نہ ہی طوفان کے پلٹنے کا کچھ ارادہ لگ رہا تھا ایسے ہی اس کا ہنپتہ آ رہی تھی کہ وہ کیا کرے، بیٹیں یہ رک کر اپنی متوقع موت کا انتظار کیا واپس جانے کا قصد کر کے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش، مگر وہ کون سا اس جنگلی راستے سے واقف تھی پھر اسے اپنے آنے کا راستہ ہی بھول چکا تھا اور اب موسم کے خراب تر ہوتے تو بارش کی بدترین بو چھاڑا ایسے میں کچھ سوچتا تو کیا بس اعصاب کشیدہ ہو رہے تھے۔

”کیا ضرورت تھی اس بدترین شخص کی باتوں پر غصہ کرنے یا منہ اٹھا کر چل دینے کی، اسے کیا فرق پڑا ہوگا، اذیت میں تو تم گرفتار ہو مصیبت تو تم نے اٹھائی ہے۔“ ایک بار پھر خود کو بے بس محسوس کر کے وہ اپنے آپ کو کس طعن کرنے لگی۔

”اس بدماغ شخص کو کیا پتا ہوگا میں کس آفت کا شکار ہوں، اس نے کون سا مجھے دھوڑنے کی زحمت کی ہوگی، الٹا شکر ادا کیا ہوگا کہ جان چھوٹی مگر میں اتنی آسانی سے تمہاری جان چھوڑنے والی نہیں ناؤں نے نہ چھوڑا دے تو میرا نام بھی سنیے خان نہیں۔“ اس نے اشتعال کی خفیف سی لہر کے زیر اثر خفیاں جھینپیں۔

”مگر یہ سب تو حق ہوگا جب میں یہاں سے صحیح سلامت نکلی، رب جانے مجھے زندہ جانا نصیب بھی ہوگا کریں۔“ وہ پھر سے خفا شد میں گھر نے لگی۔

”اگر اس نے مجھے تلاشنے کی کوشش کی اور میں اسے نہ ملی تو کیا ہوگا؟ اگر میری لاش ملی پھر..... وہ کیا کرے گا؟ کیا جواب دے گا، میں کون سی کہانی کھڑے گا، کون سا جھوٹ بولے گا کہ جس سے سب مطمئن ہو جائیں، بسلی دی کو، کون کا لفظ کا سہارا دے گا؟ اور میرے یوں اکیلے سے غائب ہو جانے کو کس اعزاز میں لیا ہوگا، کیا کیا سوچا ہوگا؟“ وہ جیسے ڈھسے لگی اس آخری سوچ نے خود اس کا مشکوک انداز سے پیش کیا تھا اور اپنے خفاف کردار کو شک کی گرد سے لپیٹنا کب گوارہ تھا اسے وہ خود کو سوا احتیاطوں سے سنبھال کر کھنے والی لڑکی تھی، اب دنیا اس کی طرف الٹکی اٹھا کر کچھ بھی کہہ سکتی تھی۔

اس کے دل کے آس پاس شدید بے بسی جھیل گئی گھنٹوں میں سردی دے دیے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

”شہر یا احد سے زیادہ بدگمان ہوگا اور اسی بدگمانی تلے کھڑا جانے مجھے دیکھنے آتا بھی ہوگا کہ نہیں، یا اللہ وہ اک شخص خواہ کتنا بھی ہے ذرا دیر کو رحم ڈال دے اس کے دل میں میرے لئے، مجھے دھوڑتے ہوئے وہ اصرار اٹھنے کی طرح مجھے یہاں سے نکال دے میرے مولا، مجھے بچالے، شہر یا تم کہاں ہو پھر تم ہی آ جاؤ پیز مہلب می۔“ یہ خوف و بے بسی کی انتہا کی کردہ ساری تیزی طراری بھلائے ہر جنگی و نامرغی کو پس پشت ڈالے اس شخص کی مدد کی طلب گار ہو رہی تھی عام

حالات میں جس کا نام سننا بھی گوارا نہ تھا۔

دل خوف و خدشات کی ایسی دہیز چادر میں لپیٹا تھا کہ اپنے اللہ سے خود دعا ہونے کے باوجود نہ اسے اپنے لیے شہر یار کے نرم دل ہونے کا یقین تھا نہ کسی عیبی امداد کا پھر بھی آنکھوں سے ممکن پائوں کا سیلاب بھاتے وہ بڑے بے بس انداز میں دعا گوئی، حالانکہ بارش کے زور وادرسردی کی شدت کی وجہ سے احساسات و اعصاب برف کی سل بن گئے تھے آتا جاتا سانس بھی دھڑکنوں میں کپکپی پھیلتا ہے خون مجمد کر رہا تھا، اندر ہی اندر، بارش، طوفان، دھچکی کے ساتھ خوف و خدشات اور اعصابی دباؤ کتنا شدید تھا مگر ان سب کے بیچ جنے کی ایک مہم وہ خواہش اسے کتنا تر بارہی تھی۔

”اما، بابا کہاں ہیں آپ دیکھیں آپ کی لاڈلی اگلی اولاد کے لیے چار کی دے بی بی میں گھری ہے، پھر یار تو مجھے بھی تکلیف میں دیکھنے کے خواہاں نہ تھے میری سہراہٹ اور خوشی نہیں کتنی عزیز تھی آؤ دیکھو میں دکھ اور تکلیف، خوف و ڈر کے سایوں میں دوڑ کر ہوں، مجھے بچاؤ شہر یار بلز مجھے بچاؤ“ دل کی تمام تر شدتوں سے اس نے دعا کرتے ہوئے اس نے جس شخص کو پکارا تھا کسی سے چند گھنٹے پہلے وہ شاید سب سے زیادہ خائف تھی مگر موت کا خوف جیسے ساری خشکی کو خنجر چکا تھا قیامت تو صرف وہ ذاتیت جو ذرا کا ناگ بین کر اسے ڈگ رہی تھی۔

☆☆☆

”خلوص، رواداری، اخلاص، مہر و وفا کتنی کتابیں ہماری پڑی ہیں ان الفاظ سے اور کیا حقیقت ہے ان الفاظ کی، خلوص کا تقاضہ تو یہ ہے کہ جنہیں آپ عزیز رکھیں دروہنک ان کی بہتری کا سوچیں، مگر یہ کیا خلوص تھا کسی اپناپناتے میں کسی جو سانسوں میں الاؤ دے گا رہی تھی، رشتے تو دوسرا تھا پروا تو ای احساس دلانے ہیں اپناپناتے کی مٹھی اور خشنی چھاؤں بننے ہیں یہ رشتے غیرت اجنبیت اور بیگیا کی میں کیوں بیکھے ہوئے تھے، یہ واحد رشتے جو تم سے منسلک ہو کر مجھے ملے تو یہ دکھ میں رہے ہوئے پھر سے بچنے کا احساس انہی رشتوں کو دیکھ کر بڑھتا تھا اور یہ رشتے، یہ تو جتنی دھوپ میں مسافروں کا دکھ بڑھا گئے، اندر سے کچھ اور باہر سے کچھ اور، اور یہ کچھ اور کا مجید کھلا ہے تو کتنا دکھ دے رہا ہے۔“ وہ چلتے چلتے جیسے کسی تھی۔

”وہ جینے، خوشیاں پانے اور تمہارے ساتھ پہلے مسافر بنانے کی آرزو دیکھتے دم توڑنے لگی ہے اور قسمت کا خالی پن مجھے ڈرا رہا ہے، وہاں سن کر میں مایت پرست چہروں کے درمیان گھری جنہیں کھوجتی ہی نہ رہ جاؤں، اگرچہ محبت رانگیاں نہیں جاتی مگر خواہشات بدل لیں یا ترجیحات تبدیل ہو جائیں تو دل کی توجہ بھی بٹ جاتی ہے اہم نکلے والے جذبے یا محسوس طور پر غیر اہم ہونے لگتے ہیں اور وہ لوگ، وہ محض، یا محبت جسے ہم اپنی زندگی کا سب سے دلش، خوبصورت زاویہ سمجھتے ہیں وہ دیکھتے سے رخ پھیر لیتا ہے، تو کیا اپنے گھر والوں کے رویے سے اڑنے کے مجھ سے بھی رخ پھیر لوگے۔“ وہ رگڑ گئی دل میں اچانک دھڑسا اٹھا تھا مگر اسے ذرا دور فٹ پاتھ کے کنارے دھر ہیک کے گئے درخت کے تنے سے لگ کر اس نے اپنا منہ کھولتے ہوئے چند گہرے سانس لئے تھے۔

”مجھے معلوم ہے محبت ظالم ہے نہ محبت کا خدا ظلم تو حالات و واقعات یا خود انسان کرتا ہے

ایک دوسرے پر، تو کیا کسی کا ظلم یا مطلب پرستی میری حرمان نصیبی کا باعث بن سکتی ہے۔“ آنسوؤں کی لہر اس کی شریقی آنکھوں میں اڑی۔

”محبت مجھے صوری شاخوں کی طرح چلتی چلتی چھوٹی اچھی لگتی ہے سکتی سنتی نہیں اسے گھر کر میں نے تو نے پھر سے دکھوں کا بارہا سہنے خوشیوں، رشتوں سے محروم ہوتے دیکھا ہے، رشتوں کا ٹوٹنا مجھے بہت دکھ دیتا ہے، وہاں، رشتے تو اپنا پتہ اور خلوص کے جدولوں سے کندھے ہی اچھے لگتے ہیں، لیکن اپنا پتہ اور خلوص ہی ناپید ہو جائیں تو بے بنائے گھر ٹوٹ جاتے ہیں اور تم جانتے ہونا گھر بنانے کا مجھے کتنا خوف ہے تمہارے ساتھ گھر بنانے لائف سٹیکر کرنے اور میں اپنا بنانے کی خواہش ہے مجی میرا چچا نہیں چھوڑا، اب گردش زمانہ نے یہ خواہش رد کر دی تو.....“ آنکھوں میں رے کے اندر شریقی چٹوں کی ہاڈھ بھلا گئے ہوئے رخساروں پر چھل آئے۔

”کاچی جیسے نازک جذبے، بقیوں کے رنگین پودے جیسے نرم روخاں اعتبار کے رشتے سے جو جائیں تو بڑے اصول ہو جاتے ہیں اور انسان اصرار کی ایک حرارت سے ہی اٹھتا ہے مگر جب جذبات یہ زمانہ ساز بقیوں خون سے جوئے رشتے غالب آئے لگیں تو نہ جذبہ رہتا ہے نہ محبت و اعتبار..... نہیں آکر گماں کی حدوں سے پرے بقیوں کے پاس پاس تم کی مجبوری تلے گھڑے ہو کر میری چاہتوں کی بخشش پر پانی بھیرتے تو.....“

”دیکھیں وہاں بیگزیم کرنا ایسا تم کرنا نہیں اس عبت کی قسم جو تم مجھ سے کرتے ہو۔“ اس نے ترپتے ہوئے سوجھا چمکا پر ایک دم سے گزرتی گاڑیوں اور اپنی پوزیشن کا خیال آیا تو دہنے کے کونے سے چہرہ صاف کرتے ہوئے وہ خود کو دستہائیں نیز قدموں سے جتنی سرک کنارے آئی اور سامنے سے آئی کیسی کو اشرارہ کیا، کھڑا کبھی اس کی ذہنی حالت اعتبار کا شکار کی خالہ اور ان کی بیٹیوں کی رویہ یاد آئے چارہ تھا اور دل میں درد کا احساس بالکورے لے رہا تھا جی تو وہ لوگ تھے جو ہماری دنیا میں اپنا سچ کچھ لگتے تھے اسی کے مان یہ تو وہ دشت غم کا صحرا پائے کو کی گرا نی لوگوں کا رویہ ایسا دکھ دینے والا تھا کیا نہیں وہ وقت بھول چکا تھا جب وہ اپنے پیٹ کاٹ کر انہیں کھلایا کرتے تھے ان کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھ کر ان کے لئے سکھ اور خوشحالی کا موسم مانگا کرتے تھے اور اب یہ موسم آیا تو اپنے مفاد اپنی ترجیحات عزیز ہو گئی تھیں اور رشتے نالے لہجہ لگ رہے تھے۔

”مجی تم لوگ بھی ایسے بوجھ تلے دے تھے ہمارے اور یہ بوجھ ہم اٹھاتے رہے تھے ہم اپنے کاندھوں پر ہمارے سانس تو اتنی جلد بوجھ نہ ہوئے تھے، ہم نے تو یوں دواہلہ نہ شروع کیا تھا، ہم لوگ ذرا سی دیر میں گھبرا گئے جج سے کسی کے ساتھ نیکی کرتے ہوئے بدلے کی تو یں نہیں رکھتی چاہیے کیونکہ نیکی کا بدلہ صرف خدا دیتا ہے انسان نہیں، تمہارا بھی اس میں کوئی تصور نہیں یہ دوری ایسا ہے مجب نفسا کسی کا کوئی کا احساس نہیں جو تم نے یہ کیا چاہتا ہے کہ سارے دن والے کو دکھا دو اور اپنے لئے جگہ بناؤ پھر غرب کی کھال تو دیوے بھی پرانے کھانا اڑکس کیسی ہوتی ہے جسے جتنے چاہے ذمہ لگا لوگوں سا چلا ہے وہ پہلے پیوند نہ ہوتی ہے۔“ وہ اپنے ہنر پر ہنس اپنے اٹھ کر کی کر دل کو غور سے دیکھنے لگی۔

”مجھے کب معلوم تھا کہ حالات بھی ایسا بھی رخ اختیار کریں گے میں تو ہمیشہ خود کو دینے

یا پھر ہر چند بہر خوشی کھوجائے
سندہ یا نہیں جدائی کی سائنیں
یا پھر یاد آئیں میں تیرا چہرہ اتیری باتیں
ہم نے سوچ لیا ہے
اب کچھ بھی ہو جائے
تم سے کچھ نہیں کہنا
تم سے کچھ نہیں کہنا

☆☆☆

”محنت، اتفاق، حق تلفی وہ شتر کلفظ ہیں جو زندگی میں ناکام رہنے والے لوگ کثرت سے استعمال کرتے ہیں اگرچہ انہیں اپنی صلاحیتیں سنوانے کے لیے مواقع ملتے ہیں لیکن یہ مواقع وہ اپنی کم ہمتی، غلط فیصلوں یا کستری کے احساس کے باعث گنوا دیتے ہیں ایسے لوگ ہمیشہ اس کا الزام دوسروں پر رکھتے ہیں، جیسا کہ تم نے کیا اپنی ہر ناکامی، پریشانی، یا حق تلفی کا الزام معاشرے، دوستوں یا رشتہوں کو دے کر برقی اللہ نہ ہوئی رہیں اور یہ سوچ کر کہیں اب ہم کچھ نہیں کر سکتے کام کو ادھورا چھوڑتی رہیں اور یہ دردیہ نجات کا باعث نہیں بن سکتا۔“
کیہ تیرا ایک بار پھر بڑی بڑی دھمکی اس کے سامنے اس کی فحشی کمزوریاں بیان کر رہی تھی اور وہ تیرا استعجاب سے سن رہی تھی۔

”دماغی انجینیں، تناؤ، دباؤ، پریشانی و دکھ تو زندگی کا حصہ ہوتے ہیں انہیں شیعہ کرنا برداشت کرنا اور حوصلہ سے گزارنا مضربطربانی و بحران کیفیت کا شکار ہونے اور دوسرے روئین کو ڈسٹرب ہونے سے بچانا ہے، ناکامی کا خوف سب سب بڑا دشمن ہے انسان کا اور خوف کے شہتے میں زندگی گزارنے والے اپنی صلاحیتوں سے بھرپور استفادہ نہیں کر پاتے، جیسے تم نہیں کر پائیں جانتی ہو کیوں؟“ کیہ ترین نے خاموش ہو کر کچھ دیر اسے غور سے دیکھا۔

”کیوں؟“ اس کے لبوں سے ایک سرمائی آواز نکلی تھی۔

”کیونکہ تم نے ایسا چاہا ہی نہیں۔“ کیہ ترین صاف کوئی سے بولی۔

”کیا کوئی انسان مسلسل ناکام رہتا چاہتا ہے؟“ وہ احتجاجی انداز میں بولی۔

”بالکل، جو اپنی صلاحیتوں کو بنا چاہے اپنی مقصد سے بے یوکر تخلص ہوئے گوہو کی حالت میں سفر کرے وہ لازماً ہارٹ ہوتا ہے۔“

”تو کیا میں اپنے مقصد سے تخلص نہتی۔“ وہ جیسے روئے کو تھی۔

”ہوئی مگر تمہارا انداز فکر مثبت نہ تھا تم شروع سے اپنے مقصد کے ساتھ حصہ اور شدید انداز فکر ظاہر کرنے والی رہیں محنت اور کوشش تم نے کیا خوش امید رہی اور خوش امید ہی یا خود شہاشی ایک ایسا وصف ہے جو آگے بڑھنے کے جذبے کو ہمیشہ قائم اور بیدار رکھتا ہے اور کسی بھی کام کو شروع کرنے سے پہلے مقصد ایسا واضح ہو خوش امید ایسی جو کامیابی کا حصول نزدیک تر کر دے اولین سیرھی سے حصول و تلاش میں جیتنے کی، خود کو جان کر دوسروں کی خواہشات و ضروریات کا

والوں میں شمار کیا کرتی تھی کسی کی مدد کرنا اسے خوش پرسکون دیکھنا کتنا اطمینان بخش تھا میرے لئے اور میں نے تو بھی کسی کی آس پر چہنا گوارا نہیں کیا بھی کسی کے ہاتھوں کی طرف نہیں دیکھا، میری تو ہمیشہ سے دعا رہی ہے کہ اللہ سب کو سکھ خوشحالی دے عالم کل کو ہر پریشانی سے بچائے اور کسی کے صدمے میں ہم پر ہمارے گھر پر بھی رحم کرے، تم لوگوں سے مدد کی بھی طلبگار نہ تھی نہ ہوں اور نہ میں نے خود کو آرام سے رہنا دوسرے کو اذیت دینا سیکھا ہے ہر ممکن حد تک اپنا بوجھ آپ اٹھانے کی دعا اور کوشش کی ہے۔“ وقت پڑنے پر کتنے ہی غصہ نظر آنے والے لوگ ہوں مرد مہری اور بے اعتنائی کا غول چڑھا لیتے ہیں اور ان سے خون کا ریشہ بھی ہوتا ان کی پیٹائی کی حقیقت تسلیم کرنا بڑا دکھ دیتا ہے اس کے سامنے یہ حقیقت کزشتہ چند ہفتوں میں بار بار آئی تھی اور ہر بار یہ حقیقت تسلیم کرتے ہوئے اسے پہلے سے بڑھ کر تکلیف ہوتی تھی، اسے کچھ دن پہلے کہے ہوئے جو یہ کہنے کے الفاظ یاد آ رہے تھے جب وہ کہہ رہی تھی۔

”اب میں نے دوسروں پر بھر دوسرے دیکھا اور سہارے کے لئے دیکھنا چھوڑ دیا ہے آپ بھی چھوڑ دیں رہا آپ کی اور صرف اتنا یاد رکھیں کہ اب اکیلے ہیں اور ہم کو سب اکیلے برداشت کرنا ہے۔“
”تم جھک رہی تھی جو یہ ہم واقعی اکیلے ہیں بالکل اکیلے اور اپنا بوجھ ہم کو خود اپنے کانٹوں پر اٹھانا ہے نہ کسی آسرا کے، بنا کسی کو جلائے اپنی زندگی کی کتنی حیات خود تھارے سے لگائی ہے صرف اپنے حوصلے اپنی ہمت پر۔“ اس نے خود کو جھکاتے ہوئے چہرہ صاف کیا مگر آنسو تھکے کہہنا رکھتے چلے آ رہے تھے خواہ وہ اپنی۔

ہم نے سوچ لیا ہے

اب کچھ بھی ہو جائے

سرم زمین دل پر

کیسی ہی آدھیں اتریں

وجود گھست در بخت کی

زد میں آجائے

سائیں جھلند لگیں

یا پاؤں کے نیچے سے

زینٹھکے گئے

آنکھوں میں آنکھوں کی

اترا آئیں باران میں

ترجے ہوئے تیرا گزراں رات میں

خوشی کی رسم آئے کوئی

یا تہوار دھندلے کان میں

اس سفر میں چننا اب دوجہ ہو جائے

ہوا جسم و جاں میں کانٹے ہو جائے

کا شعور بحال کر کے اپنے کام اور منزل سے ہر گز ہٹنے پر مستعد ہو۔
 ”جب آغا آسان ہرگز نہیں ہے کبھی خاص کر میرے جیسی لڑکی کے لئے جس کی قوت
 مدافعت کم ہو اور جو بارہا نقصانات کا بوجھ اٹھا چکی ہو۔“ وہ درے پائی اور بے دلی سے بولی
 تھی۔

کی۔ ”جب تک ہم اپنی مشکل کو خود آسان کرنے کا عزم نہیں کرتے وہ آسان نہیں ہوتی میں نے پہلے بتایا تھا کہ خوف تمہارا سب سے بڑا دشمن ہے اور ادا کی سب سے بڑی ناکامی، جہیں اپنے اندر سے ان دونوں چیزوں کو باہر نکالنا ہے جس کی قیمت اور صحت مند زندگی کے لئے خود کو تیار کر

”جس طرح فنی احساسات آپ کے جسم کے لئے برا کردار ادا کرتے ہیں اور بیماری کو دعوت دیتے ہیں، اسی طرح مثبت احساسات اور سوچیں آپ کو خوش کرتی ہیں آپ کی شخصیت کی صحیح تعبیر کرتی ہیں اور آپ کو پورا جسم اور صحت مند بناتی ہیں تو تجربہ کر کے دیکھ لو“ وہ دھک دیر لہوئی۔

”میں تجھے کے لئے تیار ہوں۔“

☆☆☆

موسم کے تیور بے حد خراب تھے تیز طوفانی بارش نے ہر شے کو بوچھاڑ میں لیا ہوا تھا، مٹیالے

بادلوں نے اندھیرا سا پھیلا دیا تھا دن کے وقت بھی بہت عجیب اور ہراساں سا ہول ہوا تھا، ایک تو بادلوں کی بجلی کی چمک پھر موسلا دھار بارش اور سرخ ریت ہوا، شہر یار نے کئی آوازیں دیں اس کا نام لے کر گھر جواب نہاد۔

”جائے وہ بیوقوف کہاں ہوگی، بے بھی ڈر پوک سی کہیں خوف کھا کر بے ہوش نہ پڑی ہو یا کسی حادثے کا شکار نہ ہوگی ہو۔“ اس کا دل ا یکدم سے پریشان سا ہوا تو وہ بے طرح بے چین سا ہو کر ادھر ادھر دوڑے بھاگے اونچی آواز میں پکارنے لگا۔

”سعدیہ..... سعدیہ کہاں ہو تم؟“ سعدیہ پتھر کن نومی، سعدیہ اگر تم کہیں آس پاس ہو تو مجھے جواب دو تاکہ تم میرے پاس آسکو۔“ مگر جواب میں مکمل خاموشی تھی وہ حقیقتاً خدشات میں گھرنے لگا تھا۔

اچھی خاصی مصیبت میں پھنس چکا تھا وہ اس بد مزاج لڑکی کے باعث اگر اس کو کچھ ہو گیا تو یقیناً یہ شہر یار کے حق میں برا تھا وہ بہت آلودہ پوزیشن میں پہنچ چکا تھا حالات منتی رخ اختیار کر لیتے تو، اس سے آگے سوچنے کی اس میں ہمت نہ تھی۔

”ایک دفعہ مل جائے تو ایڈیٹر کا ایسا محاذ چھانڈاں گے ہمیشہ یاد رکھے۔“ وہ لب لباب پھینکا غصے سے مٹھیاں بنانے لگا پھر کچھ دیر بعد ایک طرف کوچا تے ہوئے لبوں کے دائیں بائیں ہاتھ لگا کے پہلے سے بھی بلند آواز میں پکارا تھا۔

”سعدیہ..... سوو، سعدیہ کس سی۔“ مگر بارش کی تیز بو پھانڑ اور ہوا کی سرسراہٹ کے شور میں اس کی آواز زیادہ دور جا ہی نہ پاری تھی وہ جیسے انتہائی بے بس سا ہو کر دونوں ہاتھ پیٹت کی جیبوں میں پھنسانے رو دینے والا ہوئے لگا۔

اس کی خواہش محبت اور زندگی کا سب سے خوبصورت اور گہری فزائی تھی وہ جس سے سارے خواب بندھے تمام خوشیاں لپٹ لٹھیں کیا حوالہ تھا اس سے، کتنی سحر کش تھی وہ اس کی ذات کے لئے سعدیہ کی زندگی اور خوشی اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز تھی، کیونکہ اس کی نظر اور دل میں مقام خاص بے فائدہ وہ بڑے عجوبانہ انداز سے قابض تھی اور جاں کی مانند عزیز تھی، رگ جال کے اتنے نزدیک کہ اس کے بغیر سب کچھ بچ لگتا، اسے کتنا چاہتا تھا وہ اس کے ساتھ کی کتنی تنہا رہتا تھا اور

اگر اسے کچھ ہو گیا تو..... شہر یار کے دل وروح پر جیسے قیامت سی اترنے لگی اس کی دینیں آنکھوں کے کنارے سرخ ہونے لگی ضبط سے پھر ان میں بڑی آہستگی سے سی اترنے لگی اور میں اسی لمحے بجلی کی چمک نے دور کہیں روشنی ڈالی تو ایک سایہ ابر لایا تھا وہ تھا حقیقت مگر وہ اسی اوڑھ لپکا تھا

بھاگتے ہوئے اور کچھ دیر بعد وہ وہاں پہنچ چکا تھا کھڑی سا جود جو بڑے سے درخت کے نیچے گھٹنوں میں سر دیے شاید جھکے لگا رہا تھا شعلے کی روشنی میں پکڑوں کے نکلے سے سعدیہ جی لگی تھی، شہر یار کو پھر کچھ لپکا پٹا تھا اسے پکار تے ہوئے پھر یکدم کس فیصلے پر نتیجے ہوئے اس نے ذرا سا جھک کر

اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور بہت بے تاملی سے پوچھا۔

”سعدیہ!“ تو اس کی ہڑکتیں رک سی گئیں، وہ شاید خوف، دہشت اور اعصابی دباؤ کے تحت

برمی طرح گھبرا کر چیخیں۔

”سوفو ٹیک انٹری میں ہوں شہر یار۔“ وہ اسے دلاس دینے لگا تو اس نے بے طرح چوٹ کر آنکھیں داکیں پھر پوری آنکھیں کھول کر اپنے سامنے کھڑے شخص کو دیکھا۔

”شہر یار!“ اس کی رکی ہوئی ہڑکتیں ایکدم سے رواں ہوئی تھیں اور ساری حیات جیسے پل بھر میں جاگ اٹھیں اور آنکھیں آسودگی سے لبریز ہونے لگیں۔

”تم ٹھیک تو ہو ناں۔“ اسے دونوں شانوں سے قہار کر کھڑے کرتے ہوئے وہ بولا تو اس کے ضبط کی ساری طنابیں ٹوٹ گئیں، اس کے فراخ سینے پر سر رکھتے ہوئے وہ برمی طرح رونے لگی، شہر یار کے دونوں بازو اس نے اپنے ہاتھوں میں چلا رکھے تھے جیسے اس کے چلے جانے کا ڈر ہو، یہ کوئی اس کے دل سے پوچھتا کہ شہر یار کا اس وقت وہاں بیٹھنا اس کے پاس ہونا کتنی بڑی نعمت تھی

سعدیہ کے لئے، وہ لب بھر میں جیسے ہر خوف، ڈر اور خدشہ سے آزاد ہو گئی تھی۔

اور شہر یار نے اس کی حرکت پر بے پناہ غصہ ہلکے پکھڑے پہلے پریشانی و اضطراب کی کیفیت کے باعث اس کا اپنا ذہن سے حد خراب ہو رہا تھا، اب سعدیہ کی ڈری بھی کیفیت دیکھ کر اسے کچھ بھی نہ کہہ پایا، اس کے لئے یہی بہت تھا کہ وہ زندہ سلامت کی اور سچ حالت میں مل گئی تھی اور اسے ٹھیک ٹھاک دیکھ کر ہی غصہ خفگی، اشتعال ساری بے چینی و پریشانی ہوا بگر اڑ چکی تھی بس وہ چپ چاپ اس کی پیچھے کے دلکش غدو خال دیکھ رہا تھا، اس کے گل جانے کے احساس ک اندر دل کی قوی کے کھول میں جی رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اسے احساس ہوا کہ وہ نہ صرف سرتاپا بیٹھنے کے باعث کپکپا رہی تھی بلکہ وہ خود بھی سرد تیز ہوا اور بارش میں بیٹھنے کے باعث خنڈ خنڈ محسوس کر رہا تھا، اسے نرمی سے خود سے الگ کرتے ہوئے وہ بولا تھا۔

”آؤ ریٹ ہاؤس چلتے ہیں۔“ سعدیہ نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے ساتھ قدم بڑھانے شروع کیے، شہر یار چونکہ یہاں کے علاقے سے واقف تھا سوا سے کچڑ کٹی اور پانی سے بچاتے ہوئے قدرے صاف راستے سے گزرا رہا تھا۔

”تم برمی طرح کا پ رہی ہو دیو بیگ بارش میں بیٹھ کر رہنے کے باعث ایسا کر دالماری سے میرے کپڑے نکال کر بدل لو۔“ بنا کسی حلقی غصہ یا شکوے کے سنجیدہ انداز سعدیہ کو ٹھٹکا سا گیا اتنا قائل تو وہ بھی نہ رہا تھا پھر اب..... کیا یہ بھی اپنا غصہ یا ناراضگی ظاہر کرنے کا کوئی انداز تھا، وہ پریشان لگا ہوں سے دیکھتی دالماری سے اس کا بلیک ٹراؤ زرخش لے کر دواں روم میں چلی گئی گرم پانی سے شاور لے کر پینچ کر کے وہ واپس کمرے میں آئی تو آتشدان میں گزلیاں سلگ رہی تھیں

کمرے میں رکھے منگن پتلہ پر نرم گرم کمبل رکھا ہوا تھا ساتھ گرمی میں گرم چائے ٹکٹ، آنکھیں اور دو بول اٹھ اٹھ اسے کتنی پرواہ سے میری، خود پورا ہیگ چکا تھا مجھے تلاشتے ہوئے اور ابھی تک برآمدے میں اسی حالت میں بیٹھا تھا،

فرہسفر ہوئے تو

فلک ارم تاز

چہرے پہ میرے زلف کو بھراؤ کسی دن
کیا روز گرجے ہو برس جاؤ کسی دن
ہامی نے کیٹ پلیئر کا مین دیا تو دھمے
سرہل میں جتنا میوڈک کار میں بیٹھی معنی خیز
خاموشی کو توڑنے لگا، ہامی نے آٹھیں ہونڈیں۔
رازوں کی طرح اترو میرے دل میں کسی شب
دستک پہ میرے ہاتھ کی کل جاؤ کسی دن
مگر کی آواز ہامی کے دل جذبات کی عکاسی
کر رہی تھی، اس کا دل بے اختیار زور سے دھڑکا،
اس نے بے ساختہ آنکھوں کو پھولی کر اپنے برابر
میں ڈرائیو تک سیٹ پر براہمان شخص کی جانب
دیکھا۔
گزریں جو میرے گھر سے تو رک جائیں ستارے
اسی لمحہ زیب حسن نے ہاتھ بڑھا کر کیٹ
پلیئر آف کر دیا۔

سکھل تادل



سے چونک گئی، اسی اثناء میں اک نوعمر لڑکا کھجے رہا تھا۔
ہاتھ میں لئے چلا آیا۔

”صاحب! لے لو ناں، مجھے پیسوں کی اشد ضرورت ہے مگر آج مندا چل رہا ہے۔“ وہ التجائی لہجے میں بولا۔

فیصل نے چپ چاپ اس سے کھجے لے کر مانی کی گود میں اچھال دینے اور لڑکے کو نیلا ٹوٹ تھا دیا۔

”میرے پاس کھانا نہیں ہے صاحب۔“ مگر اس کی بات پوری ہونے سے قبل وہ گاڑی آگے بڑھا گیا تھا اور پیچھے کھڑا لڑکا ابھی تک پیسے چھپکے نظر آ کر آمیز نظروں سے اس کی گاڑی کو دیکھ رہا۔

”میرے خیال سے یہ بیٹے کے لئے ہوتے ہیں۔“ فیصل حسن نے اسے کھجے تھامے تمسمت بنے دیکھا تو بالآخر کہہ دیا۔
وہ حققت زدہ سی ہو کر دونوں ٹکائیوں میں کھجے بیٹنے لگی، پھولوں کی مہک نے ماحول کو معطر کر دیا تھا۔
”آپ کو پھول پسند ہیں؟“ اس نے مدہم مسکراہٹ سمیت استفسار کیا۔

”نہیں۔“ وہ سامنے روڈ پر نگاہ بچائے ہوئے بولا۔

”تو پھر لئے کیوں؟“ وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔
”بہت سی چیزیں ہیں لیکن نہیں ہوتیں مگر وہ ہماری زندگی میں شامل ہوتی ہیں جیسے.....“ اس نے دانستہ بات ادھوری چھوڑ کر ذرا کی ذرا گٹھا اٹھا کر اسے دیکھا، مانی کے اندر چھن سے کچھ ٹوٹ گیا۔

”تم زندہ انسانوں کو بھیجے بے جان چیزوں میں شام کرنا ہو۔“ مانی نے بی سے سوچا جانی کا رست خاموشی سے کٹا۔

☆☆☆

اس نے سخت بے بسی کے عالم میں روٹی

ہوئی علیہ کو اک نظر دیکھا۔

”علینہ! گڑا! رومت پلیر، چپ ہو جاؤ۔“ دھیرے سے اپنی پرورد پر اس کے آنسو چنے اور پیار سے اس کے گال پر بوسہ دیا مگر علیہ کی غور بننے میں نہیں آ رہی تھی وہ کئی دیر سے اسے چپ کرانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی علیہ کی میڈرک سے چلنے والی کرشل ڈول ٹھیل کے دوران علیہ بی کے ہاتھوں گر کر چٹنا چور ہو گئی تھی، وہ علیہ کی فیورٹ ڈول تھی۔ اور تب سے وہ مسلسل رو رہی تھی۔

”علینہ میری جان! بس اب نہیں رونا، اب اگر آپ روٹی ناں تو میں آپ سے تھا ہو جاؤں گی۔“ یہ دہری کار کا ر ثابت ہوئی اور علیہ کی سسکیوں کو بیک لگ گئے۔

”خیر نہیں آج مجھ سے غماخت ہوئے گا۔“ علیہ نے کھجے دھو کر اس سے لپٹ لئی، مانی سمجھتی تھی کہ وہ اسے علیہ سے اس قدر شہید

”نہیں کرنا! میں آپ سے کبھی خفا نہیں ہو سکتی۔“ یہ مدہم و دانستہ میں گھرے ہوئے اس نے علیہ کو دیکھا۔

”پراس۔“ علیہ نے ہاتھ بڑھا لیا۔
”پراس۔“ مانی نے مسکرا کر علیہ کے

بڑھے ہوئے ہاتھ کو تھام لیا۔
”اب آپ یہ جوتی تم کریں۔“ اس نے سائیز میٹر پر پڑا جوتی کا گلاس اس کے پیوں سے لگا دیا جو کچھ پر پیلے لاندہ رکھ کر گئی۔
”نی لی آپ کا فون ہے۔“ ملازمہ اس کا موبائل ہاتھ میں لئے چلا آئی۔

”ہیلو۔“ وہ زندہ کان سے لگائے باہر لاؤنج کی سمت آ رہی تھی اور بے دھانی میں سامنے سے آتے شخص کو نہیں دیکھا اور اس سے ٹکراتے ٹکراتے چلی، پاں ٹٹا نہیں البتہ دو سارے آنکھوں سے ضرور ٹکرائی تھیں مگر وہاں وہی اذنی بے نیازی

کے ڈیرے تھے، اس کے اندر دھیرے سے اداسی اتر آئی اور وہ پھل قدم اٹھانی آگے بڑھ گئی۔
اپنے کمرے کی جانب قدم بڑھاتے اچانک فیصل حسن کو یاد آیا کہ علیہ نے اس سے اپنے سکول کے لئے ڈونٹین کی ڈیمانڈ کی تھی، اس نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے چیک بک نکال کر سامنے کیئے اور علیہ کی تلاش میں اس کے روم کی سمت چلا آیا۔

کمرے کے اندر وہ روٹی روٹی گئی تھیں گے گھر بازو پیلنے کی خیال میں متفرق تھی، آواز پر چونک کر سر اٹھایا اور دوڑ کر رشید پریشانی کے عالم میں اپنی جانب دیکھتے فیصل حسن کی ناخنوں سے آکر لپٹ گئی۔

”کیا ہوا گڑا!“ کوئی جواب نہ یا کہ فیصل حسن تھکنوں کے بل جھکا اور ہاتھوں کے پیا لے میں اس کا حصہ چہرہ تھام کر اپنا سوال دہرایا۔
”کچھ نہیں۔“ اس نے منہ بسور کر مانی میں

سر ہلایا۔
”تو پھر آپ رو کیوں رہی ہیں؟ کچھ تو ضرور ہوا ہے یولو؟ مجھے بتاؤ شاباش کیا ہوا؟“ اس نے پیار سے استفسار کیا۔

”علینہ!“ مانی کی سرش کرتی آواز پر علیہ کا جملہ ادھورا رہ گیا۔

”میں نے آپ کو معنی کیا تھا ناں پھر بھی آپ.....“ اسے پھر سے روتا دیکھ کر مانی کو اپنے رنج و تاسف نے اپنی لپٹ میں لے لیا، وہ کھلی ہاتھ سے تار تار لئے جملہ ادھورا چھوڑ کر پلٹنے لگی۔

”نہیں، میں تو نہیں رو رہی۔“ علیہ اس کی ادھوری بات کا مفہوم سمجھ کر وضاحت دینے کی اور جلدی سے اپنے آنسو صاف کیئے۔
جنگو فیصل حسن نا بھی کی کیفیت میں ساری صورتحال سمجھنے کی سعی کر رہا تھا۔

”ادہ۔“ بات ایک دہری اس پر واضح ہوئی چلی گئی۔

”جسٹ آمنٹ!“ فیصل کی آواز نے اس کے قدم جکڑ لئے۔

”علینہ! آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، بھئی، انہوں نے آپ سے ایسا کیا کہا ہے جو آپ انکار دیتی ہیں؟“ اس کے سوالیہ لہجے میں شک کوٹ کوٹ کر بکھرا ہوا تھا، اس اچانک افاد پر علیہ نے استعجاب میں کھ کر مانی کو دیکھا۔

”انہوں نے تو کچھ نہ.....“ فیصل کی آواز نے علیہ کا جملہ کاٹ کر

”کیا کہا ہے تم نے اسے یولو؟ کیوں رلایا ہے اسے؟“ علیہ کے مانی کی جانب دیکھنے کے انداز سے وہ کچھ ادھری سمجھا اور اسے ایک مدہم ہائی پرائٹ خاصہ دیا کہ وہ علیہ کا ادھورا جملہ بھی نہیں سکا اور لڑکیوں کا رخ مانی کی سمت موڑ کر وہ شدید اشتعال کے عالم میں اسے گھور رہا تھا۔

”میں نہیں رلایا ادہ.....“
”اچھا! تم نے نہیں رلایا۔“ وہ استہزائیہ ہنسا۔

”ابھی میرے سامنے تم علیہ کے روم سے نکل کے گئی تھیں۔“

”مگر وہ بات.....“

”روم سے نکل کے گئی تھیں یا نہیں۔“ اس کی بات ایک بار پھر سے کاٹ کے وہ دہراڑا۔
اس کی دہاڑ پر مانی اندر تک سمجھ گئی اس کا سارا اعتماد رخصت ہونے لگا، اس نے خوفزدہ ہو کر سر جھکا لیا اور آنکھیں بند کر کے جل تو جلال تو کا در در کر گئی۔

”آپ کیا کہہ رہے ہیں مجھے کچھ نہیں آ رہی۔“ علیہ سخت متعجب کی۔
”آپ باہر جا میں علیہ میں جس سے مخاطب ہوں اسے اچھی طرح سے سمجھ آ رہی ہے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔“ شعلہ بار لگا مانی

کے چہرے پر جہاں ایک ایک لفظ چہاچہا کر بولا۔
 ”اپن کوسٹ ڈائمنڈ۔“
 ”علیہ باہر جاؤ۔“ اس کی سفارش کو قطعی
 خاطر میں نہ لاتے ہوئے حکم صادر کیا، وہ منہ
 بسوری چلی گئی۔

جبکہ اس کے بدگمان لہجے کے زہریلے
 ناگ نے ہائی کوڈس کراس کا تین بدن ٹیلا کر دیا
 تھا، جہاں ہی، تم دھڑکی جی جلی کیفیت میں ٹھہری وہ
 ہولے ہولے کانپنے لگی۔

”وضاحت وہاں دی جاتی ہے نیب حسن
 جہاں ایک فریق کو دوسرے فریق پر بھروسہ ہو،
 جبکہ آپ کے بدگمان دل میں میرے لئے یقین،
 اعتبار بھروسہ کی شدید قلت ہے تو آپ کو
 وضاحت دے کر مجھے اپنے لفظ پر مول نہیں
 کرنے“ سلگتے لہجے میں اپنی بات مکمل کر کے وہ
 ایک جھٹکے سے مڑی اور باہر جانے کو قدم
 بڑھائے، مگر نیب حسن کے کولادی ہاتھ نے اپنی
 ہی تیزی سے اس کا بازو جکڑ کر ایک جھٹکے
 سے اسے مقابل کر لیا۔

وہ اپنا ضبط کھوئے گی وہ اس سنگدل کے
 سلسلے روٹائیں جاتی تھی مگر مایاوان آنسوؤں
 کا بجھت جو بلا اجازت پلکوں کے بند تو ڈر
 آنکھوں سے فرار ہونے لگے، اس نے سر جھکا
 لیا۔

”علیہ مجھے سے حد ضرر ہے اور میں بالکل
 برداشت نہیں کروں گا کہ کوئی اس کے ساتھ برا
 برتاؤ کرے۔“ بے حد درشت لہجے میں کہے گئے
 الفاظ اس کی سامنے میں اٹھ اٹھ کر اس کا بازو
 جھٹکے سے اپنی گرفت سے آزاد کرتا وہ لمبے لمبے
 ڈک بھرتا چلا گیا۔

چمچے دیوار دور ہے حد متاثرہ فہموں سے
 آنسو روکنی مایا کو دیکھ رہے تھے، اسے اندر کی
 عجیب سی محسوس اور بیقرار سی سے مجبور ہو کر وہ باہر
 لان میں چلی آئی اور نسبتاً ویران سے کونے میں

بیٹھ کر دل کا بوجھ ہلکا کرنے لگی۔

بابا جان ٹیکسریوں کے دورے پر نکلے
 ہوئے تھے اور شعیب اور ط، ابھی کوچنگ سنٹر
 سے لوٹے تھے۔

دھیرے دھیرے اپنے کچھ پھیلانے لان
 میں اترتی بنام یوں اسے عجزہ دیکھ کر کچھ اور
 اداس ہو گئی تھی، لان کی ہر چیز بے حد افسردگی
 سے اسے دیکھ رہی تھی، جاسن کے چوں کی اوٹ
 سے جھانکی بیل نے ترنم بھری نگاہ سے روٹی ہوئی
 اپنی کودکیا اور دودھری آواز میں اک پروردگار
 گنگنا کر اس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرنے
 لگی۔

☆☆☆

اس نے بے چینی سے پہلو ہلا۔
 ”مگر ڈیڑھ بجے کچھ وقت چاہیے۔“

”کتنا وقت؟ مائی بیٹے اور کتنا وقت چاہیے
 تمہیں؟ علیہ کی حالت تمہارے سامنے ہے
 بالکل کم مہم ہو کے رہ گئی ہے اس کی سیکنڈ ٹرم کی
 رپورٹ دیکھی ہے ناں، ہمیشہ فرسٹ آنے والی
 چنی نے صرف پاسنگ مارکس لئے ہیں، شعیب
 اور ط، الگ خاموش اور کھوئے کھوئے رہنے لگے
 ہیں اور تم بھی سے حد بھری اور چڑچڑ سے ہو گئے
 ہو، جو میری بات بھی نہیں سنتے، میں کیا کروں؟
 تم لوگوں کو اس حال میں دیکھ کر میرے دل پر کیا
 ہوتی ہے اس کا اندازہ؟ تمہیں؟“ احتشام حسن
 کے لہجے میں کیا پوچھیں تھا، نیب بھی بھر کے نام
 ہوا، اسے اہلکام سے احساس ہوا کہ اپنی اپنی
 ذات کے دائروں میں مقید ہو کر ان سب نے
 باپ کو کتنا تنہا کر دیا ہے، باپ کے چہرے کے
 اداسی دیکھ کر اس کا دل دکھ سے بھر گیا، وہ بے

اختیار اپنی جگہ سے اٹھ کر احتشام حسن کے سینے
 سے لگ گیا۔
 ”ڈیڈا پلیز سنبھالے خود کو، ہم سب کو دکھ
 سانجھا ہے ڈیڈا، آپ، آپ کیلئے نہیں ہم

سب ہیں ناں، آئی لو پو ڈیڈا۔“ آخر میں اس کا
 لہجہ جھجک گیا، خود اس کی آنکھیں شہیت ضبط سے
 سرخ ہو رہی تھیں، لیکن وہ ڈیڈا کو ملی دینے کی
 پوری کوشش کر رہا تھا۔
 ”آئی ایم سوری ڈیڈا آئینہ میری وجہ سے
 آپ کو کوئی برا نہیں ہوگی۔“

”تو مجھ مان لو ناں میری بات۔“ انہوں
 نے لوہا گرم دیکھ کر چوٹ کی، یوں لگتا تھا جیسے آج
 انہوں نے بھی تہیہ کر لیا ہے کہ شعیب حسن کے منہ
 سے ہاں کھلا کر ہی دم نہیں گئے۔
 ”دیکھ ہے ڈیڈا اگر ابھی نہیں ابھی تو کام کی
 ڈھچک کو صرف تین ماہ گزرے ہیں، ابھی تو دل ان
 کی جدائی کو ٹھیک سے تسلیم بھی نہیں کر پایا۔“

”میں گھبرا کر صرف م ان سے
 محبت کرتے ہوئے تھے صاف کی جدائی کا کوئی رنج
 نہیں جو میری شریک حیات کی میری اوٹین و
 آخری چاہت۔“

”آئی ایم سوری ڈیڈا میرا یہ مطلب نہیں
 تھا۔“

”دیکھ تو کام کا دکھ اور دوسرا یہ کہ میں نے
 ابھی آئینہ دو تین سالوں تک شادی نہ کرنے کا
 سوچا تھا۔“ نیب نے گڑبڑا کر وضاحت دی۔
 ”ابھی تو ڈیڈا وہ زویا بھی ابھی ہی الحال دو
 تین سال تک شادی کا ارادہ نہیں رکھتی۔“

”وہ تمھ پر چھوڑ دو ہے کسی تم لوگوں کی
 آجج میں کون کسال ہونے کو آیا اور پھر بی بی بی
 میں اٹھ کر اسے کے دوران تین سالہ رفاقت میں
 میرا خیال ہے جتنا بھٹتا تھا ایک دوسرے کو جیسے
 بچے، میں کرتا ہوں آخر یہی ہے بات چند روز
 میں۔“ انہوں نے زویا کے پیاسے بات کرنے
 کی ٹھان لی۔

”بس اب تمہاری شادی ہو جائے پھر مگر
 کے ماحول میں رونق اور تہیہ ہی آجائے گی، مگر
 لعل سے یہ اداسی چھنے کی تو تم لوگ بھی زندگی کی

طرف لوٹ آؤ گے۔“

”اوکے ڈیڈا جو آپ مناسب سمجھیں۔“
 تھک ہار کر نیب حسن نے ان کے سامنے، اسی
 ڈال دیئے۔

”تھک ہو مائی من! آئی ایم پراؤڈ آف یو
 (مجھے تم پر فخر ہے)۔“ انہوں نے پیار سے اپنے
 بچپن سالہ زویہ کے بیٹے کی روشنی پیشانی پر چوم لی۔
 ”ڈیڈا بانی سب کہاں ہیں؟“

”علیہ، ط اور شوٹی تمہاری نائک پھچوکی
 طرف ہے ہیں وہاں باپن اور مثال کے ساتھ
 دل لگ جاتا ہے ان کی۔“ انہوں نے تعقبات بتایا
 (نائکناں کی اکٹولی بہن میں)۔
 ”اور آپ کیوں نہیں گئے؟“

”مجھے تم سے بات کرنی تھی اس لئے رک
 گیا بس اب نکلتا ہوں۔“ وہ دانستہ مسکرائے۔

”اوکے ڈیڈا مجھے ایک مینٹک کے لئے نکلتا
 ہے۔“ وہ مسکراتے ہوئے سامنے رہی جانے کی
 طرف متوجہ ہو گئے جو کچھ دیر پہلے ملازم رکھ کر گیا
 تھا، جانے ان کے انتظار میں کب کی ٹھٹھری ہو
 چکی تھی، انہوں نے ایک ٹھوٹ کے بعد پھانسی
 کھسکا دی اور لان چیتر کی بیک سے سر رکھ کر
 آسمان کی سمت دیکھتے ہوئے گہری سانس خارج
 کی۔

آئی بی بیوں کی سرخی شام خشک سی تھی، اعضا
 میں ہلکی سی کھٹکی بہت جلدی محسوس ہو رہی تھی، آسمان
 پر اڑتے پھرتے اپنے اپنے آشیانوں کو لوٹ
 رہے تھے، انہوں نے آنکھیں موند لیں۔

”اؤو! احتشام آپ پھر لان میں بیٹھے
 ہیں، کتنی بار کہا ہے کہ سردشاموں میں لان میں
 مت بیٹھا کر س، خشک گی تو۔“

”ہااا! ابھی چائے پوناں مجھے سو موم کتنا بھاتا
 ہے اور سردی ابھی آئی کہاں، ابھی تو آمد آمد
 ہے۔“ وہ ہنستے۔
 ”ہاں! اویاے موم میں ہی ہمیشہ سے آپ

قدوس سے ملتی۔

اب در و در ریاری سے اداسی چپتی ہے قتل جانے کس دیس گئے وہ پیار بھانے والے

☆☆☆

”زویا! زندگی کتنی بے وفا ہوتی ہے ناں، چلتے چلتے کہاں ساتھ چھوڑ دے کچھ خبر ہی نہیں ہوتی۔“ سبب حسن نے گہری سانس بھر کر زویا آفریدی سے تائیدی نگاہوں سے دیکھا۔
”ابھی تین ماہ پہلے آپ کی ہماری کتنی سی عطیہ اور مکمل زندگی گزار رہی تھی، مگر حامی کی حادثاتی ڈیٹھ سے سب کچھ بدل گیا۔“

”مجھے ڈیڈ انڈر سے ماس کی جدائی پر بکھر گئے ہیں، مگر وہ بظاہر بہت اسٹراٹگک لگتے ہیں، لیکن میں جانتا ہوں وہ ہم لوگوں پر اپنا دھوکہ لے کر ظاہر نہیں کرتے تاکہ ہم اور کمزور نہ پڑ جائیں۔“

زویا کے دلکش چہرے پر کچھ لمحہ بچھوٹتی ہے زاریت سے بے خبر وہ آسمان پر مغرب کی ست گامزن آفتاب کی نارنجی شعاعوں کے عکس کو سمندری نیلی چادر پر دیکھتے ہوئے کھوئے کھوئے انداز میں بول رہی تھی۔

”زویا! سچی سچی میں سوچتا ہوں کہ آسمان بھی زندگی کے رنگوں کی مانند رنگ بدلتا ہے۔“ اس نے ایک لمحہ چونک کر زویا کی جانب دیکھا جو اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا کر درود چارہ لے رہی تھی۔
”کیا ہوا زویا؟“ وہ تقریباً بھانسا ہوا زویا کے مقابل آنکھ کھڑا ہوا اور اس کا دلش چہرہ دیکھتے ہوئے استغشہ کر گیا۔
”کچھ نہیں میں بہت پور ہو گئی ہوں۔“ وہ بے زاری سے مخاطب ہوئی۔

”اچھا تو یہ بات ہے تیرے میرے پاس ایک ایسی نیوز ہے جو آپ کے ہوش اڑا دے گی۔“ اس کے کچھ کی چبھکی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے وہ ہنسنے لگا۔

کوقلو ہو جاتا ہے۔“

”بھئیو یا کرتم بھی حرا قوتھوڑی دیر سرد ہوا کا۔“ انہوں نے اسے بھی آخر کی۔

”ہیلے آپ شال اوڑھ لیجئے۔“ وہ بدستور انہی کی فکر میں چلتا تھا۔

وہ اس کی فکر مندی سے جی بھر کر محظوظ ہوئے اور شال لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا مگر ان کا ہاتھ فضا میں قلعی ہو کر خالی لوٹ آیا۔
الون ٹوٹ چکا تھا اور وہی بدلتا موسم تھا، وہی چمک سے چھو گئے تھے اگر نہیں تھی تو اک وہ نہیں تھی۔

”سالو!۔“ انہوں نے دل ہی دل میں دھیرے سے اپنی شریک حیات کو پکارا۔
”آئی ایلم سورای! چاہے اگر مجھے ذرا بھی علم ہوتا کہ تم اپنی دوست کی بیٹی کی شادی میں شرکت کے لیے اسلام آباد چارہ لے رہے ہو، وہاں سے بھی لوٹ کر نہیں آؤ گی، وہ چین کر لیں ہو جائے گا تو میں تمہیں روک لیتا، مگر خدائی کاموں میں کس کا دخل۔“ انہوں نے آنکھیں سموند کر ہی اپنے اندر اتاری۔

”سالو! تمہارے بنا کچھ اچھا نہیں لگتا، زندگی کا سفر بہت تنگ لگنے لگا ہے، بہت الجھاپن اور دیرانی ہے ایک بار لوٹ آؤ صرف ایک بار۔“ وہ پکار رہے تھے، شام دم سادھے انہیں تک رہی تھی، ان کی پکار اور زیادہ سوچ کی، کیونکہ وہ جانتے تھے جو ایک بار جاتا ہے لوٹ کر نہیں آتا۔

سرگرمی شام گہری ہوئی چارہ لے کر وہی اور ہوا نیچانے کس کے دکھ میں باغلی ہو گئی تھی، یکدم ہی اس کے چھوڑنے میں شدت آ گئی تھی، ہوا کی زپہ اڑتے سوکھے پتے ان کے وجود سے آ کر ٹکرائے، تو اپنے خیالات سے چونک کر انہوں نے ایک نظر درختوں کی شاخوں میں سر چھپا کر روٹی بین کر لی ہوا کو دیکھا اور بدھصل قدموں سے اندر کی سمت قدم بڑھا دیئے، ہوا دور تک ان کے

”ننوز تو میرے پاس بھی ہے۔“ وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ بولی۔

”ہیلے میں تائیدی گا۔“ وہ شونہ ہوا۔
”میں کب سے تمہیں بتانا چاہ رہا تھا، مگر تم پتا نہیں کہاں کم ہوتی ہی نہیں نون کرو تو تمہارا موبائل آف ملتا ہے۔“ اس نے تنہید باندھی، جبکہ زویا خاموشی سے کٹی رہی۔

”ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ چند دن پہلے ڈیڈ نے مجھ سے بات کی ہماری شادی کے سلسلے میں، اچھائی ڈیڈ ہماری شادی جلدی کرنا چاہ رہے ہیں، تاکہ کھر کی فضا میں چھینچ آجائے گا، علیحدہ طے، شونہ بھی زندگی کی رونقوں کی طرف لوٹ آئیں گے۔“ اس نے ڈیڈ کے الفاظ سن و عن (ہرادیئے۔)

”فاروڈیک مانی!“ وہ اس کی بات کے اظہار میں چلائی۔

”یو! یا میں جانتا تھا کہ تم ابھی شادی نہیں کرنا چاہتیں۔“ اس کے چہرے کے بڑے زوادیے دیکھ کر اسے ہنسی آ گئی۔

”نہیں میں شادی کرنا چاہتی ہوں۔“ زویا کے منہ نے اسے حیرت و شوق میں چھلا کر دیا، اس کے لبوں پر بڑی جاندار سراپاں جھلک گئے تھے، مگر زویا کی کٹی بات سن کر اس کی مسکراہٹ کو ایک لمحہ گئے۔

”مگر تم سے نہیں سبب حسن۔“ اک لمحہ کے وقف کے بعد وہ بولی تو اس کا انداز دلچسپ بہ اداسی تھا۔

”کیا کچھ زار مجھ سے کہنا۔“ اسے لگا اس کی باتوں کو کوئی دھوکا ہوا ہے۔

”میں شادی کروں گی مگر تم سے نہیں۔“

اس نے اپنی بات کو دہرایا۔
”نیب نے تمہیں کراس کا پیچیدہ انداز ملا دیا اور اگلے ہی بل وہ ہنسا چلا گیا۔“

”آف زویا! گڈ جوک، ہا ہا۔“ وہ ہنس ہنس کے دہرا ہو گیا اسے لگا کراس کی فانی جو کڑھت چار سالوں سے اس کے ساتھ محبت کا دھوٹی کر لی آئی ہے مذاق کر رہی ہے۔

”یہ مذاق نہیں ہے نیب حسن، ان ٹیٹ میں پور ہو چکی ہوں تم سے۔“ وہ ہنسنے لگے ہوئے مخاطب ہوئی۔

”اور میں عذریہ حماد اختر سے شادی کر رہی ہوں۔“ اس نے اس کے سر پر ہم چھوڑا، نیب کے ہونٹ مسکرانا بھول گئے وہ حیران سا اظہار کیے لگے۔

”ہاؤ لیکن اب ٹی پائل (یہ کیسے ممکن ہے)۔“

”دتم تم مجھے تنگ کرنے کے لئے سبب کہہ رہی ہو، زویا بدکر وہ سب ڈرامہ، مجھے پتا ہے تم ہماری جلدی شادی کے فیصلے سے اب سیٹ ہو گئی ہو۔“ زویا کا بازو تمام کر وہ جیسے پریشان ہو چلا تھا کہ وہ جو کہہ رہی ہے بچوٹ ہے وہ صرف کھلی کی بدولت ایسا کر رہی ہے۔

”انسائپ نیب حسن، نہ یہ کوئی جوک تھا نہ ڈرامہ۔“ وہ اپنا بازو اس کی گرفت سے چھڑا کر چھینچھلائی اور ایک جگہ ہی نیب کو احساس ہوا کہ وہ کتنی ہی دیر سے اسے اس کے پورے نام سے مخاطب کر رہی ہے، جو ہمیشہ سے مانی کہہ کر بلاتی تھی۔

”دیکھو نیب حسن! تم بہت بدل گئے ہو، بہت پورنگ با میں کرنے لگے ہو وقت سیڈھوڈ میں رہتے ہو اور میں کی شکستہ دل اور نرزدہ انسان کے ساتھ نہیں رہ سکتی، جب دیکھو اپنی موجودہ ماں کا تذکرہ کر کے مجھے پور کرتے ہو۔“ وہ سفاکی سے بولی۔

”زویا!“ نیب نے ضبط کی شدت سے اپنی مٹھیاں چھینچ لیں ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ ٹما چپے مار کراس کا خوبصورت چہرہ لگاؤ دے۔

”چلاؤ مت۔“

”جس پاگل ہوں جو تمہارے بہن بھائیوں کو توجہ اور محبت دیتی پھر دوں میرے پاس فائدہ کا سونے کے لئے قائم نہیں۔“ اس کا لہجہ جو ناخوش دیکھا کرتا تھا آگ اگل رہا تھا اور اس آگ نے قریب کا پورا پورا جھلسا کر رکھ دیا تھا۔

”حماد اختر ماما کا کزن ہے انگلینڈ سے آیا ہوا ہے میری اس کے ساتھ کافی اچھی افیر اسٹینڈنگ ہو چکی ہے، ہم دونوں نے شادی کا فیصلہ کر لیا ہے اور وہ میرے لئے ایک رچا آپٹن سسر کا دم چھل سا تھا۔“ وہ انتہائی سفاکی سے نجانے اور بھی کیا کہتا رہتا میری گردن کب رہا تھا۔ صرف دویا کے پلٹے لب دکھائی دے رہے تھے، اس کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے، اس کا سارا وجود زلزلوں کی زد بیت تھا۔

وہ اور بھی نجانے کیا کہہ کر انسانیت کے درجے اور قریب سے دل سے اترتی چلی گئی، پھر اپنی بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی سے نازک سی ہیرے کی انگوٹھی اتر کر اس کی جانب اچھاتی ہوئی رخ موڑ کر بیٹھی۔

موسم بدل گئے زمانے بدل گئے دھن میں دوست برسوں پرانے بدل گئے لیکن جو رہے میری محبت کی چھاؤں میں وہ لوگ وہوٹے ہی ٹھکانے بدل گئے کل جن کے لفظ لفظ میں جاہت بھی پیار تھا لو آج ان لبوں کے ترانے بدل گئے اب وہ نہ رہا میں میں نہ رہا سارے ہی زندگی کے فسانے بدل گئے دور جاتی دویا کے قدموں کے نشان ساحل کی ریت پر جتنے چاہے تھے اور لہریں آ آ کر انہیں مٹاتی جا رہی تھیں۔

”دویا! تم انسان بھلانے کی حقدار نہیں ہو، مجھے تمہارے وجود سے نفرت محسوس ہو رہی

ہے۔“ وہ چلا یا اور اپنے مکھرے وجود کی کڑیوں کے سنگ بیل ریت پر ڈھکے گیا۔

یہ وہ لڑکی تھی جس نے خود غیب حسن کی طرف دوتی کا ہاتھ بڑھایا جو بعد میں خود دویا نے محبت میں بدل دیا۔

”پانی میں تمہارے بنا زردہ نہیں رہ سکتی۔“ وہ کہا کرتی تھی۔

”میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی، میں تنگ آ چکی ہوں تم سے۔“ اس کی سانسوں میں اس کے الفاظ گونگے۔

اسے یاد آیا مام کی ڈیٹھ کے بعد سے دویا نے اس سے ملنا بہت کم کر دیا تھا اور جب بھی ملی تو ڈھارس کا ایک لفظ نہیں کہا اور وہ اس کی خاموشی اور تنہید کی افسردگی کا نام دیتا رہا۔

”مام کی ڈیٹھ سے دویا بھی بہت اپ سیٹ ہو گئی ہے۔“ دوسوچتا۔

(جب دیکھو اپنی مرحومہ ماں کا تذکرہ کر کے مجھے پور کرتے ہو)

”تمہاری میری بہت افیر اسٹینڈنگ ہے آئی رہی لو یو ہم بہت شاندار لائف گزاریں گے۔“

”حماد اختر کے ساتھ میری بہت اچھی افیر اسٹینڈنگ ہو گئی ہے۔“

”میں شادی کروں گی مگر حماد اختر ہے۔“ مختلف جلوں کی بارگشت اسے پاگل کرنے لگی، اس کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر گر رہے تھے، وہ رو نہا نہیں چاہتا تھا گردور ہا تھا۔

ساحل سمندر پر چلنا سا اندھیرا روشنی کو اپنے اندر سمو نے کسی میں گن تھا، لہجہ یہ لہجہ سمندر غروب ہو رہا تھا اور دوسرے سورج کے ساتھ اس کا دل بھی آسودگی میں ڈوبتا جا رہا تھا، لہریں لہجہ شربت اختیار کر گئی جا رہی تھیں اور اسے یوں روتا دیکھ کر خود بھی ساحل سے لپٹ کر رو گیا۔

آس پاس سے گزرتے لوگوں نے اس پر ایک تاحضہ بھری نگاہ ڈالی اور پھر سے اپنی خوش گپیوں میں گن ہو گئے۔

اس کا دل یکدم ہر چیز سے اچاٹ ہونے لگا، وہ ان سب لوگوں کا بہت دور جانا چاہتا تھا، وہ اپنا آسودگی سے ترچہ ہر صاف کر کے اٹھا اور بے دھیانی میں لہروں کی ست جہل پڑا۔

یہاں تک کہ سرد پانی اس کے ہتھکڑوں کو چھونے لگا، مگر یہ ہتھکڑی اس کے ہتھکڑے جو دو طہانیت کا احساس دلانے میں ناکام ہو چکی، اندر ایسی آگ لگی تھی ایسی جھنجھکی اور پیش کشی جو کسی طرح کم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔

”اسپاہن تو اس کے کچھ پوچھ رہی تھیں۔“

”اسپاہن تو زندگی کے رنگوں کی طرح رنگ بدلتا ہے مگر لوگ تو اک پل میں بدل جاتے ہیں۔“

مشکل پڑی تو گہری رفاقت بدل گئی سورج ڈھلا تو سائے کی قامت بدل گئی اک عیون میں اس کی ضرورت بنا رہا پھر یوں ہوا کہ اس کی ضرورت بدل گئی پیچھے سے شاید کسی کو آوازیں بدل رہا تھا مگر اس نے اپنی سوچوں میں گرفتار رہا مڑ کر نہیں دیکھا، سورج سمندر میں اترتا جا رہا تھا اور وہ دوسرے سورج کے ساتھ سمندر میں اتر جانا چاہتا تھا۔

”کون ہے میرا اب؟ ماما آپ کی محبت کی ہتھکڑی نے بھی دنیا کے گردوم کا احساس نہیں ہونے دیا، ماما یہاں خود غرضی کے اندھیرے ہیں کوئی اپنا نہیں۔“

اس نے سراٹھا کر سیاہ چادر میں لئے آسمان کو دیکھا، آسواکھ تو اترے اس کا چہرہ بھگور رہا تھا، سیاہ آسمان پر دور دور تک کوئی تار نہیں تھا، اسے آبی آوازیں بتدریج بلند ہوئی جا رہی تھیں، پانی اب اس کے کندھوں کو چھونے لگا۔

اس نے ایک بار پھر آسمان کی سمت نگاہ کی یہاں سیاہ چادر پر اکا دکھارے نمودار ہو چکے تھے۔

یکدم اس کے من ہوتے دمچے میں علیحدہ، طہ، خولی اور ڈیڑھ کے چہرے آئے جو پہلے ہی ماما کے گم میں بڑھ چلے تھے اور اب اس کے لاشے سے لپٹ کر رو رہے تھے۔

”یہیں، یہیں مجھے نہیں مرنا ڈیڑھ، شوٹی، طہ او علیحدہ سے میرے خدا ہی میں کیا کرتا تھا۔“ وہ پلٹنا چاہتا تھا مگر زمین اس کے پاؤں کے نیچے سے پھسل گئی، قریب تھا کہ کوئی چیز لہر اسے اپنے ساتھ بھالے جانی کسی مہربان ہاتھوں نے اسے پیچھے کھینچ لیا اور ساحل پر لاکر چھوڑا۔

”یہ کیا کرنے لگے تھے، بتا ہے تو کسی حرام ہے، حرام کوئی مہک نہیں۔“

مگر وہ سن کر بھا رہا تھا اپنی سوچوں میں گن تھا۔

”ڈیڑھ بلڈر مجھے معاف کر دیجئے میں آپ لوگوں کے لئے دکھ کا سامان کرنے چلا تھا۔“ وہ دل ہی دل میں باپ سے مخاطب تھا۔

”او بھائی! تم ٹھیک تو ہو؟ سن رہے ہو ناں؟“ اس نے بازو ہلا کر متوجہ کیا۔

”آہ، ہاں۔“ وہ کم صبر انداز میں بولا۔

خ پانی نے اس کا سارا بدن سن کر دیا تھا وہ بولے ہوئے کا پیر رہا تھا۔

”گھر والے ہیں تمہارے؟“

”ہاں، میرے اپنے وہی لو ہیں جو کسی غرض کے بغیر مجھے ٹوٹ کے چاہتے ہیں۔“ وہ خود دکھائی کے انداز میں بولا۔

”کچھ بتا ہے تمہاری اس حرکت سے ان پر غم کا کھانڈوٹ ڈبٹا، جو لوگ تم سے محبت کرتے ہیں ان کی خاطر خود کو سنبھالو، زندگی اپنی اڑاں نہیں ہے جو یوں ضائع کر دو، اللہ اللہ کی آزمائش

ہوتی ہے مگر سے کام لاور اپنے سے نیچے دیکھو گے تو دوسروں کے دکھ کے مقابلے میں اپنے دکھ چھوٹے لگیں گے۔“

جس جگہ وہ کھڑے تھے وہاں اندھیرا تھا وہ اندھیرے کی وجہ سے اس پتھر جھانڑے والے مہربان کا چہرہ نہیں دیکھ پایا، بجائے کیوں اس کی باتوں سے اس کے اندر کی چیزیں، جبین، کالی حد تک مگر ہوئی تھیں۔

”چلو دوست اب سیدھا گھر جاؤ یا میں چھوڑ دوں؟“

”نہیں جھپک بو، میں چلا جاؤں گا۔“
”تھک ہے مگر ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا اللہ سے ہر کام میں کوئی نگوئی حکمت پندہ ہوتی ہے جس چیز کو ہم اپنے لئے اچھا سمجھتے ہیں وہ ہمارے لئے اچھی نہیں ہوتی اور اللہ اگر ایک چیز لیتا ہے تو اس کے بدلے میں بہت اچھی چیز عطا کرتا ہے، وقت کے ساتھ ساتھ جاؤ گے، جاؤ خوش رہو۔“

غیب حیرت سے منہ کھولے اس کی باتیں سنتا رہا وہ شخص اسے یوں سمجھا رہا تھا جسے اس کا حال اس پر عیاں ہو، اسے اچکھ سے اللہ تعالیٰ نہ کہہ کر وہ کس اندھیرے میں گم ہو گیا، وہ چاہتے کے باوجود اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا، وہ اس کی آخری بات سے پچھتا گیا، بجائے کون تھا وہ سر جھٹک کر لے لے ڈگ بھرتا اپنی کاری سست بڑھا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر نادانستی میں سرزد ہو جانے والی حرکت پر اپنے آپ کو غلامت کرنے لگا۔

وہ کھرتا پتھو پورے گھر پر سناٹا طاری تھا اور یہ اچھا ہی تھا کیونکہ ابھی اس میں کسی کا سامنا کرنے کی سکت نہیں تھی، اسے اپنے آپ کو سنبھالنے کے لئے کچھ سے درکار تھا، مگر یلو ملازم نے اسے بتایا۔

”صاحب لوگ چھوٹی ٹیم صاحب (نائلہ چھو) کی طرف گئے ہیں۔“ وہ سر ہلا کر اپنے

کمرے میں چلا آیا یہی پہلے اسے موبائل پر شہب کا تعلق موصول ہوا جس میں اسے وہاں پہنچنے کی تاکید کی گئی تھی، اس نے جوابی تعلق میں سر ہود کا بہانہ کر کے آنے سے معذرت کر لی، پھر اپنی بی بی پیٹ اور شرٹ پر لگا دی کہ جس پر بجا عمارت کے ذرات چپکے ہوئے تھے۔

نچا ہوا اسے شاور لے کر چنچ کر پڑا اور سلیپنگ گاؤن میں لبوس ہو کر وہ اپنے روم کا گلاس دھڑکھول کر اندھیرے میں ڈوبے لاپ کو دیکھنے لگا پھر اس نے ملازم سے کہہ کر تمام لائسنس آپ کر دوا دی میں، اسے روٹی سے دشت ہو رہی تھی، اندھیرے میں گھر سے گھر سے سانس بھر کر دہی چین نہ ملتا تو کمرے کی لائٹ جھٹ سے آن کر دی اور اپنی واڈ روپ سے آنچ جھٹ کا کالم نکال کر کھلے کھلے کر دیا پھر دوا کے مختلف مواقع پر دینے گئے وٹس کارڈز اور پرنٹوٹھاکر ڈسٹن میں ڈال دیئے۔

”گاؤڈ! میں کہے دھو کا گھیا جا رہا سالاں میں! ایک بھی اس کی خود غرض اور انسانیت سے عاری پتھر کی طرح پر عیاں نہیں ہوئی؟“ آخر میں ماما کی تصویر ہاتھ میں تمام کرنا سوال کیا۔
”زویا مجھے خود سے شرم آ رہی ہے میں نے کیسے جنھیں لائف پائٹر کے لئے بن لیا۔“ اس نے خود غمازی کی، تھک ہار کر وہ پھر سے کھڑکی کے پاس اکھڑا ہوا۔

”کس کوئی اس قدر بے حس، سنگدل اور سفاک ہو سکتا ہے، ہم جمہور ہو نہیں سکتے تھے سے محبت ہوتی تو مجھے اس طرح درد میں تنہا چھوڑ کر سست بدل نہیں، یا پھر دینا سے محبت کا وجود ہی ختم ہو گیا ہے۔“ وہ بے ربط انداز میں بول رہا تھا۔

فضائیک اور خاموشی، کس سے ہوا کے جھوٹے کھلی کھڑکی سے اندر آ کر اس کا چہرہ چوم رہے تھے، اسے دلاسہ دے رہے تھے، لان میں ایسا دھ جاس، آم، امرود اور میو کے بیڑ دم سادھے

اس کی گنگوٹن رہے تھے۔

گلاب کی جھاڑی پر اگلے سرخ پھول سے مزید خاموش رہتا دوسرا ہو گیا، اس نے رات کی رائی سے سر گھڑکی۔
”کیا سب موسم بہار کے ساتھی ہوتے ہیں؟“

”ہاں! تتلیاں وہیں آتی ہیں جہاں پھول کھلتے ہوں۔“ اور نازک سا پھول یہ سچ حقیقت سہ نہ سکا اور پتھر گیا، باہر لان میں دھیرے دھیرے رات بھگ رہی کی اور لان کی طرف کھٹکے والی کھڑکی سے اندر کمرے میں ڈائری کی اورانی پر کچھ لکھتے ہوئے غیب حسن کی آنکھیں بھگ رہی تھیں۔

☆☆☆

ناشتہ کی ٹیبل پر طرح طرح کے لوازمات بچے ہوئے تھے، شوبی نے بالکل ام کے اسٹائل میں بیڈ پر جیم لگا کر ط اور علیہ کی پلیٹ میں رکھا۔

”ط دیکھو شعیب میں کتنا سکھایا آتا جا رہا ہے، کیا خیال ہے ماسی اور خاندان کی چھٹی نہ کروا دیں۔“ ڈیڈ نے ماحول کی اداسی دہر کرنے کے لئے چٹکے چھوڑا، ط اور علیہ ہلکا سا مسکرا دیئے۔

”نہاں صاحب (صاحب) جی ہاں یہ ظلم نہ کریں! اگر کوئی بات بری کی ہو تو معافی دے دیں مگر میں میرے چھوٹے چھوٹے پوتے ہیں مجھے کی تو کسی سے مت نکالیں۔“ جتن سے ط کے لئے ہائی فرائی انڈیا بنا کر لائی ماسی کے کان میں اطمینان سے جملہ پڑ چکا تھا، جوس پیتے شوبی کو اور اسے اچھوٹک گیا۔

”تو یہ نہیں کہ آپ کے بڑے بڑے شادی ہو رہے ہیں۔“ شعیب کی رگ ظرافت پھر کھلی، جب علیہ وہ کل کر مسکرائے۔
”ارے وہ سب غنا تھا یا کچھ نہیں

”ہے۔“ ماسی کے چہرے پر ہوا میں اڑتی دیکھ کر ڈیڈ نے اسے دلاسہ دے کر بات ختم کر دی۔
”او جی مجھے تو پہلے ہی پتا تھا کہ مذاق ہوگا آخر مجھے کیوں نکالیں گے آہو میں اتنی پرانی ملازمہ ہوں جی۔“ اس کے یوں سیاسی انداز میں بیان بدلنے پر سب ہی ہنس پڑے۔

سب کو یوں اسٹے عرے بعد خوش دیکھ کر وہ احتشام حسن نے ان سب کی دای مسکراہٹ کی دعا مانگی اور انہیں اور خوشی کی خبر سنانے کا ارادہ کیا۔

”سب لوگ اپنی اپنی تیاریاں کر لو عترت عیب اس گھر میں بھیجی آئے والی ہے۔“ اپنی توقع کے برعکس ان سب کی مسکراہٹ بجتے دیکھ کر انہیں شدید تعجب ہوا۔

”کیا ہوا تم لوگوں کو خوشی نہیں ہوئی۔“ انہوں نے جھٹک کر سوال داغا۔

”دست از اسے گڈ نیوز داؤ۔“ شوبی نے مسکرا کر جواب دیا۔

(ان کے اسے سے کسی خوشی ہو گی بھلا، تیز طراور اور مغرور زویا اسے شروع سے ایک آنکھ نہ بھائی تھی)۔

”مگر بھائی کو پند ہے تو میں کیوں اعتراض کروں۔“ اس نے سوچا۔

”ڈیڈ! مجھے اور ط بھائی کو زویا آبی اچھی نہیں لگتی۔“ علیہ نے ناک چڑھا کر کہنے سے شوبی جی بھر کے جہان ہوا، وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ زویا کے بارے میں اس کے بہن بھائی بالکل اسی تئیں سوچ رہے ہیں۔

”کیوں بھی ایسا کیا کر دیا زویا آبی؟“ اسے احتشام حسن نے علیہ کے اسٹائل میں ہی علیہ سے پوچھا۔

”ڈیڈ وہ اب ہمارے گھر نہیں آئیں میں نے اور ط بھائی نے انہیں کسی بار کال کر کے بلایا کہ آئی ہم اکیلے ہیں آج میں مگر ہر بار انہیں کسی

ہو پھل شفت کر دیا تھا۔
 احتشام حسن، خشیب، ط مسلسل دو راتوں
 سے ناکلچھپھو کے ساتھ وہیں موجود تھے جبکہ
 علیحدہ کو ماہین اور منائل اپنے ساتھ رکھ لے گئے
 تھے۔ سرورہ فیض کی حالت دیکھ کر بے حد مہم
 گئی بار بار رو رہی تھی۔
 ”علیحدہ کچھ نہیں ہوا آپ دعا کرو وہ ٹھیک ہو
 جائیں گے۔“ ماہین نے اسے ساتھ لگا کر تسلی
 دی۔
 ”ڈیڈا! ہوش میں آتے ہی اس نے ڈیڈ کو
 پکارا۔
 ”جی ڈیڈ کی جان!“ انہوں نے اس کی
 پیشانی پر چوم لی۔
 ”لے لے رو۔“ اسے اٹھنے کی سعی کرتے دیکھ
 کر زری سے ٹوٹا۔
 ط اس کے سر ہانے کھڑا اس کے بال سہلا
 رہا تھا، بھولی نے اس کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔
 ”ارے! مانی ہاؤ آر یو؟“ ڈاکٹر ناکلچھ
 آئیں۔
 ”فانن پھپھو۔“
 ”فانن کے ہاتھ گتے سب کی جان نکال دی
 تھی نے، بہت تنگ کرنے لگے ہو، انتا تیر بخار
 تھا، اسے اصرے اور ایڈمٹ کرنا پڑا بلکہ میں نے
 زبردستی نہیں ادھر ایڈمٹ کیا تا کہ میری نظروں
 کے سامنے ہو۔“ وہ مانی کے پیچھے چلا رہا تھا
 کہ چپک کرتے ہوئے روانی سے بول رہی
 تھی۔
 ”ٹھیک ہے تو اللہ کا شکر ہے ناول ہے، بس بی
 لو ہوے ویک میں ہے تھوڑی سی۔“ انہوں نے
 سر کر اٹھا رکھی۔
 علیحدہ، ماہین اور منائل کے ساتھ اس کے
 لئے سوپ کا تھرموس لئے چلی آئی، ماہین ایم اے
 اس کے فرسٹ ایئر میں تھی جبکہ منائل بی
 ایس ایس ٹی تھوڑا تیر کی سنوڈنٹ تھی۔

کاسوج کر رہی تو وہ اسے بیاہ کر جلد از جلد لا جا
 رہے تھے اور بیروگ خیر وہ آئے گی تو سب ٹھیک
 ہو جائے گا۔“ انہوں نے خود ہی اپنے دل کو تسلی
 دی اور جوں کا گلاس اٹھالیا۔
 ”تو پھر کیا خیال ہے آج سنڈے ہے شام
 میں چلے ہیں شادی کی ڈیٹ مقرر کرنے، ان
 کی بات پر سب نے تائید میں سر ہلایا۔
 ”نیب نہیں اٹھا بکھ؟ بارگیاہر سے
 اور غائب ہو رہا ہے اسے اٹھاؤ۔“ انہوں نے
 پوچھنے کے ساتھ ساتھ حکم جاری کیا۔
 ”میں دیکھتا ہوں۔“ شوبی اپنا بریک
 فاسٹ ختم کر کھانا کھا، بیٹھیں سے ہاتھ صاف کرتے
 ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔
 ”ڈیڈ! کوئی حواس باختہ ڈانگ ہال میں
 داخل ہوا۔
 ”الٹی خیر!“ وہ کسی کھسکا کر کھڑے ہو گئے
 آج کل بیوی ذرا ذرا سی بات پر ان کا دل
 اٹھانے سے اندیشوں کا شکار ہونے لگا تھا حالانکہ
 کی جدائی نے ان کو اندر سے بے حد کمزور کر ڈالا
 تھا مگر وہ خود کو پوزر دیتے تھے۔
 ”خیر! اب ہمیں اسے کمرے کی حالت ابتر
 ہے اور وہ تیر بخار میں سے مدد پڑے ہیں۔“
 ”اومانی گاڈ اٹم جلدی سے ناکلچھ کو کال کرو،
 میں جب تک مانی کو دیکھتا ہوں۔“ وہ تیزی سے
 اس کے کمرے کی طرف بڑھے، ط علیحدہ نے ان
 کی تھم کی، جبکہ شوبی بے حد گھبراہٹ کے عالم
 میں ناکلچھپھو کو موبائل پر ساری صورتحال سے
 آگاہ کر رہی تھی، ناکلچھپھو اور ان کے شوہر ایڈا
 ڈاکٹر تھے اور اپنا ڈائی پرائیوٹ ہو پھل چلا رہے
 تھے۔
 ☆☆☆
 پورے دو روز بعد اسے ہوش آیا تھا، گھر کے
 سب ہی لوگ بے حد پریشان و متشکر تھے، اس کی
 حالت کے پیش نظر ڈاکٹر ناکلچھ نے اسے اپنے

پارٹی میں جانا تھا۔“
 ”تو گزرا اتنی سی بات یہ آپ یوں تو مت
 کہیں ناں ان کے بارے میں، وہ بڑی بھوں کی
 ورنہ تو وہ بہت اچھی ہیں ناں۔“ علیحدہ کے لکھیلی
 شکوے سن کر انہوں نے پیار سے سمجھایا۔
 ”کوئی بھی نہیں۔“ ط نے جبکہ کر شوبی
 سے سرکشی کی۔
 ”ط! احتشام حسن تنبیہ کی کہ وہ دن کچے
 تھے اس کی سرکشی۔
 ”سوری ڈیڈ۔“ وہ نوراً سیدھا حوا کے پیٹھ
 گیا۔
 ”بیٹے اپنا دل بڑا کرو یوں چھوٹی چھوٹی
 باتیں دل سے نہیں لگاتے۔“ ان کی بات پر
 خشیب نے لقمہ دیا، وہ ابھی تک لگ لگاتے لگاتے
 میں تھا۔
 ”حالانکہ بڑا دل ہونا میڈیکل کی رو سے
 خطرناک علامت ہے۔“ اس کی بات کو سب نے
 انجوائے کیا۔
 جبکہ احتشام حسن سوچ رہے تھے کہ ان
 دنوں سے بہت حد اس ہیں اس لئے چھوٹی چھوٹی
 باتوں کو دل سے لگا لیتے ہیں۔
 ”ط بیٹا آپ بے نیس نہیں رہے الٹ
 ایس سی فرسٹ ایئر کے سنوڈنٹ ہیں، علیحدہ تو
 ایس 5th میں ہے نا مجھ سے مگر آپ بیٹے آپ
 آئندہ اپنی ہونے والی بھانجی کے بارے میں
 کچھ اتنی سیدی جا نہیں علیحدہ کے ذہن میں نہیں
 بٹھا میں گے۔“ ط نے سر جھکا لیا پھر وہ علیحدہ کی
 طرف مڑے۔
 ”اور بیٹے وہ مانی بھائی کی پسند ہے بہت
 ناکس چچی ہے بری بات ہے آئندہ آپ کچھ الٹا
 سیدھا میں سوچیں گی۔“
 ”اوکے ڈیڈ۔“ علیحدہ نے تابعداری کا
 مظاہرہ کیا۔
 ”وہ کچھ اداس سے ہو گئے کہ کچھ کی خوشی

تو بے اختیار ہجر چھری لے کر ذہن جھٹکا، وہ ان چند دنوں میں خود کو کیڑور کچکا تھا۔

احتشام صاحب بہت غور سے اس کے چہرے کو اتار چڑھاؤ کا جائزہ لے رہے تھے۔ وہ اس کے اندر کی ٹوٹ پھوٹ سے مطمئن تھے۔ مگر اس پر ظاہر کر کے اسے مزید نہیں سمجھتا تھا۔ چاہتے تھے، مانی کی طویل بے ہوشی کے دوران انہوں نے زویا کو مانی کی انڈینیشن بتانے کے لئے کال کی۔

”اوپلیز اٹکل! میرا اب آپ لوگوں سے کوئی تعلق نہیں، مجھے ڈسٹرب مت کریں۔“ وہ رد دلچسپی میں مخاطب ہوئی۔

”زویا بچے! مٹا بیٹا جانتا ہوں آپ کا ضرور مانی کے ساتھ کوئی جھگڑا ہوا ہے۔“ اس دن مانی کے کمرے میں زویا اور اس کی آنچ منٹ اہم، لکھنؤ اور زویا کے پیچھے گئے گاؤڑ کے ٹکڑے ٹکڑے دیکھ کر انہیں کمان کڑا کر مانی اور زویا کے درمیان شدید جھگڑا ہوا ہے۔ جس کے رد عمل کے طور پر مانی نے یہ سب کیا اور اسے اتنا شک لگا کہ وہ بیمار پڑ گیا۔

”اوپلیز اٹکل! مجھے ڈسٹرب مت کریں میں اپنی شادی کی تیاریوں میں بڑی ہوں، مجھے ابھی شاپنگ کرنا ہے میرا فیکسی حماد اختر ماریا دیے کر رہا ہے۔“

”دھمک...“ احتشام حسن نے ٹھٹھک کر کہا جابا لیکن اصرار سے رابطہ قطع ہو گیا، وہ شاید شاپنگ میں ہوں گی کہ پیچھے بہت شور مچا دیا تھا، انہوں نے آفریدی صاحب کو کال کی۔

”کو ہائے حسن صاحب! ہاؤ آر یو؟“

میں آپ کو بتانے ہی والا تھا، ابھی تک زویا حماد اختر سے شادی کرنا چاہتی ہے اور میں اس کی کوئی فرمائش نہیں ٹال سکا وہ میری اکلونی بیٹی ہے اور ہاں، شادی میں ضرور آئیے گا گاؤڑ مل جائے گا آپ کو ہائے۔“ احتشام حسن کے کچھ کہنے سے

میں بے آفریدی صاحب ٹیپ ریکارڈر کی طرح بچنے لگے اور ان کا ایک لفظ تک نہیں سنا، حسن صاحب کو اپنا دماغ چھوٹا ہوا محسوس ہو رہا تھا، انہوں نے ہوسٹل کے بلر کا سہارا لے کر اپنا لوگوں کو دکھانا دھجھوٹا، آفریدی صاحب کے کچے میں ٹھیک دور دور تک ندامت و پشیمانی کا شائبہ تک نہ تھا، انہیں مانی کے رسی ایکشن اور طبیعت کی خرابی کی وجہ سمجھا چکی تھی۔

مانی کو بخوبور دیکھتے ہوئے وہ گہری سوچوں میں گم تھے، ان کی طویل خاموشی پر مانی نے انہیں بازو ہلکا کر متوجہ کیا۔

”آں، ہاں!“ وہ چونک کر بچے گئے۔

”آئی نو، آپ میرے لئے فکر مند ہیں، ڈوٹ دوسری آئی ایم فائن (فکر مت کریں میں ٹھیک ہوں)۔“ ان کی خاموشی سے مطمئن اخذ کرتا مانی دانستہ مکرر کر گیا ہوا، احتشام حسن بھی مکرر دیتے۔

اس کے ذہن میں زویا کے کاٹ دار لفظوں کی ہادوشٹ ہونے لگی تو وہ سمجھا کہ بلا مقصد انہیں پکارنے لگا۔

”زویا!“

”مئی ڈیڈ کی جان!“ وہ ان دنوں اسے بالکل کسی چھوٹے بچے کی طرح ٹریٹ کر رہے تھے۔

”مانی کیا بات ہے؟ کچھ کہنا ہے۔“ اسے گو گوئی کیفیت میں جلا دیکھ کر احتشام کیا۔

”ڈیڈ وہ میرا اور زویا کا ایک آپ ہو گیا ہم نے اپنی آنچ منٹ ختم کر دی، اب آپ اس کے گھر شادی کی ڈیڈ فکس کرنے مت جائے گا اور پلیر آپ مجھ سے اس سلسلے میں کچھ مت پوچھئے گا۔“ وہ بے حد سچل کر بول رہا تھا۔

”سو ری ڈیڈ! میں آپ کو اصل بات بتا کر اپ سیٹ نہیں کرنا چاہتا۔“

”مانی! اگر تم میری نظروں میں زویا کا امیج

خراب نہیں کرنا چاہ رہے اور میرے دکھ کا خیال کر کے مجھے نہیں بتانا چاہتے تو اس اوکے میں تمہارا بھرم کبھی توڑ دوں گا نہیں بتاؤں گا کہ میں جانتا ہوں ورنہ تم بھڑک جاؤ گے۔“

”اوکے بیٹا! ایز یو دس (جیسی تمہاری مرضی)۔“ انہوں نے گہری سانس بھری۔

”آئی نو یو ڈیڈ۔“ انہیں اپنی آسانی سے قائل ہوتا دیکھ کر وہ طبیعت کا سلس لے کر ان کے سینے سے لگ گیا۔

”آئی نو یو مانی سن۔“ انہوں نے اسے لپٹا لیا۔

☆☆☆

شعب کتنی درمیک بلا مقصد سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا رہا پھر ٹھک رہا کر سائل سنڈر پر چلا آیا اور وہیں ایک بڑے سے چتر پر بیٹھ کر آئی جانی لہروں کا کرس دیکھنے لگا۔

”میرے خدا! مجھے اسے بولنے کی ہمت عطا فرما، میرے دل سے اس کا نام کھرچ کر مٹا دے۔“ اس نے سخت بے بسی کے عالم میں آسمان کی سمت نگاہ کی اور پھر سے لہروں کا شور سنتے گا۔

”ہاں! مجھے اعتراف ہے کہ سبیل تم صرف مجھے ایک کزن کی حیثیت سے پسند ہیں اور ہر بات میں تم سے نوک جھجک کرنا تمہارا چھوٹی چھوٹی باتوں پر مجھ سے جھگڑنا، یہ سب مجھے اچھا لگنے لگا اور پھر بتا ہی نہیں چلا کہ تمہاری محبت میرے دل کے اندر کدلی مار کر بیٹھی کی۔“ اس نے تصویری تصور میں بائیں کو مخاطب کیا۔

”لیکن اب تم میرے لئے جرم نمودہ کی حیثیت اختیار کر جاؤ گی، یہ اچھا ہوا کہ تم میری محبت سے بے خبر ہو، میں اپنے دل کو سمجھاؤں گا کہ خود غرض بین کر مانی بھائی کی خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنوں گا۔“ شعب حسن نے لڑکائی سے سوچا۔

☆☆☆

جب سے اس نے ڈیڈ کو مانی بھائی سے ماہین کے لئے بات کرتے سنا تھا تب سے اس کا دل جھل جھل کر محسوس ہوا ہو رہا تھا۔

”میں خوش ہوں مانی بھائی کے لئے ماہین جیسی اچھی لڑکی ہونی چاہیے وہ جیسا تک چڑھی نہیں، آئی دس کہ ماہین مانی بھائی کو اتنا پیار دے کہ وہ زویا کو بھلا دیں اور اللہ مجھے بھی صبر اور ہمت دے کہ میں ماہین کی محبت اپنے دل سے کھرچ ڈالوں۔“ وہ دونوں ہینٹ کی بیسیوں میں بیٹھتے اٹھ کھڑا ہوا اور مجھے کچھ قدموں سے اپنی کار کی سمت بڑھ گیا، اس کے پیچھے جیتے نیلے پانیوں نے اس کا درد اپنی آغوش میں سمٹ لیا اور لہریں تیزی سے ساحل پر اپنا سر بٹھکتے لگیں۔

☆☆☆

وہ کوچنگ سنٹر سے لوٹا تو ماہین لوگوں نے اس کے لان میں ڈیرے ڈالے ہوئے تھے وہ علیحدہ، طے، منال کے ٹھک کر کھیل رہی تھی، اس نے نظر بجا کر گزرتا چلا مگر وہ سب اسے پورچ میں کار سے اترتا دیکھ گئے تھے۔

”شوبی بھائی آ جائیے آپ بھی۔“ طے نے ہانک لگائی۔

”میں تم لوگ انجانے کرو۔“ وہ دور سے اشارہ کر کے جھٹک کر بڑھا۔

”اے! کم اہم شیز مرغ کی طرح گردن جھکا کے چل دینے نہ بیلو نہ ہائے۔“ وہ اس کی آواز پر اڑا اور پوچھ کر آکے بڑھ گیا مگر وہ کہاں بیٹھے والی بھی بھاگ کر سامنے آئی۔

”اوپلیز تمہاری گڑھی خراب ہے۔“

”نہیں۔“ وہ اس کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہا تھا۔

”تو پھر بازہ کیوں نہ رہے ہیں تمہاری شکل پر۔“ وہ دونوں ہاتھ اپنی کمر پر رکھا کر اپنے مخصوص انداز میں بولی۔

”میری شکل ہی ایسی ہے۔“ وہ اپنے سابقہ

تمہارے چہرے پر لگا تھا۔" ماہین اسے بخشے کے
 موڈ میں بالکل نہیں کی۔
 "دروغ! اب نہیں ہے تم ہو گیا۔"
 "اچانک؟"
 "ہاں۔"
 "تو اب کیا ہے جو ایسی حرکتیں کر رہے
 ہو؟"

"خوشی ہے انتظار رہے گی۔"
 "تم درخ ہو جاؤ کھل کر مرو اپنی، تم جان
 بوجھ کے مجھے تنگ کرنے کے لئے آئی سیدی
 بائیں بھگوار ہے ہو، تم نے مجھے لٹیڈو کر کے رکھ
 دیا ہے مجھے تمہاری کوئی بات سمجھ آ رہی ہے نہ
 حرکتیں۔" ماہین اب کے بچھلائی۔
 جبکہ وہ محفوظ ہوئی نگاہوں سے اسے تنگ رہا
 تھا، کتنی اپنی اپنی سی لگ رہی تھی یوں بھگولی
 ہوئی۔

بچہ پارٹی ان کی تکرار سے بور ہو کر پھر سے
 کھیل میں گمن ہوئی گی۔
 "اگر تمہیں تپا تو تمہاری بولتی بند ہو جائے
 گی۔ اس لئے تمہاری اماں تمہیں خود ہی بتا دیں
 گی۔"

"تم نے آج ضرور بھنگ پی رکھی ہے؟"
 ماہین کے برقیق انداز پر اس نے ہنسنے لگا۔
 "چلو آؤ تم سب کو آئیں کریم کھلا کے
 لاؤں۔" اس کی ہانک پر سب نور اس کی کار کی
 سمت بڑے تھے۔

☆☆☆

اس شہر میں ایسی بھی قیامت نہ ہوئی تھی
 تنہا تھے مگر خود سے تو دشت نہ ہوئی تھی
 یہ دن ہیں کہ یادوں کا بھر ورس ہی نہیں ہے
 وہ دن تھے کہ دشمنوں سے بھی نفرت نہ ہوئی تھی
 اب سانس کا احساس بھی اک بار کراں ہے
 خود اپنے خلاف ایسی بغاوت نہ ہوئی تھی
 اجڑے ہوئے اس دل کے اک اک ذرے سے پوچھو

کے سامنے پچی پکل کا نثر دیتے دیتے اب
 لگنے لگی تھی۔
 وہ نہ یہ کہی مجبور قسم کی لڑکی تھی نہ ہی بے بس
 زور، اس کا حلق ایک دیل آف بیسی سے تھا،
 لایا، کیا، بھائی بھی اسے بے حد یاد کرتے
 لایا، یہ بولوں پہ بیٹھتے تھے۔

اگر وہ چاقی کو فیض حسن کے گھر کچھ دکر
 کیے واپس چلی جاتی، مگر اسے اپنی میرڈ
 کا تمنا شایان کسی صورت کوارا نہیں تھا اور وہ
 چاروں کو اپنی ذات سے کوئی حد نہیں پہنچاتا
 اس کی اور دوسری بات یہ کہ بابا جان، شوٹی،
 علیحدہ کی جیتیں اس کے قدموں کی ذخیرہ بن گئی

"ماما آپ نے مجھے کس کسٹور شخص سے ملے
 دیے۔" اس نے دل ہی دل میں ہزار بار کا کیا
 اور پھر سے دہرایا۔

"انکھوں سے ایک تو تارے آنسوؤں کی
 بات ایسی برسی تھی کہ تھنے میں نہیں آ رہی تھی،
 ان زبوں پر کم کا دریا طغیانی کی زور پر تھا۔
 "آخر کیوں ہم نوری کے دو کاروں کی مانند
 ساتھ تو چلتے ہیں مگر باہم نہیں ہو پاتے۔"
 دل بولنے لگا۔

"کیوں تم نے اپنی ذات کے گردانی بلندو
 اور اس اٹھارے ہیں کہ میرا وجود ان سے گھرا
 یاں یاں ہو رہا ہے؟ یہی نا انصافی ہے کہ تم
 دل میں بنا کر دھک بنا کر آہٹ کے
 لئے اور اپنے دل تک جانے کا رستہ نہیں

اس نے صوفے پر سے گردن موڑ کر بیڑ پر
 ٹینڈ کے حزمے کوٹنے و جود کو دل ہی دل
 کیا اور تھک بار خود ہی اپنے لئے آواز
 اور پوچھ ڈالے، خود کو سمجھاتے لوٹے
 اس پر ٹینڈ کی دیوی مہربان ہوئی۔

☆☆☆

بیکلی ہوئی آنکھوں کا یہ منظر نہ ملے گا
 کھر چھوڑ کے مت جاؤ کہیں گھر نہ ملے گا
 پھر یاد بہت آئے گی رفلوں کی بھی شام
 جب دھوپ میں سایہ کوئی سر پر نہ ملے گا
 آنسو کو بھی اوں کا قطرہ مت سمجھنا
 ایسا نہیں چاہت کہ سمندر نہ ملے گا
 اس خواب کے احوال میں بے خواب ہیں آنکھیں
 جب غیب بہت آئے گی بستر نہ ملے گا
 یہ سوچ لو اب آخری سایہ بے حد
 اس در سے اٹھو گے تو کوئی در نہ ملے گا
 وہ "بشیر بدو" کی آمد میں اس قدر گھوم چکی کہ
 اسے خبر ہی نہ ہوئی کہ کب وہ گھسے میں تن کرنا
 اس کے سر پر ان کھلا ہوا۔

"کے کسے کی سینگ تم نے پیچ کر دوائی
 ہے۔" اس کی کھلی آواز پر وہ ایک دم چوک کر
 کھڑی ہوئی کتاب اس کے ہاتھ سے پھٹنے پھٹنے
 پچی، فیض کی بات کے جواب میں ماہم نے
 مجرموں کی طرح سر جھکا لیا۔

"دس ماہ میں اور میرا کمرہ جیسا ہے
 اسے دس ہی قبول کر گئے بدلنے کی کوشش مت
 کیجئے (قبول کرو گے) یہ کچھ سوچنا شرط ہے
 تم نے اپنا آپ مجھے سونپا دیا؟" وہ بھی
 ایک ہی موسم اچھا لگتا ہے دھوپ ہی دھوپ یا سرد
 پھر ہوا۔" اس کی بات پہ مانی کو بھر جھری سی آ
 گئی۔

"آئندہ میرے کمرے کی کچی چیز کو بدلنے
 کی کوشش مت کرنا (وہ کہہ کر تمہارا نہیں ہے ہمارا
 ہے)۔" وہ کہنا چاہتی تھی مگر کہا تو اتنا۔
 "آپ مجھ سے اس قدر تھا اور بدگمان
 کیوں رہتے ہیں، آخر مجھ سے ایسا کیا قصور مرزد
 ہوا ہے جس کی اپنی لڑی سراسر ہے رہے ہیں۔"
 اپنی ساری انا اور خود داری کو پس پشت ڈال کر
 بالآخر اس نے لب کھول دیئے۔
 فیض حسن نے اچانک اس غیر متوقع سوال

پر چمک کر اسے دیکھا اس کے لیے کی تھکن سے زیادہ اسے اس کی آنکھوں نے صدمہ کا دیا تھا، سبیل کی آنکھوں میں جیسے اجڑا شامو سی ویرانی سمٹ آئی تھی، مانی کو اپنا وجود اسے جیل کی لہرائیوں میں ڈوبتا محسوس ہونے لگا وہ چاہنے کے باوجود اس کے سوال پر اسے سختی سے جواب نہ دے سکا اور پلٹ کر تیز قدم اٹھا اپنی کار کی سمت بڑھ گیا۔

”سوچ لو اب آخری سارے بے محبت، اس در سے اٹھو تو کوئی در نہ ملے گا،“ ایسی کادل اس کے لمحہ پر بچہ در در جاتے قدموں سے لپٹ لپٹ کر کہتا رہا۔

☆☆☆

احتشام حسن لان میں کین بیکر پر ایمان نرم کی دھوپ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اخبار کا مطالعہ کر رہے تھے جب وہ چل آئی۔

”بابا جان کانی“ اس تنگ ان کی طرف بڑھایا۔

”ارے بیٹے! اتنے ملازموں کے ہوتے ہوئے آپ نے کیوں دھت کی۔“

”بابا جان! بھتیوں میں دھت کیسی۔“ وہ مسکرائی۔

”آپ بہت اچھی کانی بناتی ہیں۔“ سیپ لینے کے بعد انہوں نے نعرہ بٹکی۔

”فینک یو میرے بابا کو کھی میرے ہاتھ کی کانی بہت پسند ہے ویسے تو عمر بابا پیرس میں اور ماما ہوٹل میں بڑی رتی ہیں لیکن جب بھی وہ گھر پر ہوتے ہیں خود ان کے لئے کانی بناتی تھی۔“ وہ مسکراتے ہوئے اس سے رہے تھے۔

”میری؟“ سیپ نے آگے بڑھ کر کہا۔

”جی ہاں! آپ کوڈی کہنے کے بجائے بابا جان کیوں کہتی ہوں؟ کیونکہ آپ مجھے بالکل اپنے فادر جیسے لگتے ہیں اور میں اپنے بابا کو بھی ہمیشہ بابا جان کہہ کر مخاطب کرتی ہوں۔“ اس کے بھتیوں سے لبریز محسوس سے انداز پر انہیں کسی آ

گئی، وہ خود بھی سوال پوچھ کے ان کا جواب نہ بغیر بولتی چلا رہی تھی۔

”علینہ تو اس طرح مجھے کہتی، بھابھی آپ ہمارے ڈیڑھ گیارہ سال کیوں کہتی ہیں۔“ ہو بہو

علینہ کے لیے اس کی اصل اتاری وہ نہیں پڑی، احتشام حسن کے قہقہے نے اس کی ہنسی کا ساتھ دیا۔

”جینے جینے تو علینہ جیسا کوئی اعتراض نہیں ہے ان گنت (در حقیقت) مجھے آپ کا بابا جان کہہ کر مخاطب کرنا بے حد بھاتا ہے۔“ وہ مسکرا کر خوش دلی سے بول پڑے۔

”جینے جینے کھی میں سوچتا ہوں میں نے نجانے ایسا کون سا اچھا کام کیا ہے جس کے صلے میں اللہ نے آپ کو ایسی اچھی بھتیوں سے بڑھ کر

چاہنے والی ہوئے اس لہر کو نوازنا۔“ بابا جان کی بات پر وہ نے اختیار چھین لی۔

”بھتی رہو، سدا کھی رہو۔“ انہوں نے دل سے عادی۔

”ایک بات پوچھوں؟“ ان کی بات پر وہ متعجب سی آنکھیں دیکھنے لگی۔

”مامی کی عکس میں خوش تو ہو۔“ ان کے لیے میں انجانے سے خدشات تھے۔

”جی ہاں! میں بہت خوش ہوں۔“ وہ نظریں چرا کر گویا ہوئی۔

”بھیا، کھی بھی آپ مجھے بہت اداس لگتی ہو۔“

”نہیں تو بابا جان ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔“ وہ مڑ بڑھائی۔

”بھیا! ذرا بھی سوشل نہیں ہیں گھر۔“ باہر نکلا کریں، فرنیچر کے ساتھ چارٹیز میں جا کریں، شاہک کیا کریں۔“ ان کی بات پر وہ

اشیات میں سر ہلا کر رہ گئی، یاریز، فلنشن اور شاہک سے اسے کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا۔

”میں مانی سے کہتا ہوں تمہیں پورے گھر لائے ویسے کسی شادی کے بعد سے تم لوگ کبھی

گھومنے پھرنے نہیں گئے۔“ وہ اس کی اداسی کا کوئی صل ٹکانا چاہ رہے تھے۔

”بابا جان! اس کے اچانک مخاطب کرنے پر انہوں نے شفقت سے اسے دیکھا۔

”وہ ابھی تک شہب کا خود بھی ارادہ ہے مگر وہ کہتے ہیں کہ شہب چار ماہ بعد نہیں آئے آج کل ان کے کچھ ضروری پراجیکٹس چل رہے ہیں۔“

اور بابا جان اس کی بات پر مطمئن سے نظر اٹلی۔

”او کے بیٹا! مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔“ انہیں موبائل پر کسی کی کال آئی تو فوراً

ہانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

اور جابجا بھڑے ہوئے بچوں اور شڈ منڈ اور شڈ منڈ میں تنہا بیٹھی مانی فضا میں کوئی

گول اور گیت کی بیل کے پر درد نئے سننے لگی۔

☆☆☆

ٹی وی لاونڈ میں علینہ، طے اور مامہ کیرم علینہ میں ملن تھے، وہ کچھ دیر پوچھتے آئیں سے لوٹا

”ہلو پوری ماڈی، ماڈو کری؟“

”فائن! بھائی آپ کیسے ہیں؟“ طے نے مسکرا کر اس کا حال دریافت کیا، جبکہ مامہ بے

ہمازی سے کھیل میں ملن رہی۔

”ارے ہماری علینہ تو بڑی بیٹ پٹیئر (بہترین ملاڑی) بن گئی ہے۔“ علینہ کی باری پر اسے کوٹ پر کوٹ لے جاتے دیکھ کر مانی نے داد

دی، مگر علینہ خود بخیر کی سے بیٹھی رہی۔

”ایکسیو زی۔“ طے کو اس کے دوست کی کال آئی تو موبائل کان سے لگا کر ایسیو ڈو کرنا

اگر کل (کل)۔“ مانیوں کوٹ۔“ علینہ کے بے نیازی پر

الی متعجب ہوا۔

”بھری پوری ڈول کو کیا ہوا ہے؟“ مانی نے اس کی پونی کل چینی۔

”بھائی آپ گندے ہیں اچھے آپ سے کوئی بات نہیں کریں۔“ علینہ کی اطلاع پر مانی کے ساتھ مانی نے بھی حیرانی سے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

”ہیں، میں نے کیا کیا ہے؟“ وہ بدستور حیران تھا۔

”آپ بھابھی کو ڈانٹتے ہیں ان پر غصہ کرتے ہیں۔“

”آپ سے آپ کی بھابھی نے کچھ کہا ہے کیا؟“ علینہ کی بات پر شہب کا مامہ بر دست

گھوڑی سے نوازتے ہوئے استفسار کیا جبکہ مانی دم بخود سی بیٹھی رہ گئی۔

”نہیں میں نے خود دیکھا۔“ علینہ نکلی سے بولی۔

”مب؟“

”اس دن جب میں اسے کمرے میں رو رہی تھی اور آپ میرے روم میں آئے، پتا ہے

میں کیوں رو رہی تھی؟“ ایک لمحہ کے توقف سے رک کر مانی کا چہرہ ملا خط کرنا جبکہ مامہ اسی اثناء

میں کھیل ادھورا چھوڑ کر باہر نکل گئی، اس دن کا منظر مانی کو پوری جرات سمیت یاد آگیا۔

”بھری کرشل اور ڈول ٹوٹ گئی تھی جو مجھے ماما نے ٹھٹ کی تھی، اس لئے میں اتنا رو رہی تھی

فیورٹ ڈول تھی، بھابھی نے مجھے احتیاج کر دیا اور دیکھی ہی ڈول دلاوے کا پراس کیا اور پھر

آپ آگے اور میری اتنی ناس اتنی کیوٹ بھابھی کو آپ نے ڈانٹا۔“ وہ اسے مخصوص انداز میں

بولتی تھی، مانی پر کھڑوں پانی پر گیا۔

”میری؟“ وہ فقط اتنا ہی کہہ سکا۔

”آپ سوری مجھ سے نہیں ان سے کرس اور پتا ہے بھابھی نے مجھے بالکل دیکھی ڈول لا

کے دی ہے۔“

”آپ کو کس مامہ کی دیکھ ہو چکی ہے وہ بھی واپس نہیں آئیں گی مگر بھابھی مجھے مامہ سے زیادہ

پیار دینے کی کوشش کرتی ہیں تاکہ مجھے مام کی یاد نہ آئے، لیکن مام کی یاد تو آتی ہی ہے مگر میں بھابھی کو نہیں بتاتی، میں ان کی کتنی کیر کرتی ہوں اور آپ انہیں ڈانٹتے ہیں۔“ چھوٹی سی علیہ سے اسے ان بڑی بڑی باتوں کی بالکل بھی امید نہ تھی وہ سب کچھ اپنی جگہ پر بیٹھا رہ گیا اور علیہ باہر چلی گئی۔

☆☆☆
”نیب! تمہیں آؤس کی نئی سیٹنگ کیسی لگی؟“ ڈانٹنگ ٹیبل پہ ڈنر کے دوران ڈیڈ نے اسے مخاطب کیا، وہ جھپٹے دو دل سے اسلام آباد گیا ہوا تھا، آج دوپہر کو اجاسی ہوئی تھی۔

”زبردست ڈیڈ! میرے لئے اب بہت سر پراننگ تھا سب کچھ، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میری دو دن کی غیر موجودگی میں آؤس میں اتنا خوبصورت پینچ آجائے گا۔“ اس نے کانٹے کی نوک میں کباب کا ٹکڑا پھنسا کر نہ میں رکھا۔
”ہاں ماحول میں کچھ نہ کچھ تبدیلی لانے سے طبیعت پر اچھا اثر پڑتا ہے۔“ ڈیڈ نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

”یو آر ریٹ ڈیڈ، میں سو فیصد متفق ہوں۔“ نے حدیثت وہ دھ سے مام سے نیب کی سب کچھ ڈالی اور اسی لمحہ پانی کا گلاس اٹھاتے ہوئے نیب نے بے اختیار پانی دیکھا۔
”کیا کچھ نہیں تھا مام کی نگاہوں میں۔“ مگر وہ بڑے آرام سے انجان بن گیا، مام کی کا دل کھانے سے اجاڑ ہو گیا۔

”اچھا تو تمہاری میٹنگ کیسی رہی؟“ اور وہ ڈیڈ کو میٹنگ کی تفصیل اور پراجیکٹ کے حقائق آگاہ کرنے لگا۔

”مام! بیٹا! کیا بات ہے آپ کچھ نہیں لے رہیں۔“ ڈیڈ کی نظر پلیٹ میں بے دلی سے چپچہ ہلائی باہر پر پڑی۔
”بس بابا جان! پیٹ ہو گیا۔“

”کیوں بیٹا آپ نے تو ابھی کچھ کھایا نہیں۔“
”مسل میں یہ مانی بھائی کی جدائی اور اس ہو گئی، کیسا چہرہ اتر گیا دو دن میں شوبی نے شرارت سے کہا۔
اس کی بات پر بھی اسے دیکھنے لگے حتیٰ مانی نے بھی بے اختیار اسے کھری نگاہ سے دیکھا۔
”میں تو ابھی کوئی بات نہیں ہے۔“
گھبراہٹ ہونے لگی، اس کی گھبراہٹ پر شوبی قہقہہ چھوٹ گیا مانی سب بھی مسکرا دیئے۔
”شوبی! ابھی کو کھک مت کرو۔“ ڈیڈ نے ٹوکنے پر وہ مسکراتا ہوا کھانے کی جانب متوجہ گیا، سب کے توجہ ہٹانے سے مانی نے اختیار سکون کا سانس لیا۔

☆☆☆
ماہین اور منائل ان کے ساتھ ویک اپ گزرنے لگی تھیں، شام سب تک پارٹی نے سائیڈ پر منائی تھی اور باہر ایک شاندار ریو نوٹس میں ڈنر کے بعد رات گئے گھر واپس ہوئی۔

اگلے دن سڈے تھا ناشتے سے فراغت کے بعد اجاسی سب کا کرکٹ کھیلنے کا موزوں تھا، لان میں اک ہنگامہ برپا تھا، مامین مام کو بھی ساتھ کھیل رہا تھا۔
”آئیے ناں بھابھی بہت حرا آئے گا۔“ شوبی، طہ، علیہ، منائل اور مامین کے پرہ اصرار کے آگے اسے ماننے ہی تھی۔

”اوش! مامی آئی ٹھیک سے بال کرنا ناں ہماری ٹیم کی ناک کٹ جائے گی۔“ علیہ ہر بال پر چوکا، چمکا لگاتے دیکھ کر مامین کو لگتا ہوا۔

”نیچ کسٹنگ کا کیس ہے بھئی۔“
”ماں بھابھی باقاعدہ ملان کے تحت علیہ! اسے بال دے رہی ہیں تاکہ وہ آؤٹ ناں ہو۔“

”اوش! مامین نوراجانے تو وعدہ سے فرار ہو گیا۔“

”اوش! طہ نے شوشہ چھوڑا سب کا ہنس کے برا حال ہو گیا۔
”جی نہیں میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ مجھے ہاڈانگ بیٹنگ کا کوئی تجربہ نہیں۔“ مانی نے منہ لٹکایا۔

”ہاں تو ہم کوئی قوی کرکٹ ٹیم کے کھلاڑی ہیں جو کچھ کھیں کریں گے۔“ مامین لڑاکا عورتوں کے اسٹائل میں کمر پہ ہاتھ کر کر میدان میں کود پڑی۔

”ارے او، کچھ مذاق کر رہا تھا اب اس کی جان لو گی کیا۔“ شعیب نے بھی سیدھوک کر طہ کا ہاتھ لگا دیا جبکہ باقی سب ان کی نوک جھونک سے غفلت پورے تھے۔
”بھابی! جھکی لی بات بات یہ پنجے تیز کر کے آئی ہو۔“ شوبی نے اسے چھیڑا۔
”کیا کیا جھکی لی، مجھے۔“ مامین نے بے حد غصے میں انکشت شہادت کا رخ اپنی طرف کرتے ہوئے پوچھا۔

”ارے ارے چلو چھوڑو اپنی اپنی باری لو۔“ مامین نے سب کی جھنجھالی مگر مامین کہاں سننے والی کی، شعیب کی کیر کی مٹی پر چڑا پاپ اٹھا یا جو کچھ ہے شعیب مامی بابا کیری کو پانی دینے کے لئے ڈال گئے تھے۔

اور اگلے ہی بل شوبی کی آہ وہ کتنی اور سب کے زور دار قہقہے مام سے بھی کسی ضبط کر دشوار ہو گیا۔

”اؤف! شوبی! بیٹنگ بیٹنگ بلکہ ہیکے لے لگ رہے ہو۔“ مامین ٹھٹھٹھ کر رہی تھی۔
”اے لوکی! اسنے شعیب کے حمازی خدا کے ساتھ ایسا سلوک۔“ شوبی نے دانت پیسے۔
”ارے کوئی تو اس ظلم کو روکو۔“ اس نے اپنی دبی، منائل نے بیٹھے ہوئے بھاک کر شل بند کر دیا، مگر آئی دیر میں شوبی سر تا پا بانی میں شرابور ہو چکا تھا، مامین نوراجانے تو وعدہ سے فرار ہو گیا۔

”مظہر و ذرا تمہاری تو میں گردن اٹھی دہاتا ہوں۔“ شوبی کیڑو دھمکیاں دیتا اس کے پیچھے لپکا تھا۔
”دھیلے دھیلے بھائی میری باری تو دین ناں۔“ علیہ نے خند کی۔

”سوری گا تیرے لوگ کیلومیٹر ڈرا لے گا مینو خانساں کو بتا دوں۔“ مانی نے ان تینوں سے معذرت کی، پوچھی بولتے ہوئے اس کی نگاہ کر کے کی کھلی کھلی کی جانب اٹھی۔

وہ جھانے کب سے وہاں کھڑا ایک ٹک سے اسیے دیکھ رہا تھا، جی کہ مانی کے دیکھنے پر بھی نظر نہیں پٹائی، مانی کا دل یک لخت زور سے دھڑکنے لگا وہ سرخ پڑتے جہرے کے ساتھ وہاں سے ہٹ گئی اور گھر کے اندر دلی حصہ کی سمت قدم بڑھا دئے، باہر علیہ، طہ اور منائل نے سر سے سے کیل میں کھن ہو گئے تھے۔

☆☆☆

آج دنائیل کی بچھ ڈے پارٹی تھی اور وہ پوری فیملی سبست الونائیڈ، گوکہ کنکشن رات کا تھا مگر بھابھی نے اسے جلد آنے کی تاکید تھی، اوپر سے دنائیل کی ایک توڑ سے آئی توں کا کٹر ”چھو جانی جلدی آ جائیں“ اس کی ایک ہی رٹ تھی۔

بابا جان بولنے کے سلسلے میں جڑی گئے ہوئے تھے، جی اس نے نیب حسن کو دنائیل کی برتھ ڈے پارٹی کے متعلق بتا دیا تھا، اس نے شرکت کی حاجی بھری تھی مگر ڈیڈ سڈے ہوا تھا کہ مام، ڈیڈ اور سب کے ساتھ پہلے سے چلی جائے اور شوبی، طہ، علیہ اور مانی رات کو کچھ چائیں گے، مانی کے لئے بھی غنیمت تھا کہ وہ کنکشن میں شریک ہو کر کم از کم اس کا بھرم تو قائم رکھے گا، مانی کا ارادہ تو علیہ کو ساتھ لے کر جانے کا تھا، مگر علیہ کے ضروری ٹیٹ چل رہے تھے جس کی بنا پر علیہ کو سکول جانا پڑا۔

اپنی تیاری کو فائل چلے دے کر اس نے آئینے میں اپنا تنہیدی جائزہ لیا اس نے شانگ چکر ٹک کا فرارک زبیت کیا تھا، جس کے گلے اور بازوں پر سفید موتیوں کا دیدہ زیب کام تھا، چوڑی دار پاجامے پر بڑا سا روپیہ ڈاڑھے نفاست سے کئے گئے میک اپ، مٹی چپڑی اور کھسپینے وہ کسی مغلیہ سلطنت کی شہزادی معلوم ہو رہی تھی، گلے بال شالوں پر لہرا رہے تھے۔

”کیا فائدہ یوں سجتے ستورے کا، جب وہ دشمن جاں آگ لگا ڈالتا اور انہیں کرتا۔“ عیدم اسے اپنی تیاری بے کار لگنے لگی، اس نے سر جھٹک کر موٹا کمر برس میں ڈالا اور دانیال کے لئے خریدے گئے ٹھس شانگ بیگ میں ڈال کر باہر نکل آئی بیک ایک لک ڈالچ میں پڑا فون بیچنے لگا۔

”بیلا“

”جی آپ کون!“

”دوسری طرف سے دی گئی خبر نے اس کے حواس سلب کر دیئے ریسورس اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا، سارے گٹھ اور شانگ بیگ وہیں چھوڑ کر وہ قریب بھاگتی ہوئی پورچ تک آئی اس کے چہرے پر شدید پریشانی کے آثار تھے، اس نے تیزی سے ڈرائیو روگاڑی ٹکٹ لے کر حکم دیا اور گاڑی میں بیٹھ کر بے حد توش و گھبراہٹ کے عالم میں پرس سے موبائل نکالا اور کرزٹے ہاتھوں سے فیب کا نمبر پریش کیا۔

مگر دوسری طرف سے کال کاٹ دی گئی،

دوسری بار ملانے پر بھی کال ریسپونڈ کی، تیسری بار رد ہوا بتیل ہونے کے بعد کال ریسپونڈ کی گئی۔

”فیلولیب میں.....“

”جب میں نے آپ کی کال پر بار بار غور کی ہے تو اس کا مطلب نہیں سمجھتیں۔“ اس کی بات کاٹ کر وہ غراٹے کے انداز میں ایک ایک لفظ چاکر گیا ہوا ذلت کے شدید احساس سے اس کی آنکھیں بھرا گئیں۔

”مگر بات ضروری ہے اس لئے۔“

”مجھے پتا ہے کیا ضروری بات ہے جب میں ایک بار کہہ چکا ہوں کہ میں شام کنکشن میں بیچ جاؤں گا تو بار بار فون کر کے یاد دلانا ضروری ہے۔“

”مردہ.....“

”ہائے“ اب کی بار رابطہ معطل کر دیا گیا۔

ہائی نے ایک بار پھر کال کر کے اصل بات واضح کر چائی مگر اس بار فیب حسن نے موبائل آنف کر دیا۔

ہائی کی آنکھیں جھلجھلائے لگیں، ”عجب شخص ہے خود ہی سارے اندازے لگا کر خود ساختہ باتیں فرض کر لیتا ہے، اتنی ہی جھڑ پلا دی مگر میرا ایک جملہ پورا نہیں سنا۔“ اسے سخت غصہ آ رہا تھا۔

”شوہی، فیب کو بھی اطلاع کر دو ان کا سب

آف ہے اور آفس کا نمبر میرے پاس نہیں ہے۔“ لڑنی کا پتلی آواز میں شوہی کو ساری صورتحال سے آگاہ کرنے کے بعد اس نے ہدایت جاری کی۔

”اوکے سمجھا میں فوراً پیچھا ہوں سب ٹھیک ہو جائے گا ڈونٹ وری۔“ شوہی پوری کی میں تھا جا چک نازل ہونے والی افتاد پر اسے خود ہی حد شاک لگا مگر ہائی کو حوصلہ دے کر اپنی کار کی سبھا گیا۔

وہ آئی سی یو کے باہر بڑھال سی سر دلوں ہاتھوں میں گرائے بیچ پر بھی سسک رہی تھی کہ اپنے کندھے پر کسی مہربان ہاتھ کا لمس محسوس کر کے ایک دم سراٹھایا۔

شیب چہرے پر ڈھیروں ڈھیر فکر مندی اور تشویش کے تاثرات لئے کھڑا تھا۔

”شیب!“ وہ روتی ہوئی اس کے کندھے سے آگئی، پریشانی میں وہ شوہی کے پیچھے آتے

فیب کو کمر فراموش کر چکی تھی۔

”وہ علیحدہ سکول کی بیٹیوں سے گری ہے اسے سر پر چوٹ لگا ہے۔“ بچپیلوں کے درمیان بمشکل بات پوری کی۔

”حوصلہ رکھیں وہ ٹھیک ہو جائے گی، اسے کچھ نہیں ہوگا،“ شیب کے دل کی حالت خود بے حد خراب ہو رہی تھی، ڈیڑھ گھنٹہ پہلے موجود تھیں تھے اس کی ہمت ساتھ چھوڑنے لگی۔

نام کو حوصلہ دیتے ہوئے اس کی آنکھیں بھرا گئیں۔

”تم کو حوصلہ کر سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ فیب حسن نے آگے بڑھ کر دونوں کو الگ کیا۔

ہائم نے چوٹ کر سراٹھایا اور ملامت کرتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

فیب پر گھڑوں پانی پر گیا، ہائی کی آنکھوں سے جھلکتا تاسف، غصہ، شرم اس سے چھپا ہوا نہ تھا، اس سے ان نگاہوں کا سامنا کرنا دو بھر ہونے لگا، وہ فون پر اسے بھی سب بتانے کی کوشش کر رہی تھی اور اس نے کیسے روڈ لکچ میں اسے دھتکار دیا تھا۔

اسی لمحے آئی سی یو کا دروازہ کھلا اور ایاز انکل اپنے سائیکو ڈاکٹر کے ساتھ باہر آئے جبکہ نائل پچھو اور ماما گئی دارڈ میں آئے ایک سیریلز کیس میں بڑی تھیں۔

”میر میں کبھی چوٹ آئی ہے بلڈنگ بہت زیادہ ہوتی ہے، مگر برقت ہو سٹیل لانے سے پچھلین کو کنٹرول کر لیا گیا، اب خطرے کی کوئی بات نہیں ایک گھنٹے بعد ہوش آجائے گا۔“ ایاز انکل نے خالص ڈاکٹر انداز میں تفصیل بتا کر تسلی آمیز لہجہ اختیار کیا۔

”پلیز آپ لوگ پریشان مت ہوں وہ ٹھیک ہے اور بہت جلد ہی کور کرے گی،“ فیب، شیب اور ہائی کو بدستور منتظر دل گرفتہ دیکھ کر

انہیں کہنا پڑا۔

”انکل، ہم علیحدہ کو دیکھ سکتے ہیں؟“

”ابھی کچھ دیر میں اسے روم میں شفٹ کر دیا جائے گا پھر تم لوگ چاہو تو اسے دیکھ سکتے ہو۔“ ہائی کے احتیاط پر انہوں نے بتایا۔

”مردہ جنرل وارڈ میں ایک ہیڈنٹ ہے ہوش ہو گیا ہے اچانک سے۔“ نرس نے آکر انہیں اطلاع دی تو وہ ان سے معذرت کرتے جنرل وارڈ کی طرف بڑھ گئے۔

☆☆☆
تم ہم سفر ہوئے تو ہوئی زندگی عزیز مجھ میں تو زندگی کا حوصلہ نہ تھا ”تو ہائم کمال تیر میرے سہ چاہنے کے باوجود پھر یہی زندگی میں شامل ہو گئیں اور میرے دل کے سکھان پر قبضہ کر لیا، میں نے بچی شدت سے تمہاری ذات کی نفی کی دل نے اتنی ہی سے ٹیک لگائے تصور ہی تصور میں اس سے ہم کلام تھا جبکہ گاہیں دور نیلے پانیوں والے دست و پا عربی سنسٹر روکا معاملہ کیے ہوئے تھیں۔

وہ گردش کی دنوں سے ہائی سے بات کرنا چاہ رہا تھا مگر وہ میسر ہی نہیں آ رہی تھی، مگر میں لوگوں کی فوج کے باوجود وہ سارا دن علیحدہ کیمار وادی میں رہتی اورات کو مائی کے سو جانے کے بعد اسے کمرے میں قدم رکھتی، اکثر تو وہ علیحدہ کے روم میں ہی سو جاتی تھی۔

”بیٹے علیحدہ اب کافی بہتر ہے دن بدن ری کور کر رہی ہے آپ اپنے روم میں سو جایا کریں علیحدہ کی دیکھ بھال کے لئے ہمہ وقت نرس موجود ہے۔“

بابا جان کہتے تو وہ نہں بڑی (بابا جان علیحدہ کی خبر ملتے ہی چلے آئے تھے۔)

”بابا جان کیا کور علیحدہ مجھے اتنی عزیز ہو گئی ہے کہ اگر میں اپنے روم میں سو جاؤں تو

ساری رات اس کی تکلیف کا سوچ کے بے چین رہتی ہوں کئی بار اس کے روم میں چپک کر گئے جانی ہوں کہ کہیں اس کے دروازے نہیں ہو رہے وہ تو کہیں رہی اور یہ سب میں علیحدہ کے لئے تھوڑی کرئی ہوں اپنے دل کو ملی کے لیے کرتی ہوں۔“ اور یہ بات تو بابا جان بھی جانتے تھے کہ علیحدہ گھر میں سب سے زیادہ مایہ کی بات مانتی ہے اور باہی کی سنگت میں اپنی تکلیف کا احساس بھول جاتی۔

”بھئی رہو۔“ وہ مایہ کے سر پر ہاتھ پھیر کر عدا دیتے۔ ☆☆☆

سب گھر والوں کے ساتھ ساتھ منیب حسن کا دل بھی مایہ کی بے پناہ محبت اور خلوص کا قائل ہو گیا تھا۔

اسے یاد آیا کہ درانیال کی برتھ ڈے پارٹی میں جانے کے بجائے اس نے علیحدہ کے پاس ہو چلن میں رہنے کو ترجیح دی تھی۔ حالانکہ چھو، طر، شوخی، مناہن، مایہن سب ہی نے زور دیا کہ وہ علیحدہ کے پاس ہیں وہ جانا چاہے تو چل جائے۔

”منیب، علیحدہ کو ایسی حالت میں چھوڑ کے جانے پر میرا دل نہیں مانتا، علیحدہ کو میری زیادہ ضرورت ہے۔“ اپنی بھابی کی کال آنے پر اس نے کہا تھا۔

اور اس لمحہ منیب حسن کو احساس ہوا تھا کہ زہا اور مایہ میں زمین آسمان کا فرق تھا، اگر مایہ کمال کی جگہ زہا آخر فیدی ہوتی تو وہ پارٹی میں جانے کو اہمیت دیتی نہ کہ علیحدہ کو۔

”میں نے بھی مایہ کو بے رخی کے سوا کچھ نہ دیا اور بدلے میں اس نے میرے بچوں کو اپنی بے لوث چاہت سے نوازا۔“ منیب کو گہری ندامت نے چکڑ لیا۔

آتی جاتی لہریں اس کی گفتگو کو سن کر گھر سے

بائیں تک پہنچانے میں گن گنیں، سمندر کے سینے میں عرصہ دھرت کے دھب کے راز و نیاز سن کر اپنی لہریں ان میں دن کر لیتا ہے، مگر لہروں کی شوریدہ ہری اس کے اضطراب دے چینی کو ظاہر کرتی ہے۔

منیب حسن نے آنکھیں موند کر اک لمحہ کو اپنے دل میں جھانکا اور ششدر رہ گیا۔

”تنبہ! آہ تنہائی جو میرے دل میں کسی آسپ کی صورت آنکھیں کی بجائے کب، کیسے اور کہاں چلی گئی، اب میں تنہا ہوتے ہوئے بھی تنہا نہیں ہوں، میرے آس پاس ہوا، آواز، بھی زویا کے لئے بھی دل تاتواں نے محسوس نہیں کیا، تو کیا جو میں نے زویا کے لئے کیا دل محبت بھی یا جو تمہارے لئے چل کر رہا ہوں یہ محبت ہے۔“ اور دل کی ہر گون میں ہونے والی ایک خوشگوار سی لہجہ لے کر اس کے سوال کا جواب دیا۔

”آف یا اب اپنا حال دل نہیں کیسے بتاؤں تم نے تو ٹولف کا بورڈ چسپاں کر رکھا ہے آج کل میرے لئے۔“

”میں نے تمہیں ہر ٹھ بھی تو بہت کیا ہے کیسے مناؤں کیا کروں۔“ وہ لاشعاری سوچوں میں گرفتار سا گہری سانس بھرتے ہوئے گاڑی کا دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا اور کار ریورس کرنے لگا، اپنی سوچوں میں کہ وہ دیکھ ہی نہ سکا کہ سمندر کی لہریں اچانک خوشی کے عالم میں رقص کرنے لگیں تھیں۔

☆☆☆

گلاب کی چھائی پر اک سرخ چھول نے اگڑائی لی اور اگر دگر نظر دوڑائی، لان میں بہار نے اپنے قدم رکھ دینے تھے لیوں جاسن، انار، امرود اور آم کے بیڑوں پر پئے شگونے چھوٹ رہے تھے، بیلے، بینا، بیل اور بیڑوں نے فل کر بہار کی آمد کی خوشی میں فضا میں مل جارا رکھا تھا، موتیا، لعل، جلا، بیلا اور کئی اقسام کے پھولوں نے

کھل کر لان کی خوبصورتی بڑھا دی تھی، اسی اثنا میں اک کچی سرخ چھول کے گرد منڈلانے لگی، چھول نے پھر وہی سوال دہرایا۔

”کیا سب بہار کے موسم کے ساتھ ہوتے ہیں؟“ اس کا سوال پندوں ہواؤں بیڑوں اور چھولوں نے سنا اور سوچ میں گم ہو گئے۔

”نہیں کچھ ہر مہر ای ہر موسم میں ساتھ نبھاتے ہیں، انہیں بہاروں کے آنے یا جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، وہ دھکے کھانے کے سہی ہوتے ہیں ان کی دواؤں سے خزاؤں میں بھی چھول کھلتے ہیں۔“

بیل نے منیب حسن کے کمرے کے لان میں کھلنے والی کھڑکی سے باہر جھانکی مایہ کو دیکھا اور کیت گا۔

”ہاں، تم ٹھیک کہتی ہو۔“ لان کی ہر چیز نے سر ہلا کر بڑا تانیدگی۔

”منیب حسن! بہار نے دھڑکی پر اپنے قدم رکھ دیئے ہیں تم کیوں اپنے دل کا دروازہ نہیں کرتے۔“ کھڑکی سے لان کا نظارہ کرتی مایہ نے افسردگی سے سوچا۔

☆☆☆

وہ دن میں خانسماں کے سر پر کھڑی اپنی دی گئی ہدایات کی زیر نگرانی علیحدہ کے لئے سوپ تیار کر رہی تھی، جبکہ علیحدہ کو اس کے ٹیوٹر پڑھانے آئے ہوئے تھے اور وہ تین دن کے اندر وہ کھول دوبارہ سے جوتان کرنے والی تھی، منیب، بابا جان کے ساتھ آس میں قحط اور شور کو کچنگ سن رہے تھے۔

”جہن میں باہتی، کا تیکی اصرہری مایہ کی آواز نے اسے شگکا دیا، وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

”وہ جی چھوٹے صاب (صاحب) آؤں سے جلدی آگے ہیں۔“

”تو اس میں اتنا گھبرانے والی کیا بات ہے۔“ مایہ نے ناک سے مٹی اڑائی۔

”وہ جی! بہت فحشے میں ہیں جی۔“

”کیوں؟“

”وہ جی! انہوں نے کہیں ضروری میننگ میں جانا ہے اور ان کی شرٹ کے ساتھ جی میننگ ٹائی نہیں مل رہی، انہوں نے جی سارے ملازموں کو ڈانٹا جی اور اپنی الماری کے استری شدہ کپڑے نکال کے پھینک دیئے ہیں جی۔“

مایہ اصرہری کے بار بار جی، جی کے اضافے پر اسے ٹپکی آئی۔

”ہیں جی! اتنی سنجیدہ بات پہ آپ ہنس رہے ہو جی؟“ مایہ حیران ہوئی۔

”اداپ پر بیٹان نہ ہو جی میں دیکھتی ہوں جی۔“ وہ اسی کے انداز میں جواب دے کر اپنے کمرے کی طرف آ گئی، کمرے کی ابتر حالت دیکھ کر وہ چکارا مچی کر پٹ پر جا بجا مائی کی شرش اور تائیز بھری ہوئی کیں اور منیب وارڈروب میں سر گھسائے نہانے لیا کر رہا تھا۔

وہ خاموشی سے کارپٹ پر بکھری شرش اٹھانے لگی ساری شرش اٹھتی کر کے بیڑ پر نکالیں۔

تائیز پنبین حسن مڑا تب تک وہ تمام بکھری تائیز کر کارپٹ پر سے اٹھا چکی تھی۔

”کیا وہ اتنی بے ترتیبی پھیلا کر کتا ش کر رہے ہیں۔“ وہ بے ساختہ بولتی ہوئی وارڈروب کے قریب آ گئی۔

بھلی سی فیروزی کڑھائی والے بلیک سوٹ میں اس کی دودھیا رنگت خوب دک رہی تھی، اپنے وجود کی تمام تر رعنائیوں سمیت وہ اس کے بمقابلہ کھڑی اسے استغماہیر انداز میں تک رہی تھی۔

منیب بے خودی سے یک تک اسے دیکھتا رہا، اس کی نگاہوں کی تپش پر کچھ بزل ہوتے ہوئے اس نے ہلکا سا رخ موڑ لیا دل یکدم سینے کی دیواروں سے کھڑا کر شور کرنے لگا دلوں

ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں الجھا کر وہ اپنے وجود کی لرزش یہ قابو پانے لگی، اپنے سوال کا کوئی جواب نہ پا کر اس نے جانے کو قدم بڑھائے، منیب یکدم ہوش میں آیا۔

”میں اس شرٹ کے ساتھ میچنگ ٹائی ڈھونڈ رہا تھا مکمل نہیں رہی۔“ ایک ہاتھ سے الماری کا پتہ تھا دوسرے ہاتھ میں ٹی پنک کلر کی بلیک لائننگ والی شرٹ تھا اسے اطلاع دی جیکہ انداز میں بے چارگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

”پلیز ہیلپ می۔“

”میں دیکھتی ہوں۔“ وہ ہاتھ میں تھامی ساری ٹائیز میں سے مطلوبہ ٹائی دیکھنے لگی اور منیب حسن اسے۔

اپنی تلاش میں ناکام ہو کر اس نے نظر اٹھائی تو منیب بغور اسے ہی ملاحظہ کر رہا تھا وہ پزل سی ہو گئی نجائے کیوں اس شخص کے سامنے اسے اپنے وجود کا سارا اعتماد رخصت ہوتا محسوس ہوتا تھا، اتنے عرصے میں یہ پہلا موقع تھا جب ماہی سے اس نے کوئی کام کہا اپنے دھڑکتے دل کو ڈپٹ کر وہ بظاہر اعتماد سے قدم اٹھائی وارڈ روب کی طرف بڑھی۔

اس کے گلزار ہوتے چہرے کو منیب نے بڑی دلچسپی سے دیکھا، حیا کے رنگ اس کے حسن کو چار چاند لگا رہے تھے۔

”بہنئیں میں وارڈ روب میں دیکھتی ہوں۔“ منیب کی نظروں کو مسلسل خود پر جمادیکھ کرنا چار اسے کہنا پڑا، ماہی سے اس کے روبرو یوں کھڑا ہونا دوبھر ہونے لگا۔

منیب سامنے سے ہٹا تو شکر کا کلمہ پڑھتی وہ مطلوبہ ٹائی ڈھونڈنے لگی، وارڈ روب میں ٹائیز کی مخصوص جگہ پر سامنے ہی وہ ٹائی اسے نظر آ گئی۔

”لیجئے یہ سامنے ہی تو لگی ہے آپ کو نظر

نہیں آئی۔“ ایسے حیرانی ہوئی۔

”آئی تھی نظر۔“ منیب نے سکون سے جواب دیا۔

”کیا؟ تو پھر اتنا اوویلا کیوں مچا رکھا تھا۔“ ماہی کو ابھن ہوئی۔

”تمہیں بلانے کا بہانہ تھا۔“ منیب کو مسکراتا دیکھ کر ماہی کو غصہ آ گیا۔

”میں جتنی بھی کہ خود ساختہ مفروضوں کی بنا پر دوسروں کو جھٹ پلانا آپ کا مشغلہ ہے لیکن جھوٹ بول کے دوسروں کو پریشان کرنا بھی آپ کا شوق ہے یہ آج بتا چلا۔“

”یار تم نجائے کہاں غائب رہتی ہو، اپنے مجازی خدا سے اس قدر بے رخی برتنا اچھی بات نہیں ہے۔“ وہ مسکرایا۔

ماہی نے تعجب سے اسے دیکھا یعنی الٹا چور کو تو ال کوڈا اٹھے۔

”یہ ڈائلاگ آپ کہیں اور جا کے ماریں میرا آپ کا کوئی تعلق نہیں۔“ وہ بھر کر بولی اس سے وابستہ تمام شکوے یاد آ گئے۔

”کیوں کوئی تعلق نہیں یو آر مائی وائف۔“ منیب اسے نظروں کے حصار میں جکڑ کر گویا ہوا۔

”بہت جلدی یاد آ گیا۔“ وہ خفگی سے کہتی جانے کو پٹی۔

”سنو ماہی! بہت خفا ہو۔“ پیار بھرے لہجے میں کہنے لگی استفسار پر وہ مڑی اور اک نظر اسے دیکھا کتنا بدلا بدلا سا لگ رہا تھا چہرے کے نقوش میں تناؤ کے بجائے ایک عجیب سی حلاوت و نرمی چھلکی ہوئی تھی اس کے لبوں سے اپنے نام کی پکار کتنی دلش گئی تھی۔

مگر اس نے فوراً سے پشتر اپنے تھکتے دل کو ڈپٹ دیا وہ اپنی تذلیل کیسے فراموش کر دیتی اور وہ بھی اتنی جلدی۔

”میرے خفا ہونے یا نہ ہونے سے آپ کو بھلا کیا فرق پڑتا ہے اور ویسے بھی اس طرح کا

کوئی حق آپ نے مجھے نہیں دیا۔“ اس کے لبوں سے بے اختیار ہی شکوہ پھیل گیا چہرے پر اچانک ہی چرمڑی طاری ہوئے گی۔

”اگر میں ہوں کہ فرق پڑتا ہے اور میری ذات پر تمام حق تمہارے ہیں۔“

”تو مجھے بالکل بھی یقین نہیں آئے گا۔“ وہ استہزاء بھری اور جانے کو قدم بڑھا دیئے، اس کے لہجے کی اداسی نے شب حسن کو ندامت کے عین گڑھے میں ڈھکیل دیا، اس نے ندامت بھری نظروں سے جانی ہوئی ماتم کو دیکھا۔

”جی نہیں، آپ کو میرا مقتدر اور مجھے آپ کا نصیب بننے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔“ وہ پریقین کی۔

”چھا! وہ کیسے؟“ شب نے اپنی شرح نگاہیں اس پر نکا دیں۔

”کیونکہ مجوزے آپ آسمانوں پہ سنتے ہیں اور اللہ نے آسمانوں پر بہت پہلے ہی مجھے آپ کے نصیب میں لکھ دیا تھا تو ہمیں زمین پر رہنے سے کوئی اور کیسے روک سکتا تھا۔“ وہ اس کا ہاتھ تمام کر کھڑکی کے پاس لے آئی اور کھلی کھڑکی سے نیلے آسمان کو دیکھتے ہوئے گویا ہوئی۔

”خوشبو سے لہرا پھندا جھونکا اسے زندگی میں آنے والی بہاروں کا پتہ دے کر گزرا لان میں بلبل بہاروں کے گیت گاد رہی تھی۔“

”شب نے دل سے اس کی بات کی سچائی کو تسلیم کیا اور اپنی باتیں واکردیں۔“

”وہ شوخ نہوا۔“ وہ شوخ نہوا۔

”عید ملوں گی۔“ وہ مسکراہٹ دیا کر بولی اور کٹر اک لٹکا چاہا ہے تجھ تاشا قہقہہ لگاتے ہوئے شب ایک ہی جھست میں اس کے مقابل اس کو کھڑا ہوا۔

”راستہ چھوڑیں۔“ اسے گھبراہٹ ہوئی اور گال دیک اٹھے۔

”تمہارا ہر رستہ میری جانب ہی آئے گا۔“ اسے گہری محبت باش لگا ہوں سے دیکھتے ہوئے محبت سے چور لہجے میں کہا اور اسے اپنے حصار میں جکڑ لیا۔

”مائی نے انجاد بکتا ہوا چہرہ اس کے سینے میں چھپا لیا جی بے یقینی کہ فرار چاہتا جی کون تھا۔“

میری دشتوں کو بڑھا دیا ہے چارائیوں کے عذاب نے میرے دل پہ ہاتھ رکھو ذرا میری دھڑکنوں کو قرار دو

اس کی ساعتوں میں سرھولتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تمام کر اپنے دل کے مقام پر رکھ دیا، مائی کی چٹکی کے نیچے اس کا دل ہڑک رہا تھا، شب کے لہجے کی چٹکی، بے قراری، حسرت اور تڑپ نے مائی کے وجود کو آنسو بنادیا

وہ لہجہ کچھ پھل رہی تھی۔

”خجائے کب کے روئے آنسو تھے جو اس کی آنکھوں کے سمندر سے بہتے چلے آ رہے تھے اس کا پورا وجود چٹکیوں کی زد پر تھا، وہ تڑپ اس کے نشادہ سینے سے آگئی، اس سے وابستہ تمام گلے شکوے تلخیاں آنسو بن کر بہنے لگیں۔“

شب حسن نے اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں مقید کر لیا۔

”مائی آئی اہم سوری، تمہارے ان آنسوؤں کا سبب میں ہوں میری زیادتیوں پر جی بھر کے رولو میرا وعدہ ہے تمہارے ہر آنسو کی تلاشی کر دوں گا، آج کے بعد جی تمہاری آنکھوں کو روئے نہیں دوں گا۔“ اس کے لہجے کی شروتوں پہ

مائی کا دل ایمان لے آیا وہ اس کے سینے میں منہ چھپانے روئی رہی۔

”مائی بس اب نہیں رونا، مجھے معاف کر دو۔“ دھیرے سے اسے خود سے الگ کر کے اپنی پوروں پر اس کے آنسوئے۔

”اچھو کچھ میرے رویے کا سبب کوئی اور تھا مگر میں اس کی کسی گئی ساری کی وگردا بہت تم پر لٹکا رہا۔“ اس کا لہجہ ندامت سے چور تھا۔

”آپ کو مجھ سے بدگمان رکھا۔“ وہ آنسوؤں کے درمیان جھیکے لہجے میں مخاطب ہوئی پھر اس کے استغفار و استغجاب پر ہنس پٹکیں اٹھا کر دھیرے

”مائی اس کی بات کی سچائی کو تسلیم کیا اور اپنی باتیں واکردیں۔“

”وہ شوخ نہوا۔“ وہ شوخ نہوا۔

”عید ملوں گی۔“ وہ مسکراہٹ دیا کر بولی اور کٹر اک لٹکا چاہا ہے تجھ تاشا قہقہہ لگاتے ہوئے شب ایک ہی جھست میں اس کے مقابل اس کو کھڑا ہوا۔

”راستہ چھوڑیں۔“ اسے گھبراہٹ ہوئی اور گال دیک اٹھے۔

”تمہارا ہر رستہ میری جانب ہی آئے گا۔“ اسے گہری محبت باش لگا ہوں سے دیکھتے ہوئے محبت سے چور لہجے میں کہا اور اسے اپنے حصار میں جکڑ لیا۔

”مائی نے انجاد بکتا ہوا چہرہ اس کے سینے میں چھپا لیا جی بے یقینی کہ فرار چاہتا جی کون تھا۔“

سے وضاحت دی۔

”ایک دن شور روم کی صفائی کرواتے ہوئے پرانے سامان میں سے آپ کی ڈائری ملی تو پڑے پناہ رہی تھی۔“

”شب ہر لڑکی زویا نہیں ہوتی۔“ اور یہ بات تو اس پر بہت پہلے دیکھ کر ہو چکی تھی۔

”تمہاری بے لوث محبت و خلوص نے مجھے یہ بات یاد کرادی ہے مائی۔“ اس کی آنکھوں میں جھانک کر سہراتے ہوئے اطلاع فرام کی۔

”جانتی ہو کسی کے دل میں اترنے اور دل سے اترنے کے لئے ایک لہجہ ہی کافی ہوتا ہے اور زویا کے صفات اور انسانیت سے عاری برتاؤ کی بدولت میری زندگی میں وہ لہجہ آ کر وہ ایک لمحے میں دل سے اتر گئی مگر چر دل، دل ہی نہیں ہا

اجزا شہر بن گیا اور اس اجزے کو کوئم نے پھر سے آباد کر دیا پھرے دل میں اب کہیں زویا کے قدموں کا کوئی نشان تک نہیں ہے، مجھے خبر ہی نہ

ہو کہ کب تم نے میرے دل کی مسند پر قبضہ کر لیا، محبت سچ معنوں میں تمہارا مسک رہ کر مجھ پر

ایک مقدس آسانی جھینے کی مانند اتری ہے آئی رہیں لو مائی۔“ اسے شالوں سے تھامے وہ

دھیرے دھیرے اپنے دل کے راز اس پر کھولیں گیا، مائی کی چٹکیوں پر گولی بوجھ کر اس کی چٹکیں خود بخود جھک گئیں دل سے جیسے ہر ملال وصل

گیا۔

”جانتی ہو زویا نے انجانے میں مجھ پر احسان عظیم کیا ہے؟“

مائی نے جیائے کو بوجھ سے جکی بوجھ پٹکیں ہوشل اٹھا کر تجھ سے اسے دیکھا اور اس کی آنکھوں کے آئینوں میں اپنا کس دیکھ کر نظر جھکا لی۔

”اگر وہ رستہ نہ بدلتی تو تم بھی انمول ہم سفر کا ساتھ زندگی کے سفر میں میرا نصیب بنتا۔“ اس کے چہرے پر اترے قوس و دگر کے تمام رنگوں کو شب نے بڑی دقتی سے دیکھا اور

”جانتی ہو زویا نے انجانے میں مجھ پر احسان عظیم کیا ہے؟“

مائی نے جیائے کو بوجھ سے جکی بوجھ پٹکیں ہوشل اٹھا کر تجھ سے اسے دیکھا اور اس کی آنکھوں کے آئینوں میں اپنا کس دیکھ کر نظر جھکا لی۔

”اگر وہ رستہ نہ بدلتی تو تم بھی انمول ہم سفر کا ساتھ زندگی کے سفر میں میرا نصیب بنتا۔“ اس کے چہرے پر اترے قوس و دگر کے تمام رنگوں کو شب نے بڑی دقتی سے دیکھا اور

”جانتی ہو زویا نے انجانے میں مجھ پر احسان عظیم کیا ہے؟“

اس کے دلش چہرے پر آئی ہاں کی شہری لٹ کو پیار سے کچھ کر شور سے لہجے میں وضاحت دی۔

مائی دو قدم پیچھے ہٹ گئی شب نے مغللوں کو ہر اس کا گر بڑا مغل لکھا۔

”جی نہیں، آپ کو میرا مقتدر اور مجھے آپ کا نصیب بننے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔“ وہ پریقین کی۔

”چھا! وہ کیسے؟“ شب نے اپنی شرح نگاہیں اس پر نکا دیں۔

”کیونکہ مجوزے آپ آسمانوں پہ سنتے ہیں اور اللہ نے آسمانوں پر بہت پہلے ہی مجھے آپ کے نصیب میں لکھ دیا تھا تو ہمیں زمین پر رہنے سے کوئی اور کیسے روک سکتا تھا۔“ وہ اس کا ہاتھ تمام کر کھڑکی کے پاس لے آئی اور کھلی کھڑکی سے نیلے آسمان کو دیکھتے ہوئے گویا ہوئی۔

”خوشبو سے لہرا پھندا جھونکا اسے زندگی میں آنے والی بہاروں کا پتہ دے کر گزرا لان میں بلبل بہاروں کے گیت گاد رہی تھی۔“

”شب نے دل سے اس کی بات کی سچائی کو تسلیم کیا اور اپنی باتیں واکردیں۔“

”وہ شوخ نہوا۔“ وہ شوخ نہوا۔

”عید ملوں گی۔“ وہ مسکراہٹ دیا کر بولی اور کٹر اک لٹکا چاہا ہے تجھ تاشا قہقہہ لگاتے ہوئے شب ایک ہی جھست میں اس کے مقابل اس کو کھڑا ہوا۔

”راستہ چھوڑیں۔“ اسے گھبراہٹ ہوئی اور گال دیک اٹھے۔

”تمہارا ہر رستہ میری جانب ہی آئے گا۔“ اسے گہری محبت باش لگا ہوں سے دیکھتے ہوئے محبت سے چور لہجے میں کہا اور اسے اپنے حصار میں جکڑ لیا۔

”مائی نے انجاد بکتا ہوا چہرہ اس کے سینے میں چھپا لیا جی بے یقینی کہ فرار چاہتا جی کون تھا۔“

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

”نصیب میں بھی محض لکھا تھا اور اسے اسی طرح ملنا تھا تو وہ بدگمانی کے سائے میں اپنے زندگی کو مشکل کیوں بنائے۔“ آج وہ آخری پہرے دے کر آئی تھی، زخرف کی کردلا کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھی وہ کچھ سوچ رہی تھی۔

”ناہی! تمہیں نیلم ماما کی طرف ڈراپ کر دوں؟ شام میں واپس لے جاؤں گا۔“ اس نے وید اسکرین سے نظر ہٹا کر اس در باکو دیکھا جو لین کریم دل وہاں تھی۔

ناولٹ

بیرے لئے مقدم ہے، انہیں پتا ہے کہ تم میری کمزوری ہو، اتنے دن گزرنے کے باوجود ایک بار بھی انہوں نے تمہارے بارے میں نہیں پوچھا، نہ ہی تمہیں بلایا ہے، پھر میں کیوں تمہیں وہاں جانے دوں، تم وہاں نہیں جاؤ گی، جب تک کہ وہ خود تمہیں نہیں بلاتا میں۔“ زخرف کی پیچیدگی دیکھ کر ماما نے منہ ہٹا لیا۔

”پھر ایسا کرو کہ مجھے گھر پر ڈراپ کر دو مجھے ماما سے نہیں ملنا، میں ان سے نوٹوں پر بات کر لوں گی۔“ ایک مل کو زخرف نے اسے بخور دیکھا اور پھر سر جھٹک کر گاڑی گھر کے راستے پر ڈال دی، پھر تو وہ اینیٹ باؤس کا راستہ ہی بھول گئی، نیم کہہ کہہ کر تھک گئیں، لیکن اس کے پاس مضبوط جواز تھا۔

”آپ سے اور امو جان سے ملوں گی اور صفیہ لاچ نہیں جاؤں گی تو دل برا ہوگا۔“



زخرف چاہتا تھا کہ دنیا کی ہر خوشی وہ اس کے قدموں میں ڈھیر کر دے، وہ اسے نادرین ایریا زبھی لے گیا تھا، مابھی اس کی محبت پر بعض اوقات نازاں ہونے لگتی تھی، زخرف کے لئے ہر ممکن نہیں تھا کہ وہ اپنی ماں کے دل کو مابھی کے لئے نرم کر دے، بس یہی سوچ مابینہ کو پریشان کرتی تھی۔

”سارا کیا دھڑا تھانہ کا اور گلستان اس کے نصیب میں۔“ وہ سوچ سوچ کر کھڑی رہتی، زخرف کی محبت ہی تھی جو اسے سنبھالے ہوئے تھی، اسکی خدمتیں مابھی کو حیران کر دیتی تھیں، کسی نازک آئینے کی طرح وہ اس کا خیال رکھتا تھا، اسے مابھی کی تنہائی کا بھی خیال رہتا تھا، وہ سرشام ہی گھر لوٹ آتا تھا، اکثر اسے لے کر لاگ ڈرائیو پر نکل جاتا تھا، واپسی پر ڈر بھی کسی ریسٹورنٹ میں کیا جاتا تھا، اس دن ٹیلیم مامور سو رہا اسے لے آئی تھیں، اس نے مابھی سے پوچھ کر کئی مئی ڈسٹر کی ترکیب لوٹ کر لی تھیں، پڑھائی کے دوران ٹیم نے اسے گھر واری سے دور رکھا تھا، سو وہ کھانا کھانے میں کوری تھی، مگر وہ جیسا بھی پکائی تھی زخرف بنا کوئی نقص نکالے کھا لیا کرتا تھا، حالانکہ وہ کافی خوش ذوق تھا، ٹیلیم مامور سو رہا کے جانے کے بعد وہ بچن میں ہنس لگی، اس نے بچن پر یانی بنانے کا ارادہ باندھا تھا، کیونکہ پہلی دفعہ بریانی باری تھی اسے سوچ سوچ کر کام کرتے ہوئے اسے اچھا خاصا وقت لگا گیا، زخرف کے آنے کا وقت ہو رہا تھا اس کا ارادہ ٹھیک بنانے کا بھی تھا، ٹھوڑی لاپرواہی سے ابلے ہوئے پاول چھانتے ہوئے عجیب اس کا ہاتھ مل گیا، یوں سے بے اختیار کسی نکل گئی، آٹھین پانچوں سے بھر گئیں، ہاتھ کی تکلیف کو نظر

زخرف پر بھی دباؤ ڈالا تھا کہ وہ مابھی کو مجبور کرے ایمن ہاؤس جانے کے لئے، زخرف نے اسے سمجھانے کی اپنی سی کوشش کی تھی، اس کا ایک ہی جواب تھا کہ ایمن ہاؤس جاؤں گی تو اس کے بعد صفیہ لاج جائے بنا رہا نہیں جائے گا، ایک شام ڈیڑھ بجی زخرف کے ساتھ آئے تھے وہ بھی اسے بلکی سمجھاتے رہے کہ وہ اپنے گھر والوں پریشان کرے، وہ ڈیڑھ کی باتیں خاموشی سے سنتی رہی، ڈیڑھ کے ڈران کے ساتھ ہی کیا تھا، ان کے جانے کے بعد وہ بہت دیر تک کھوٹی کھوٹی رہی، زخرف اپنے ہی کسی پر کوئی ضروری کام کر رہا تھا، وہ رات گئے تک مصروف رہا، مابینہ کو جانے کب تینہ نے آیا، صبح آٹھ بجے ہی اس کا سر پکڑا لے لگا، ایسا کچھ دنوں سے اس کے ساتھ ہو رہا تھا، اڑھائی آئی تو وہ ہاتھ روم کی جانب بھاگی، نے آتے ہی اس کے جسم کی ساری جان چڑھ گئی، بڑھال سی وہ کمرے میں داخل ہوئی، بیڈ پر بیٹھا زخرف اسے کھینچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”کیا ہو طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری۔“ وہ اس سے مخاطب تھا، مابینہ اس کے قریب ہی بیڈ پر دراز ہو گئی۔

”سر پکڑا رہا ہے، طبیعت میں بیماری پن ہو رہا ہے۔“ وہ ہند آنکھوں کے ساتھ بولی۔

”میں فریض ہو جاؤں پھر نہیں ڈاکٹر عایہ کے پاس لے چلا ہوں۔“ اس نے مابھی کی پچھائی پر ہاتھ رکھا جو سرد ہو رہی تھی، پھر وہ خود تنوں کو ماتھے کا کبہ کر ہاتھ روم میں گھس گیا، ماتھے کے بعد وہ اسے ڈاکٹر عایہ سے کلینک لے آیا جو مزمرہ پر واقع تھا، ڈاکٹر عایہ زخرف کے دوست ایس بی حیدر زب کی وائف تھیں، کچھ دیر بعد بہت خوشوار انداز میں زخرف کو مبارکباد دے ہوئے بتایا کہ ”مابینہ پر بلیکٹ ہے، بس اس

کا بی ٹی لو“ مابینہ جھینپی جھینپی سی بیٹھی تھی، جبکہ زخرف تو کھل اٹھا تھا، اپنی جلد خوشی کی خبر ملنے کی یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔

”رنگی میں بہت خوش ہوں۔“ واپسی کے سر میں وہ اس سے اپنی خوشی شیئر کر لگا۔

”تم خوش نہیں ہو مابھی۔“ اسے خاموش دیکھ کر اس نے پوچھا۔

”عجیب کچھ آگ رہا ہے، ہم دونوں کا تعلق بھرے پر ہے خاندان سے ہے، پر ہم دونوں اکیلے رہتے ہیں، اب اتنی بوی خوشی تھی، ہم اکیلے ہی بائیں گے۔“ وہ بد دل سے بولی، تو زخرف سے چونک کر اسے دیکھا تھا، پھر بنا کوئی تسلی دینے اسے گھر ڈراپ کیا اور اپنا خیال رکھنے کی تاکید کر کے آؤں چلا گیا، شوم صفائی میں مصروف تھی، مابینہ میڈیسن لے کر گیٹ کی، شام کو بنا اطلاع ٹیلیم کے ساتھ سویرا اور بادی آگئے وہ ان تینوں کو دیکھ کر کھل کھل کھنسی، مماس کا فیورٹ کک بیک کر کے لائی تھیں، آدھے کھنسنے کے اگلے سے تانیہ رہا، خوشیوار اور تھکنے لگے، وہ بھی ٹھٹھائی لے کر آئے تھے، اسے کھنسنے میں دیر نہیں لگی کہ ان سب کو زخرف نے اطلاع دی تھی، ٹیلیم ماسے ڈھیر دل اقباط کا مشورہ دے رہی تھیں، وہ تو چاہتی تھیں کہ مابینہ ان کے ساتھ چلی جائے، ماسان اسے بہت یاد کر رہی تھیں، مابینہ نے انہیں ال دیا، اس وعدے کے ساتھ کہ وہ بہت جلد آئے گی، زخرف گھر آیا تو سب کے درمیان ہنسی مکرانی مابھی کو دیکھ کر مطمئن ہو گیا، اس نے سب کو رات کے کھانے پر روک لیا تھا، مابینہ کوشش کے باوجود تانیہ سے پہلے جیسی لگاتار کا مضافہ کرنے سے قاصر تھی، تانیہ کو بھی اس کے روکے دینے سے چونکا ہوا تھا، مکیں اس نے یہ سوچ کر دل کو ہلایا کہ مابھی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، رات

اچھی کتابیں پڑھنے کی

عادت ڈالنے

ابن انشاء

طنزو و مزاح، سفر نامے

اردو کی آخری کتاب

آوارہ گرد کی ڈائری

دنیا گول ہے

ابن بطوطہ کے تقاب میں

چلتے ہو تو چلیں کو چلیے

قدرت اللہ شہاب

یا خدا

ماس جی

بابائے اردو مولوی عبدالحق

قواعد اردو

انتخاب کلام میر

ڈاکٹر سید عبد اللہ

مقامات اقبال

طیف غزل

طیف اقبال

طیف نثر

مکمل فہرست طلب کیجئے

لاہور اکیڈمی

۲۰۵ سرگرم روڈ لاہور

انداز کر کے اس نے چاول کی تہہ لگا کر بریانی کو دم پر رکھا اور سوچنے لگی کہ بیٹھے میں ٹرانسپل بنائے یا کچھ اور مگر ہاتھوں کی جلیں کچھ اور سوچنے نہیں دے رہی تھی، بلا ارادہ ہی وہ اسٹوپل پر بیٹھ کر روئے گی، پھٹکی کی پشت سرخ ہو رہی تھی۔

”کیا ہوا ایسے کیوں پٹھی ہو۔“ مخصوص پکار پر اس نے سر اٹھایا، مای کی گلابی آنکھیں اور بیچکا بیچکا چہرہ دیکھ کر وہ تڑپ ہی تو گیا، عادتاً وہ ڈبلیکٹ چابی سے لاک کھول کر گھر میں داخل ہوا تھا۔

”کیوں رو رہی ہو۔“ وہ اسی کے نزدیک چلا آیا۔

”تھک چل گیا ہے۔“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں بتایا۔

”کیسے جلا، کچھ لگایا۔“ بے قراری سے اس کا ہاتھ تھام کر وہ ایک ساتھ دو دروازے پر بیٹھا اور پھر اس سے جواب لئے بنا بچکی کی کینٹ سے ٹیوب نکال کر مرہم اس کے ہاتھ کی پشت پر پھیلانے لگا، آنسو اب بھی چلوں کی باڑھ توڑ کر پھیل رہے تھے۔

”ماہینہ کیسے جلا تاؤ۔“ اس نے پھر سے سوال دہرایا تو وہ اپنی کارروائی اس کے گوش گزار کرنے لگی۔

”اوہ گاڑ! جنہیں کس نے کہا تھا، بریانی بنانے کو، میں کچھ بھی کھا لیکن مگر یہ غیو نہ کھانا پڑتا، مجھ سے تمہاری یہ حالت دیکھی نہیں جا رہی، انٹو بیڈروم میں چلو، میں تمہارے لئے اسکوئش بنا کر لاتا ہوں۔“ وہ اپنی جھکن بھول کر اس کی دلداری کرنے لگا، اسکوئش کا جبکہ کردہ بیڈروم میں پہنچا تو وہ اپنے آنسو صاف کرنے میں مصروف تھی، دو آنسو وہ صاف کرتی تھی تو دو مزید رخساروں پر لڑھک آئے تھے۔

”ماہی جلن کم ہوئی کہ نہیں؟“ وہ تفکر سے پوچھنے لگا، ساتھ ہی اسکوئش گلاس میں نکال کر اسے تھمایا۔

”کلف تو کم ہو گئی ہے۔“ اس نے بتایا۔

”پھر کیوں رو رہی ہو پاگل لڑکی۔“

”میں نہیں خوش کرنا چاہتی تھی الٹا پریشان کر دیا۔“ وہ اٹھتی سے بولی۔

”مجھے خوش کرنے کے لئے تمہیں اس قدر تڑد کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ مٹی خیزی سے گویا ہوا، اس کے انداز پر مای کی جلیں جھک گئیں۔

”چلو اب یہ گلاس ختم کرو اور ہاں کل سے جنہیں بچن میں جانے کی ضرورت نہیں ہے، میں کچھ انتظام کر لوں گا، بلکہ میرا خیال ہے کہ میں شموں کو بلوا لیتا ہوں۔“ وہ پر سوق انداز میں بولا۔

”مجھ صنفی لاج میں کون کام دیکھے گا۔“

”ماہی نے بیٹھی پکیلیں اٹھا کر پوچھا۔

”شموں کی اماں بھی شغل شہر آ گئی ہے وہ صنفی لاج کے کام دیکھ لے گی۔“ پھر اس نے ڈیڈ سے جانے کیا کہا تھا فون پر کہ جج سویرے ہی ڈرائیور شموں کو پھوڑ گیا تھا، اس کے آنے سے مای کو فرتی پڑا تھا کہ وہ اس کے ساتھ باتیں کر کے وقت گزار لیتی تھی، ان ہی دنوں سلیم ماما نے سویرا کی شادی کی تاریخ طے ہونے کی خبر دی تھی، وہ اس سے فون پر باتیں کر رہی تھیں، اب

بائیر اسٹینڈ کے لئے بیرونی ملک جا رہا تھا، اس کے تیرس چاہتے تھے کہ وہ شادی کر دیا، پھر وہ بھی عادیان احمد اور سفیر احمد نے باہمی مشورے کے بعد دو مہینے بعد کی تاریخ دے دی تھی، سلیم اور سویرا کے بازاروں کے پھر لگا رہے تھے، مای کا دل بھی ہمکتا رہتا تھا، ابینہ ہاؤس جانے کے لئے سویرا اس سے باز پرس کر چکی تھی، بلکہ اس نے

کے کھانے کے بعد وہ سب ایک ساتھ رخصت ہوئے، ماہینہ کے سونے کے بعد زخرف نے شاہ زار کا تیل بھر ملایا تھا تاکہ اسے بھی یہ خوشخبری سنا سکے۔

”دیکھا اب چلا زندگی کتنی حسین ہو جاتی ہے اپنی محبت کو پانے کے بعد۔“ شاہ زار چپک رہا تھا۔

”وہ سب تو ٹھیک ہے پر دل کے کسی گوشے میں اب بھی یہ خوف کنڈلی مارے بیٹھا ہے، میں زندگی کے کسی سوڑ پر اسے ٹھونے دوں۔“ وسو سے اس کے لہجے میں بول رہے تھے۔

”ایسا کچھ نہیں ہو گا، انجوائے پور لائف، آئی کارو یہ کچھ بدلا، یا اب بھی صورتحال پکیلی سی ہے۔“ شاہ زار نے دریافت کیا۔

”جنہیں سب کچھ روز اول جیسا ہے، میں اپنی بچہ مام کے ساتھ کرتا ہوں، اتنے ماہ گزر جانے کے باوجود ایک مرتبہ بیٹی انہوں نے ماہینہ کا تیل پوچھا، نہ ہی یہ کہا کرتا اے لے کر اگ گھر میں کیوں رہ رہے ہو، جیسے سب ان کے حسب و عادت ہے، انہیں میرے اگ گھر میں رہنے کا کوئی دھم نہیں ہے، جبکہ یہ بے ہوشے روز و شب مجھے سکون سے جینے نہیں دیتے، بعض اوقات میں اٹھتا ہوں کہ شکار ہوئے لگتا ہوں۔“ اس نے کرب سے کہا شاہ زار تسلی دینے والے انداز میں بولا۔

”ٹیک اٹ اپری، سب ٹھیک ہو جائے گا، تم اپنا اور مای کا خیال رکھنا۔“ مزید کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد اس نے رابطہ قطع کر دیا، پھر وہ بھی سویرا پر آ لیتا ماہینہ کے پہلو میں جو گہری نیند سو رہی تھی۔

☆☆☆

”ماہینہ اپنا سامان پیک کر لو، میں تمہیں کل

امو جان کے پاس ڈراپ کر دوں گا۔“ وہ مصروف انداز میں بولا تو مای چونک پڑی۔

”اتنی جلدی ابھی تو سویرا کی شادی میں کافی دن رہتے ہیں، میں اتنے سارے دنوں کے لئے نہیں جانا چاہتی۔“ اس نے ہچکچاہٹ سے کہا۔

”میں کل لندن کے لئے فلائی کروں گا، تم اسکی جگہ لے لو، پھر تمہاری طبیعت بھی ٹھیک نہیں رہتی، بیٹے ماما دیا تمہارا اچھے سے خیال نہیں کی، مجھے تمہاری طرف سے بے فکری رہے گی تو کام ڈھنگ سے کر پاؤں گا۔“ اس نے نقلیت سے کہا تو وہ بے دلی سے اٹھ کر اپنا ضروری سامان سوٹ کیس میں رکھنے لگی۔

”ناراض ہو گئی ہو۔“ وہ اس کے نزدیک چلا آیا اور اس کا رخ اپنی جانب موڑا۔

”تم جانتے ہو کہ میں وہاں کیوں نہیں جانا چاہتی، پھر میری تم سے جتنے دہاں بھیجے پر بھند ہو۔“ وہ شام کی لہجے میں بولی۔

”مام کو تمہارے دہاں جانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا، انہیں تو اپنے اکلوتے بیٹے کے اگ گھر میں رہنے سے بھی کوئی غرض نہیں ہے۔“ اس نے سمجھانا چاہا۔

”زخرف میں گرہنی کے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہتی ہوں، ان سے ملنا جانتی ہوں، کتنا عرصہ ہو گیا ہے میں نے انہیں دیکھا تک نہیں ہے۔“ وہ دہاں کی ہوئی۔

”تم جب ابینہ ہاؤس جاؤ گی، تو دیکھنا وہ خود سے ملے آئیں گی، اگر نہ بھی آئیں تو سویرا کی شادی میں تو تم ان سے مل ہی لو گی۔“ وہ اسے بھلانے میں کامیاب ہو گیا تھا، سو اس نے ایک سکون بھرا سانس لیا، جو آج اسے ابینہ ہاؤس چھوڑ کر خود صنفی لاج چلا گیا، رات کی فلائیٹ سے اسے لندن کے لئے فلائی کرنا تھا، ابینہ ہاؤس میں

اسے سب دیکھ کر کھل اٹھے تھے مگر کہ درد و یار بھی لگتا تھا کہ مسکرا رہے ہوں، امو جان تو اسے اپنے پاس سے ہٹے نہیں دے رہیں تھیں، چوٹی دفعہ انہوں نے ایک ہی سوال دہرایا۔

”خرف! اتہارا خیال تو رکھتا ہے نہ شاہ ریز کے حوالے سے کچھ کہتا تو نہیں۔“

”امو جان وہ میرا بہت خیال رکھتا ہے، شاہ ریز کبھی کبھی ہمارے درمیان موضوع نہیں بنتا۔“ اس نے پھر سے ان کی کسلی کرائی، ایئر پورٹ جانے سے پہلے انہوں نے سب سے ملے آیا تھا۔

”نیلیم! ہم میں مامی کو آپ کی ذمہ داری پر چھوڑ کر جا رہا ہوں، اس کی ڈانٹ اور مہذبیت کا خیال رکھیے گا، مامی کو کبھی چھوڑ کر جا رہا ہوں وہی ہی آپ سے لوں گا۔“ اس کے شرارتی انداز پر سفیر احمد سرگراہے تھے جبکہ مامی بیٹھنے لگی۔

”ڈونٹ وری میں مامی کا پورا خیال رکھوں گی۔“ نیلیم نے رساں سے کہا سب سے مل کر وہ رخصت ہو گیا، نیلیم، مامی کو لے کر روزانہ ہی بازار جا رہی تھیں، کبھی چپورے کے پاس تو کبھی ٹیلے کے پاس، سویرا اسے بھی چلنے کے لئے کہتی تھی، مگر وہ بولتے سے انکار کر دیتی تھی، ایک ہی جیسی اس کا احاطہ کرتی تھی، خرف روزانہ اپنی مصروفیت کو نظر انداز کر کے اسے فون کرتا تھا، بہت ساری باتیں کرتا تھا، اس کی سنتا تھا، جب تک اس کا فون آتا جاتا تھا، وہ بلا لپٹی پھرتی تھی، سویرا اس کی حالت سے خط اٹھائی تھی اور پر ملا کہتی تھی، کہ تمہیں بھی خرف سے محبت ہو گئی ہے، مگر وہ ہنسا بٹھکے نظر چراہیں تھی، خرف نے کہا تھا کہ وہ سویرا کی شادی تک لوٹ آئے گا، مامی کے انتظار کے باوجود اب تک گرینی نہیں آئی۔

آج سویرا کی مایوں اور مہندی کی مشترکہ رسم تھی، سویرا کو مہندہ لگانے پارے سے دوڑ کیا ان کی تھیں اور وہ مہندی لگا کر کچھ دیر پہلے ہی واپس گئی تھیں سویرا سستانے کے لئے لیٹ گئی۔

”گرینی تک اب آپ کی؟“ سویرا کی رسم کے لئے لائے گئے ہار اور ہجرے ٹوٹری میں ترتیب سے رکھتے ہوئے اس نے رہا سے پوچھا۔

”کچھ نہیں کہہ سکتی، گرینی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“ رہا نے افسردگی سے بتایا تو وہ دل مٹوس کر رہ گئی۔

”مامی! میرے کمرے میں آ جاؤ، خرف کی کال آئی ہے لینڈ لائن پر۔“ عادل نے اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑے اسے پکارا۔

”نہیں، مامی! یہ اختیار سرعت سے اٹھ کھڑی ہوئی، شاید وہ دوڑ پڑی کر امو جان اس کا ارادہ ممانہ بن گئی تھیں، سخت پر بیٹھے بیٹھے تنہی انداز میں بولیں۔

”مامی! آرام سے جاؤ، دوڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ بری طرح جینپٹ گئی، خوشبو اور رہا اسے دیکھ کر مسکرائے گی تھیں، جو بچی وہ عادل چاچو کے روم میں داخل ہوئی، عادل چاچو غیر محسوس طریقے سے کمرے سے باہر نکل گئے تھے، اس نے رطیمان سے صوفے پر بیٹھ کر ٹیلیفون کا ریسیور اٹھالیا۔

”یار بچ تم مجھے بہت یاد آ رہی ہو۔“ اس کے سلام کے جواب کے بعد وہ اپنی بے تابیوں کا ذکر کرنے لگا۔

”خرف وہاں تو اس وقت رات آگئی ہے زیادہ بہت چلی ہوگی، تم اب تک سوئے نہیں۔“

”کیسے سوؤں، بتا تو رہا ہوں، تم بہت یاد رہی ہو میں نے سوچا کہ پاکستان میں تو اس وقت دن ہو گا چلو تم سے باتیں ہی کروں، شاید کہ

افادہ ہو جائے، تم کیا کر رہی تھیں۔“ اس نے پوچھا۔

”آج سویرا کی مایوں اور مہندی کی رسم ہے، بس اسی کی تیاری کر رہی تھی، ویسے تم کب واپس آ رہے ہو۔“

”بس! اللہ سویرا کی شادی والے دن آ جاؤں گا، ایک میں ہی پاگل ہوں یا تمہیں بھی میری کی محسوس ہو رہی ہے۔“ وہ پھر سے موضوع پر آیا، مامی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا جواب پھر بھجک کر بولی۔

”خرف! بے چینی ہی ہے، ایسا لگتا ہے کہ میں جیسے اپنی کوئی اہم چیز نہیں رکھ کر بھول گئی ہوں، کسی بات میں دل نہیں لگتا۔“ وہ بے بسی سے بولی تو دوسری جانب خرف نے تھپتھپا لگا لگا۔

”اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ میں کبھی محبت ہو گئی ہے۔“ وہ شرارتی سے بولا۔

”چپا نہیں لیکن سویرا بھی یہی کہہ رہی تھی۔“ اس کی مصیبت پر خرف کا دل چاہا کہ اڑ کر اس کے پاس پہنچ جائے۔

”ابھی کس سے بات کر رہی ہو۔“ نیلیم مامی نے کمرے میں جھانکا۔

”مامی! وہ خرف کا فون ہے۔“ اس نے بتایا تو وہ اندر آ گیا۔

”لاؤ دو مجھے اس سے بات کرنی ہے۔“ مامی نے ریسیور اس کے ہاتھ سے لے لیا، سلام دعا کے بعد وہ مطلب کی بات پر آ گیا۔

”بھئی خرف تمہاری بیگم نے مجھے پریشان کر رکھا ہے، ڈھنگ سے کچھ کھاتی چلتی نہیں ہے۔“ وہ اشارے کرتی رہ گئی مگر ممانے تو جوب نہیں آئی، مامی کی شکایت کے جواب میں خرف نے ایک ایسے طویل پیچھے سے نواز، خرف کی آواز ملنے کے بعد آج اس کا دل ہلکا ہلکا ہو گیا تھا۔

اس وقت اسے شدید مایوسی کا سامنا کرنا پڑا جب ڈیڑے سے اسے بتایا کہ ”گرینی کے جوڑوں میں شدید درد ہے، وہ بستر سے اٹھ نہیں پا رہیں اس لئے وہ آج انہیں بائیں کی ان کی دیکھ بھال کے لئے سمیرا انیکہ بھی گھر پر رک گئی تھی، اس کا دل برا ہوا تھا، آج بھی وہ گرینی سے مل نہیں پائے گی، خرف اس سے سفید لالچ جانے کی ہرگز اجازت نہیں دے گا، سویرا کی رسم کے دوران اس کا اس کا ذہن غیر حاضر رہا، آج ثانیہ بیٹھائی بن کر آئی تھی، ہندو ابراہیم اسے بھائی معاذ ابراہیم اور کزنز کے جلو میں ہنسا مسکراتا اس بچ پر آیا تھا، سویرا کے پہلو میں بیٹھتے ہی اس کی خوشیاں عروج پہنچ گئی تھیں، اب ساری نزدیکی سراسری خونی تھنڈ کو مہندی لگا رہی تھیں۔

”تم کیا بیٹھے بیٹھے لندن پہنچ گئی ہو۔“ شاہ زرنے اس کے کان میں سرگوشی کی تو وہ بیٹھنے لگی، شاہ زرنہ روز روز پہلے ہی واپس لوٹا تھا، رات گئے تقریب اختتام پذیر ہوئی، رہا اور عدنان ایسہ باؤس میں ہی رک گئے تھے البتہ اظہار چاچو اور ڈیڑے کے ساتھ خوشبو اور شاہ زرنہ سفید لالچ چلے گئے تھے، گرینی کی طبیعت کی وجہ سے سب ہی متشکر تھے، رات دوپہر سے سونے کے باوجود صبر سے اس کی آنکھ کھلی تھی، امو جان اور ماما کے علاوہ سب ہی سوئے ہوئے تھے، وہ دونوں اسے دیکھ کر مسکرا دی تھیں۔

”ناشتہ بنواؤں تمہارے لئے۔“ نیلیم مامی نے پیار سے اس کے بال سنوارے۔

”بھئی ماما! بھئی دل نہیں چاہ رہا، میں ذرا لان میں داک کروں گی۔“ وہ گئے گی تھی کہ امو جان نے اسے اشارے سے اپنے قریب بلایا، ان کے ہاتھ میں بیٹھ گئی جس پر وہ کچھ درد کر رہی تھیں، مامی نزدیک آئی تو انہوں نے اس کے

روشن چہرے پر پھونک مادی اور اسے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ آہستہ قدموں سے چلتے ہوئے لان میں آگئی۔ شاخوں پر پھول مسکرا رہے تھے، پھولوں پر شبنم کے قطرے چمک رہے تھے، صوب اپنی پوری طرح بھینکی نہیں تھی، موسم خوشگوار تھا، نرم ہوا سب رفتار سے چل رہی تھی، وہ جھپٹتے ہوئے زخف کے بارے میں سوچنے لگی، اس کی آمد کل متوقع تھا، گھاس پر گنگے پیر چلتے چلتے جب وہ رکی تو چوکن پڑی نظروں کے سامنے درمیانی دروازہ جس کے دوسری جانب صغیلہ لاج تھا، بے ارادہ اس نے دروازے پر دباؤ ڈالا تو وہ کھلتا چلا گیا۔

”اگر میں گئی۔“ بے اختیار اس کے قدم ہٹا بیٹھے۔ ”مگر میں چلے گا۔“ آگے بڑھتے چلے گئے، لاؤنج سونا تھا، پتھن سے بھی کسی قسم کی کوئی آواز نہیں آرہی تھی، کتنے عرصے کے بعد اس گھر میں قدم رکھے تھے، اس کی آنکھوں میں نمی آگئی تھی، وہ پلپلپ بھینکتی ہوئی گرہنی کے کمرے کی جانب بڑھی، بند دروازہ دھکیل کر وہ کمرے کے اندر داخل ہوئی، کھڑکیوں کے پردے سٹے ہوئے تھے، وسیع و عریض بیڈ پر گرہنی ایک سائیز پر تیشی عبادت کر رہی تھیں، اسے سامنے مغرب خیز طور پر مایہ نود کچھ کران کی بوڑھی آنکھوں جھلک گئی، انہوں نے شروع پورا کر کے قرآن کو چوم کر سائیز ٹیکل پر رکھا تو وہ ان سے جا کر لپٹ گئی۔

”ماہی میرے زخف کی دہن آنکھیں ترس گئی تھیں تمہیں دیکھنے کے لئے۔“ وہ ہمارے بولتی چلی گئی۔

”گرہنی میں بھی..... آپ سے ملنے کے لئے ہے جین تھی، وہ زخف نے.....“ وہ زبان دانتوں تلے دبا گئی۔

”ہاں میری بچی، میں جانتی ہوں زخف نے تمہیں یہاں آنے سے منع کیا تھا، پھر آج تم کیسے آگئیں۔“ وہ چوکنک پر پھینکی۔

”وہ میں لان میں ٹھہر رہی تھی تو سوچا کہ اس وقت سب سوئے ہوئے، کی کوئی بات بھی نہیں چلے گا، میں آپ سے مل کر واپس چلی جاؤں گی۔“ اس نے بچک کر بتایا تو گرہنی اس کی بات سن کر بدحواس ہوئیں،

”زخف کو بتاتا ہے آئی ہو؟“

”جی گئی۔“ اس نے مجرموں کی طرح سر جھکا لیا۔

”چھا شاپاش اب تم جاؤ اس سے پہلے کہ سمیرا آجائے۔“ وہ غلٹ میں بولیں۔

”گرہنی وہ تو سوری ہوئی گی۔“ اس نے خود کو تسلی دی۔

”یہ تمہاری غلطی ہے، میرا علی الصبح جاگئے کی عادی ہے اور وہ رات کو میرے کمرے میں ہی سوئی تھی، اس سے پہلے وہ اس طرف آئے تم چل جاؤ۔“ گرہنی نے کہا تو وہ بڑھہ انداز میں ان کے کمرے سے نکل آئی، لاؤنج سے نکل رہی تھی جب سمیرا کی آواز نے اس کے قدموں کو زنجیر کیا تھا۔

”تم یہاں کیا کر رہی ہو؟“ مایہ نوا اپنے گھر میں دیکھ کر نہیں اچھٹا ہوا تھا۔

”وہ..... میں..... میں گرہنی کی طبیعت پوچھنے آئی تھی۔“ وہ بے چارگی سے بولی، سمیرا کو اپنے مقابل دیکھ کر خوف کی ایک پردی لہر اسے اپنے رگ و پے دوڑتی محسوس ہوئی تھی۔

”زخف اگر اسے یہاں آنے سے منع کرنا تھا تو کوئی وجہ رہی ہوگی وہ اپنی ماں کی طبیعت سے واقف تھا۔“

”زخف کے بعد اب اماں جان پر ڈور سنا

ڈال رہی ہو، میرا بیٹا مجھ سے چھین کر تمہارا دل نہیں بھرا، ایک ایک کر کے سب کچھ مجھ سے چھین لیتا چاہتی ہو۔“ ان کا لہجہ ابرسار ہوا تھا۔

”آئی میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔“ اس نے صفائی پیش کی۔

”ہاں تم تو بہت معصوم ہو، جیسی تم معصوم ہو، ویسا ہی تمہارا بھائی معصوم ہے، دونوں بہن بھائی نے مل کر میری خوشیوں کو آگ لگا دی ہے۔“ ان کا کڑی ہے چون کر اس کا خون کھول اٹھا، باقی شاہ ریز پر الزام لگا رہی ہیں جسے ان کی اپنی اولاد تو دودھ سے دھلی ہوئی ہے۔

”مئی شاہ ریز کو کوئی بھی الزام.....“

”کچھ اس بند کو مجھے کبھی نہیں سنا، دفع ہو جاؤ اپنی بھولی صورت سے کہ یہاں سے، تم اس صورت سے زخف کو بیوقوف بنا سکتی ہو، مجھے نہیں، نکل جا میرے گھر سے۔“ اس قدر تشویش پر اس کی آنکھیں ڈبڈبائیں۔

کہاں غلطی وہ کب اس نے زخف پر ڈور سے ڈالے، وہ تو زخف ہی تھا جس نے گمن پوائنٹ پر اس سے نکاح کیا تھا، پھر بھی اس نے اور اس کے گھر والوں نے سب کچھ بھلا کر زخف کی جانب سے اپنا دل صاف کر لیا تھا، یہ سوچ کر کہ وہ گھر کا ہی بیٹا ہے، ایک آنی ہیں جو ایک شاہ ریز کے انکار کو دل سے لگا کر تیشی ہیں، جبکہ تائید اپنے گھر میں خوش و خرم زندگی گزار رہی ہے، وہ دوڑتے ہوئے باہر نکل آئی، آنسوؤں کی چادر نے منظر دھندلا دیا تھا، دروازہ دھکیل کر اس نے قدم آگے بڑھا دیے۔

”آئندہ کبھی وہ اس دلیہ کو پار نہیں کرے گی۔“ اس نے سوچا اور آگے بڑھی اسٹیپ اترتے ہوئے اس کا پیڑ مڑا اور وہ پیٹ کے بل گرہنی چلی گئی، اس کی لہر دو تین جن کر جہانگیر احمد

نے اپنے کمرے کی کڑی سے ہمالہ، ہلنے فرش پر اسے ترپے دیکھ کر ان کے ہاتھ پر پھول گئے، شاہ زرجس کا کمرہ لاؤنج کے سرے پر تھا، وہ بھی آئی کی آواز سن کر کمرے سے نکلا تھا، اس نے مایہ نود کو دروازہ پر باہر کی جانب جاتے دیکھا تھا، اس سے پہلے کہ وہ آئی سے کچھ پوچھتا، مایہ کی چیخ سن کر اس نے باہر کی جانب دوڑ لگا دی، آئی بھی اس کے پیچھے تھیں، مایہ نے فرش پر ٹرپ رہی تھی اس کے دونوں ہاتھ پیٹ پر تھے، اس کی رنگت سفید ہو رہی تھی، اس کے لبوں سے دہلی دہلی جھپٹیں نکل رہی تھیں، شاہ زرنے ڈرائیور سے گاڑی نکالنے کا کہا اور خود مایہ کو بازوؤں پر اٹھالیا، جہانگیر احمد اور سمیرا بھی باہر آچکے تھے، ڈرائیور گاڑی باہر لایا تھا، قادیاب گاڑی سے اتر کر پچھلا دروازہ کھول رہا تھا، اس کے کھولے گئے دروازے سے شاہ زرنے مایہ کو احتیاط سے پھینکی سیٹ پر لٹایا اور خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی، جہانگیر احمد اس کے برابر جگہ سنبھال چکے تھے، بے اختیار سمیرا بھی پچھلی سیٹ پر مایہ کا سر اپنی گود میں رکھ کر بیٹھ گئیں، شاہ زرنے اپنی گاڑی بھگا رہا تھا، اس کے چہرے پر مگر ہی تنہدگی کی چھاپ تھی، مایہ نے آنکھیں بند کیے لوں کو کھینچے ہوئے اپنی جینیں چروکنے کی کوشش میں بلکان ہو رہی تھی، اس کا پورا وجود جھپٹنے سے تر تھا، میں منہ میں وہ لوگ ہسپتال پہنچ چکے تھے۔

☆☆☆

شونے نے ”ناشتہ لگ چکا“ کی اطلاع دی تو نیلم اسے بلانے کے لئے لان میں چلی آئیں۔

”کہاں چلی گئی ہو لڑکی۔“ وہ بڑبڑاتی ہوئی آگے بڑھیں، نظر جوں ہی درمیانی دروازے پر پڑی وہ چوکن پڑیں، دروازہ چوہٹ کھلا ہوا تھا۔

”زخف کے منع کرنے کے باوجود بے باز

نہیں آئی۔ وہ دروازہ عبور کر کے صفیہ لاج کے گارڈن میں داخل ہو گئیں، گارڈن عبور کر کے وہ جوئی لاج میں پہنچیں شوکی زبانی انہیں جو خبر سننے کو ملی اس نے ان کے پیروں تلے سے زمین نکال لی، لڑکھاتے قدموں سے چلتے ہوئے وہ اپنے کمرے میں پہنچیں اور سفیر احمد کو صورتحال سے باخبر کیا، سفیر احمد کے ہمراہ جب وہ ہسپتال پہنچیں تو جہانگیر احمد کو ہسپتال کے کوریدر میں بے قراری سے ہلکتا پایا۔

”جہانگیر بھائی! میری بچی ٹھیک تو ہے۔“

نیلم ان کی جانب لپکتی۔

”دعا سمجیے، ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ اس کا مس کیرج ہو گیا ہے۔“ وہ ہلول سے بچے میں بولے

سفیر احمد نے ہونٹ سمیٹنے لائے جبکہ نیلم لگتی سے بولیں۔

”اوہ خدا میں زخرف کو کیا جواب دوں گی، وہ مافی کو میری ذمہ داری پر چھوڑ کر گیا تھا۔“ انہیں

زخرف کے الفاظ یاد آدے جو وہ جانتے وقت کہہ گیا تھا۔

”ماہی کی کنڈیشن سیریس ہے ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ اسے خون کی ضرورت ہے، شاہ زار

اسی سلسلے میں گیا ہوا ہے۔“ جہانگیر احمد نے مزید بتایا، نیلم راہداری کی دیوار سے لگی کریسیوں کی

جانب پوچھیں، پیروں میں سے جان تلخی محسوس ہوتی تھی، انہیں محسوس ہوا کہ اگر وہ کچھ دیر مزید کھڑی رہیں تو گر جائیں گی، کرسی پر بیٹھنے کے

بعد انہیں احساس ہوا کہ وہ یہاں تنہا نہیں ہیں دائیں جانب دو کرسیاں چھوڑ کر تیسری کرسی پر

سیرا سر جھکا کر بیٹھی تھیں، ہاتھوں کو انظرانی انداز میں مسلتے ہوئے وہ کچھ سوچ رہی تھیں، انہیں بس اتنا پتا تھا کہ ماہینہ نیلم گئی تھی، لیکن انہیں یقین تھا کہ ماہینہ کے ساتھ ہونے والے حادثے

میں سیرا کا کوئی نہ کوئی کردار ضرور ہے، وہ دل ہی دل میں درود شریف کا ورد کرتے لگیں، ان کی

اکلون بنی اس وقت شدید اذیت سے گزر رہی تھی، اس احساس سے ہی ان کی آنکھیں پھینکتے

”دشملہ قلمی رکھو، وہ ٹھیک ہو جائے گی۔“

شناسا آواز پر نیلم نے نظریں اٹھائیں، آنکھوں کے سامنے سیرا تھیں، نیلم نے بنا کچھ کے نظریں

دوبارہ جھکا دیں، کوئی سوال بھی نہیں کیا کہ ماہینہ کے ساتھ یہ حادثہ کیسے ہوا؟ ان کی خاموشی محسوس

کر کے سیرا ان کے برابر ہی بیٹھ گئیں، جہانگیر احمد اور سفیر احمد اس راہداری سے باہر چاکے تھے،

دوپہر کے وقت ڈاکٹر نے قلمی کرائی اب ماہینہ کی حالت خطرے سے باہر ہے، شام تک اسے

کمرے میں منتقل کر دیا گیا، کچھ دیر بعد سیرا نے کھروٹن کر کے ڈاکٹر کو گاڑی سمیت بلایا اور

خود واپس چلی گئیں مافی سنگن ادویات کے زیر اثر تھی، عدن کچھ دیر پہلے چائے اور کھانا دے کر گیا

تھا، اس وقت وہ لوگ چائے پی رہے تھے، کھانے کو کسی نے چھوا نہیں تھا، صبح سے کسی

کے مطلق سے پانی کا قطرہ تک اتر نہیں تھا۔

”جہانگیر بھائی! آپ نے زخرف کو اطلاع دی۔“ سفیر احمد نے خیال آنے پر پوچھا تو جہانگیر

احمد نے قلمی میں سر ہلایا۔

”وہ بہت پریشان ہو جاؤ گا، بولیں بھی رات میں باہر کل تک اس کی واپسی متوقع ہے، بس

یہی سوچ کر میں نے اطلاع نہیں دی۔“ جہانگیر احمد نے تفصیل سے بتایا پھر کہنے لگے۔

”تم لوگ اب کھر جاؤ، کل سویا کی شادی ہے، گھر ماماؤں سے مہرا ہوا ہے، عادل بھی

دوپہر سے ادھر ہی ہے میرا خیال ہے تم لوگوں کو

اب جانا چاہیے، میں اور شاہ زار ہیں ماہینہ کے

پاس، میں گھر سے خوشبو کو بھی بلا لیتا ہوں۔“

انہوں نے سفیر احمد سے کھر جانے کے لئے اصرار کیا تو عادل احمد بول پڑے۔

”میرا خیال ہے، ماہینہ کو نیلم بھابی کی ضرورت ہے، انہیں ماہینہ کے پاس بٹھانا چاہیے،

شادی کل ہے، کل کی کل دیکھی جائے گی، آپ اور شاہ زار بھی تھک چکے ہیں، آپ دونوں بھی کھر

جا کر آرام لیجئے، البتہ عدن کو بھیج دیجئے گا کیونکہ میں اور بھائی صاحب بھی کچھ دیر میں کھر چلے

جائیں گے، ورنہ امو جان پریشان ہوتی رہیں گی۔“ عادل احمد نے کہا تو نیلم نے سکون کا

ماس لیا، وہ ماہینہ کو اس حالت میں چھوڑ کر جانا نہیں چاہتی تھیں، ایک گھنٹہ کے بعد وہ سب چلے

گئے تو نیلم کمرے میں رکھے دوسرے بیڈ پر نیم راز ہو گئیں، ماہینہ پر سکون نیند سوری تھی، ایک

ہی دن میں اس کا رنگ روپ کمالا گیا تھا، نیلم کی آنکھیں پھر سے پھینکتے لگیں، ان کی بیٹی کے

نہروں تلے جنت آتے آتے رہ گئی تھی، رات کو جب وہ جاگی اور اسے اپنے نقصان کا پتا چلا تو وہ

دارو و قطار روٹی، نیلم کے لئے اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا، عدن سے بھی اس کی حالت دیکھی نہ گئی تو

وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

”کیوں ماما میرے ساتھ ہی کیوں؟ آخر تک بک میں تنہائی کا عذاب بھگتوں گی۔“ وہ

ہلک ہلک کر رو رہی تھی، نیلم نے اس کی پیشانی پر مٹی۔

”میری بیٹی سب ٹھیک ہو جائے گا، تم اپنا دل بڑا کرو۔“ ان کے پاس کہنے کے لئے کچھ اور

کلمی نہیں، بہت مشکل سے انہوں نے اسے کہا کہ اگر دودھ کا گلاسا ملا یا تھا، وہ تو دواؤں

کے زیر اثر پھر سے سو گئی تھی، مگر نیلم کو بہت مشکل کچھ دیر کے لئے ہی نیند آنی تھی۔

☆☆☆

آج سویا کی شادی تھی، نیلم ماکہ میں موجودی بہت ضروری تھی، اسی سوچ کے پیش نظر

شاہ زار اور خوشبو ناشتہ کے ساتھ کھر سے نکل رہے تھے کہ اسی وقت زخرف میں گیٹ سے اندر داخل

ہوا، گاڑی میں ناشتے کا سامان رکھی خوشبو رک گئی، زخرف نے کھر سے گاڑی منکوانے کے

بجائے ایئر پورٹ سے عسکی ہانڑی تھی۔

خوشبو اور شاہ زار کو باہر جاتے دیکھ کر وہ چونکا خوشبو کے ہاتھ میں تھا ناشتہ بھی اس کی نظر میں

چکا تھا۔

”کہاں جا رہے ہو تم دونوں۔“ زخرف نے پوچھا، شاہ زار اسے سامنے دیکھ کر کھٹک گیا کہ

اسے کیا بتانا ہے، لمبے سفر سے لوٹا ہے۔

”تم فریٹیں ہو، بھوکا ناشتہ کر لو بیک میں واپس آ جاؤں گا پھر تمہیں بتاتا ہوں۔“ اس نے

تذہذب سے بتایا۔

”ابھی بتانے میں کیا حرج ہے، خیریت تو ہے شاہ زار میں بہت پریشان ہوں، سفر کے

دوران بھی بے قراری سی رہی ہے، جیسے کچھ ہوئے والا ہے۔“ اس کے دیکھہ چہرے پر

خجیدہ تھی۔

”ابیرا کو تم میرے ساتھ ہی چلو، خود ہی دیکھ لینا۔“ شاہ زار نے گاڑی کا اگا ر دروازہ کھول کر بیٹھنے لگا۔

”تمہارا سامان کہاں ہے؟“ شاہ زار نے پوچھا۔

”دینو بابا لے آئیں گے اندر۔“ اس نے

چکا تھا، خوشبو جانا نہیں چاہتی تھی، لیکن زخرف نے اسے مجبور کیا تھا کہ سویرا بہت تنہائی محسوس کرے گی۔

”ماہی اب تم آرام کرو، میں تمہارے پاس ہی بیٹھا ہوں۔“ اس نے ماہی کا زرد چہرہ نظروں سے چوماتھا۔

”زخرف تم ناراض تو نہیں ہوناں۔“ وہ بیٹہ پر دراز ہو کر پوچھنے لگی۔

”ہمیں میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوں، تم سے ناراض ہو ہی نہیں سکتا۔“ اس نے اپنی کار خسار چھپتھپایا۔

”بس میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا۔“ آخری
قرعہ اس نے دل میں کہا تھا، دوپہر میں سویرا پارلر
مانے کے لئے گھر سے نکلی تھی، عدن سے ضد
کر کے وہ مانی سے ملنے کے لئے ہسپتال آگئی،

ہائی کی حالت دیکھ کر وہ رو پڑی مگر بھل
 زخف نے اسے سمجھا بھکارا واپس بھیجا تھا، چار
 ان بعد اسے ڈسچارج کر دیا گیا، زخف اسے
 ہسپتال لے آیا، ہسپتال میں اس سے ملنے کے
 لئے سب ہی آتے رہے تھے، سمیرا آنی ہی تھیں
 دوبارہ نہیں آئی تھیں، زخف ان سے ملنے صبیہ

اج کیا تھا بین اس نے ان سے کوئی باز پرس
نہیں کی، شیشو کے علاوہ اس نے ایک اور جڑ دینی
کا مدعا نہ کر دیا تھا۔ مگر اور فہرہ دینی سون
ہائے نادورن ایریا چاہیے تھے، کچھ ہی دن بعد
اس کا رزلٹ بھی آ گیا، اس کی سیکنڈ پوزیشن آئی
تھی، سب نے ہی اسے فخر مبارک یاد کی گئی،
مگر زخف اسے زفر کے باجرے کے کر آیا تھا،
یہ خوراک اور آرام کی باعث اب اس کی
تجلی ہو گئی تھی، زخف کے من پسند رائل
اسٹائلش سوٹ میں وہ بہت دلکش دکھائی دے
رہی، دایبھی میں وہ آجستہ روی سے ڈرائیور کے

اندازہ لگانا مشکل تھا، پھر جب ماہی نے اس کے
سننے سے سر نکا کر روتے ہوئے کہا کہ۔

”مجھے لگ رہا تھا کہ اب میں مرنے والی ہوں۔“ تب زخرف کو لگا کہ جیسے کسی نے اس کے دل کو ٹوٹی میں لے کر مٹ ڈالا ہو، اس وقت ہی اس نے دل میں ایک فیصلہ کر لیا، بہت مشکل

”تم میرے منع کرنے کے باوجود وہاں
کیوں گئی تھیں۔“ وہ اس کے آنسو صاف کرتے
ہوئے باز پرس کرنے لگا۔

”میں تو بس گرینی سے ملنے گئی تھی، وہ اپنی طبیعت کی خرابی کی وجہ سے سویرا کی مایوں میں بھی نہیں آتی تھیں۔“ اسے ڈر تھا کہ زخرف ناراض ہو جائے گا۔

”مام نے کیا کہا؟“ وہ پوچھنے لگا۔
”تمہیں کس نے بتایا کہ انہوں نے مجھ سے کچھ کہا ہے۔“ اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔
”مابین میری بات کا جواب دو۔“ اس کا لہجہ تلخ تھا۔

”آئی ناراض تمہیں کرتی ہے مجھ سے میرا
جھین لیا ہے، مجھے ان کی بات پر رونا آنے لگا
میں باہر نکلی تو آنسوؤں کی وجہ سے مجھے سبز ہیار
نظر نہیں آئیں اور میرا اتنا نقصان ہو گیا کہ وہ
سے رونے لگی تو زخرف نے اس کے گرد بازوؤں
کا گھیر ڈال دیا، اسے بتا بھی نہیں چلا کہ اس کی
انجی آنکھوں کی سطح پر ٹھہر گئی، دونوں لبوں
آپس میں پیوست گئے وہ مابقی کی تکلیف کو ان
ذات پر محسوس کر رہا تھا اس طرح ابھی جا دکھا
زات نے بیان کیا ہے کہ اچھا کہ وہ مابینہ کو
خوش رکھے، پر آج اس کی مام کی وجہ سے وہ
کی آنکھوں میں آنسو آئے تھے، وہ اپنا قیمتی
گناہ بھی نہیں، شاہ زہر، نلیم مراد اور خشیو کو لے کر

”شاہ زریلیز بتاؤ ہم کہاں جا رہے ہیں مجھ سے صبر نہیں ہو رہا۔“ وہ مضطرب دکھائی دے رہا تھا، گاڑی صفیہ لاج کے گیٹ سے نکل کر مین روڈ پر رواں تھی۔

”کلج مابینہ صفیہ لاج آئی سی کر رہی سے
ملنے کے لئے، جب وہ واپس جا رہی تھی تو.....“
شاہ زرنے توقف کیا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا
کہ بات کو کس طرح آگے بڑھائے۔

”میرے منع کرنے کے باوجود وہ صنیہ لاج میں آئی تھی، شاہ زردہ تکلیف میں ہے، ایسا ہی ہے، نہ بتاؤ کیا ہوا ہے۔“ اس کی چھٹی حس کوئی اشارہ کر رہی تھی جسے وہ سمجھنا نہیں چاہ رہا تھا، شاہ زرنے وڈ اسکرین سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا، اس کے چہرے سے اس کی اندرونی کشمکش کا اندازہ ہو رہا تھا۔

”اس کا مس کیرج ہو گیا ہے، وہ ہاسپٹل میں ہے، صفحہ لایج سے جاتے ہوئے وہ یہ جیوں سے گر گئی تھی۔“ شاہ ذر نے دل مضبوط کر کے اسے بتایا۔

”اوہ گاؤ! مجھے اسے تنہا چھوڑ کر جانا ہی نہیں چاہیے تھا۔“ کچھ لمحوں کے لئے اسے لگا کر اس کی سانسیں ختم گئی ہیں۔

”کس طرح گر گئی وہ میڈیٹھیوں سے، وہ بھی تو نہیں ہے۔“ اب وہ شاہ زور سے باز پرس کر رہا تھا۔

”آئی ڈونٹ نو، بس میں نے تو آنی کی
آواز سنی تھی، جب میں اپنے کمرے سے نکلا وہ
دور کر لیا اور مج سے باہر نکل رہی تھی، چند لمحوں کے
بعد اس کی چیخ سنائی دی بس اور آئی باہر نکلے
دیکھا کہ وہ بیڑیوں سے گر چکی ہے۔“ شاہ زور
نے گاڑی ہاسپتال کے کیمپاؤنڈ میں روکی اور اسے
دیکھا، جس کے چہرے کی خیرگی دکھ کر کچھ بھی

کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آئی تو دیکھا کہ شنو تمام لائش آف کر کے سوئے کے لئے جا چکی تھی۔

وہ بھی آہستہ روی سے چلتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی تو دیکھا کہ زخرف آنکھوں پر بازو رکھے بیڈ پر دراز تھا، سینے پر ایک کتاب کھلی پڑی تھی، شاید وہ پڑھتے پڑھتے سو گیا تھا، مانی کو ایکدم ہی مالال نہ آگیا، اس نے لائش آف کر کے ٹائٹ بلب جلايا، پھر بیڈ کے قریب آ کر زخرف کے سینے پر دھری کتاب اٹھائی اور بلیف پر رکھنے کے لئے آگے بڑھی، ابھی اس نے ایک قدم ہی بڑھایا تھا کہ اس کے آچل کے کونے کو چمکا لگا، اس نے مڑ کر دیکھا، ٹائٹ بلب کی نیکیوں روشنی میں زخرف اب بھی آنکھوں پر بازو رکھے لیٹا دکھائی دیا، البتہ اس کے دوسرے ہاتھ میں مانی کے دوپٹے بیلو دیا ہوا تھا، مانی نے ہاتھ میں تھامی کتاب کو نوزد کی ٹیبل پر رکھ دیا اور اسے مخاطب کیا۔

”زخرف! تم جاگ رہے ہو، لیکن جواب نداد رہے اس نے نزدیک جا کر اس کے ہاتھ سے دوپٹا چھڑانا چاہا لیکن وہ چوکنا تھا، جوں ہی مانی نے اپنا ہاتھ آگے کیا، اس نے اپنی آنکھوں پر رکھا بازو اٹھایا اور مانی کا ہاتھ پکڑ کر ایک جھکے سے وہ اسے بیڈ پر اپنے برابر کر چکا تھا۔

”کیوں کر رہی ہو، تم اس طرح صبح سے تہیاری چپ کی مار سیتے سیتے تھک گیا ہوں۔“

”زخرف! تم اچھا نہیں کر رہے۔“ اس نے احتجاج کیا۔

”کلیے سمجھاؤ تمہیں اگر مجھے ایسا لگے گا کہ تمہیں چھوئے والی ہوا، تمہیں نقصان پہنچا سکتی ہے تو میں اس ہوا کو بھی تمہارے نزدیک نہیں آنے دوں گا، خود پر پھیل لوں گا۔“ وہ اس کے

چہرے پر چمکا کہہ رہا تھا پہلی دفعہ مانی اس کی شرطوں پر خنجرہ ہوئی گی۔

”زخرف یہ ٹھیک نہیں ہے، میں دنیا کی انوکھی عورت نہیں ہوں۔“ زخرف جواب میں کچھ کہ نہیں پایا کیونکہ اس کا تیل فون بج رہا تھا، وہ بیڈ کی دوسری سائیڈ سے پیچھے اتر ا اور سائیڈ ٹیبل سے تیل فون اٹھا کر لیں کا بٹن پیش کرتے ہوئے تیل فون کان سے لگا لیا۔

”ہیں۔“ وہ دوسری جانب کی آواز سننے لگا، اس کے چہرے پر تفکر کی لکیریں بڑھتی جا رہی تھیں، مانی بھی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”میں کچھ دیر میں بیٹھتا ہوں۔“ اس نے فون بند کر دیا۔

”کیا ہوا زخرف خیریت تو ہے، کس کا فون تھا؟“ اس کے لہجے میں اندیشہ بول رہے تھے۔

”ڈیڈ کا فون تھا، وہ مام کو ہاسٹل کے لئے گئے ہیں، انہیں ہارٹ ایکس ہوا ہے۔“ وہ غائب دماغی سے کہتا ہوا دواش روم میں گھس گیا، چند منٹ کے بعد وہ باہر نکلا اور مانی کو مخاطب کیا۔

”میں ہاسٹل جاتے ہوئے تمہیں صنفی لاؤنج چھوڑ دیتا ہوں، شنو کو جا کر چگاؤ۔“ اس منٹ کے بعد وہ لوگ اپارٹمنٹ سے نکل چکے تھے زخرف اسے اور شنو کو صنفی لاؤنج کے کچھ کچھ چھوڑ کر ہاسٹل چلا گیا، لاؤنج میں راپا پریشان کی بیٹی سی، اس نے مانی کو بتایا کہ گرہنی اب کمرے میں آرام کر رہی ہیں، انہیں آئی کی طبیعت کا نہیں بتایا گیا، جبکہ اطہر چاچو اور شاہراہ ہاسٹل جا چکے تھے۔

”مما ٹوٹرکی!“ اس نے رہا سے پوچھا۔

”ہاں ڈیڈ نے عادل چاچو کو فون کر دیا ہے۔“ رہا نے بتایا، خوشبو دو دن پہلے کی فلائیر سے دہنی جا چکی تھی، اس کے والد سے دوا

نبیوں کو بلایا تھا لیکن رہا کے پیڑز ہو رہے تھے اس لئے وہ نہیں گئی تھی، اس کا پیڑز کے بعد جانے کا ارادہ تھا، تمام رات ماہیت اور رہا نے لاؤنج میں سوئے جاگئے گزاری تھی، فجر کے وقت شاہ زکراؤن آقا تھا اور اس نے بتایا تھا کہ۔

”آئی کی طبیعت اب بہتر ہے، لیکن ڈاکٹر زکا کہتا ہے کہ اڑتالیس گھنٹوں تک ان کی زندگی کو خطرہ ہے۔“ اس نے ان دونوں کو دعا کرنے کا کہا تھا، ساتھ ہی ڈیڈ کا پیٹنام بھی دیا تھا کہ وہ دونوں گھر پر رہ کر گرہنی کا خیال رکھیں، اڑتالیس گھنٹوں تک زخرف ہسپتال میں ہی موجود رہا، باقی سب چند گھنٹوں کے لئے گھر پر آ کر آرام کر لیتے تھے، گرہنی کے علاوہ دونوں بھی مختلف وظائف کا دورہ کر رہی تھیں، آئی کی صحت یابی کے لئے، اڑتالیس گھنٹوں کے بعد آئی کی طبیعت بہتر ہوئی تھی، ڈاکٹر زکا نے انہیں برازیلٹ روم میں شفٹ کر دیا تھا، مانی اور رہا نے شکر اے کے نوافل ادا کیے تھے، شام کے وقت زخرف گھر آیا تو مانی کو سامنے پا کر گری ہی رہی تھ اسے دیکھتا رہا تھا، پھر رہا کی موجودگی کا خیال کئے تناس کی کلائی پکڑ کر اسے کمرے میں لے آیا تھا، پہلی بڑی ہوئی شیو میں وہ ہیٹھ کی طرح بے حد جہیہ مگر تھکا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

”آئی کی طبیعت اب کیسی ہے؟ میں ان سے ملنے جا سکتی ہوں؟“ اس نے ایک ساتھ دو سوال کیے۔

”ہام! کی طبیعت اب بہتر ہے میں خود تمہیں ان سے ملوانے لے جاؤں گا۔“ اس نے مانی کو بیڈ پر بٹھایا اور خود اس کی گود میں سر رکھ کر لٹ گیا، وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پیچھرتے لگی۔

”زخرف! کھانا تو کھا لیتے۔“ اس نے تفکر سے کہا۔

”نہیں، ایسے ہی بیٹھی رہو، بہت سکون مل رہا ہے۔“ اس نے مانی کا ہاتھ تمام کر لیں سے لگایا اور پکلیں موند لیں جو کہ تیندے سے بوجھل ہو رہی تھیں۔

☆☆☆

سیرا تقریباً دس دن تک ہسپتال میں زیر علاج رہیں، لیکن زخرف اسے ان سے ملوانے نہیں لے گیا، وہ جب بھی ذکر کرتی وہ ٹال منول سے کام لیتا تھا، البتہ وہ دونوں تاحال صنفی لاؤنج میں ہی رہ رہے تھے، ایک دفعہ اپارٹمنٹ جا کر دونوں کا ضروری سامان لے آیا تھا، آئی کے ہسپتال سے آنے کے بعد وہ ان کے لئے سوپ لے کر ان کے کمرے میں آئی تو زخرف ان کے کمرے میں ہی موجود تھا، اخبار پڑھتے ہوئے وہ کن الھیوں سے ان دونوں کو بکریا کر رہا تھا۔

”آئی آپ کی طبیعت کتنی ہے؟“ مانی نے حلاوت سے پوچھا۔

”میں ٹھیک ہوں، بے سوپ تم نے بنایا ہے۔“ انہوں نے عام سے لہجے میں پوچھا، جیسے دونوں ایک گھر میں ساتھ رہتی ہوں، دونوں میں کسی قسم کی ناچاقی نہ ہوئی ہو۔

”آئی سوپ شنو نے بنایا ہے۔“ وہ صاف گوتی سے بولی، انداز میں بھجک گئی، مانی کو برا نہ لگ جائے کہ وہ ان کے لئے اتنا سارو درد نہیں کر سکتی، زخرف اس کے اندر پریم سہا سکر لیا تھا، پھر وہ کافی دیر ان کے پاس بیٹھی رہی، وہ بے حد کدو رو رہی تھیں، نقاہت کے مارے وہ زیادہ دیر بیٹھ بھی نہیں پا رہی تھیں، شاید یہی وجہ تھی کہ وہ وقتی طور پر اس سے اپنا اختلاف بھول گئی تھیں، رات کو جب زخرف اپنے کمرے میں آیا تو وہ پوچھ بیٹھی۔

”زخرف کیا اب ہم ادھر ہی رہیں گے۔“ اس کے سوال پر وہ بغور اسے دیکھنے لگا۔

”کچھ مجھ میں نہیں آ رہا، نام کو ایسی حالت میں چھوڑ کر جانے کا دل بھی نہیں چاہ رہا اور میں یہ بھی نہیں بھولا کہ ان کا گزشتہ رویہ تمہارے ساتھ اچھا نہیں تھا، شاہ زکر کچھ شادی کر لیتا تو مجھے یہ پریشانی لاحق نہیں ہوتی، رہا بھی جیہڑے کے بعد اپنے بابا کے پاس چلی جائے گی تو تمام اور گرتی کی کثیر کون کرے گا، ملازموں کے بھروسے گھر تو نہیں چل سکتا، ڈیڑ اور چارو کا خیال کون رکھے گا۔“ وہ ابھن کا کٹھن تھا۔

”تم پریشان مت ہو، میں سب سنبھال لوں گی، علاوہ ان تم نے مجھے کسی قابل نہیں رہنے دیا، مگر کا کام تم مجھے کرنے نہیں دیتے، البتہ ملازموں پر نظر تو رکھ ہی سکتی ہو، رہا آئی کا معاملہ تو انہیں بھی مجھے اس گھر میں دیکھنے کی عادت ہو ہی جائے گی، تمہیں کیا بتاؤں زخرف مجھے اس گھر میں آکر تنہا سکون ملا ہے۔“ اس نے اپنے دلی جذبات زخرف پر عیاں کیے۔

”یو تمہیں دیکھ کر ہی پتا چل جاتا ہے۔“ زخرف نے اس کا چہرہ ہتھپتھایا، تب ہی اس کے بیل پر تانبہ کی کال آئی کہ تو وہ تانبہ کو نام کی خیریت سے آگاہ کرنے لگا۔ تانبہ پچھلے پندرہ دن سے معاذ کے ساتھ اسلام آباد میں بیٹھی، معاذ کا اسلام آباد میں بیلوں سے کارا ادا رہتا تھا۔

☆☆☆

سمیرا اب روستہ تھیں، رہا وہی جاچکی تھی، گرتی اسے گھر میں ماکانہ اشتقاق سے چلتے پھرتے دیکھ کر بہت خوش ہوتی تھی، تانبہ بھی ایک ہفتہ ہر کراپس اسلام آباد جا چکا تھا، اس کی ڈیویری نزدیک تھی، معاذ چاہتا تھا کہ وہ اسلام آباد میں ہی رہے، جبکہ آئی اسے اپنے پاس رکھنا

چاہتی تھی، لیکن معاذ کی وجہ سے خاموش ہو گئی تھیں، سو پرانے بھی پچھلے دنوں خوشخبری سنائی تھی، ایک وہ بھی جو پانا خالی وجود لئے سناٹوں کی زد میں تھے۔

بہت دیر تک گرتی سے باتیں کرنے کے بعد وہ ان کے کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آئی تو دیکھا کہ آئی صوفے پر براجمان تھیں اور لیٹی فون پر کسی سے باتیں ہو رہی تھیں، ان کا چہرہ اندرونی خوشی کے احساس سے ہنستا رہا تھا اور انہیں کسی کی خوشی کے جھگڑا نہیں تھی، مایا ادھر ہی رک کر دھجی سے انہیں دیکھنے لگی، بہت عرصے کے بعد آئی خوش نظر آ رہی تھیں، عموماً ان کا اس کے ساتھ رو بہ بہتر ہی ہوتا تھا، مگر بعض اوقات وہ پری بدل کر اگلے کچھلے سارے حساب چکانے بیٹھ جاتی تھیں، فون بند کر کے وہ اس کی جانب متوجہ ہوتیں۔

”تانبہ کے ہاں بیٹا ہوا ہے۔“ انہوں نے مسکرا کر بتایا۔

”اچھا تو یہ وجہ ہے جو آپ اتنی خوش نظر آ رہی ہیں۔“ اس نے جواباً مسکرا کر کہا، دل کے کسی گوشے میں شدت سے کم مانگی کا احساس جاگا تھا۔

”اب تم کب خوشخبری سناری ہو، بس میں نے کہہ دیا، مجھے اب زخرف کا بچہ چاہیے، فونز ہوں تو کیا ہی بات ہے، بیٹا اور بیٹی دونوں ایک ساتھ۔“ وہ اپنی جھن میں گلن تھیں، مایا کے چہرے کے چھیکے پڑتے رنگ انہیں کہاں نظر آتے۔

”آئی وہ اصل میں.....“ اس نے دانٹوں سے لہوں کو چل کر بات درمیان میں چھوڑ دی۔

”اگر کچھ پر اہم ہے تو ڈاکٹر کو جا کر دکھاؤ، مگر میرے ساتھ زیادہ بہانے نہیں چلیں گے، نہ

ای میں اب زیادہ انتظار کروں گی، تم میری خواہش پوری کر سکتی ہو تو ٹھیک ہے ورنہ میں اپنی ہانڈ کی ٹوپی سے زخرف کی شادی کروں گی، بہت کر رہی ہے زخرف نے اپنی من مانی، اب اسے میری بات ماننی ہی ہوگی۔“ ان کے بولنے کا انداز اکیلے بدل گیا تھا، وہ اپنی بات پوری کر کے انہیں اور گرتی کے کمرے کی جانب بڑھ گئیں انہیں خوشخبری سنانے کے بعد انہیں اسلام آباد ہانے کے انتظامات بھی تو کرنے تھے، مہینہ کے آدموں کو کوئی چیز یوں نے جکڑ لیا تھا، تانبہ ہی دیر وہ اس جگہ کھڑی کسی غیر مری کی نعلیٹے کھنڈی رہی، بارود اپنے قدموں کو سنی ہوئی صوفے پر آکر بیٹھ گئی۔

”دکس نا کردہ جرم کی سزا تھی یہ، نہ تو اس نے من مانی کی تھی کہ والدین کا دل دھکا کر شادی کی تھی، نہ ہی شوہر کی نافرمانی تھی، مگر پھر ہو رہا تھا اس کے ساتھ یہ سب۔“ نعلیٹے ہی دیر وہ سوچوں میں ابھی رہی۔

شام کی فلائینٹ سے آئی اور ڈیڑ اسلام آباد چلے گئے تھے۔

”کیا بات ہے مایا کچھ ہوا ہے کیا؟“ اس نے استفسار کیا۔

”ہام نے کچھ کہا ہے تم سے، تم اتنی کم صم کیوں ہو، کوئی بات کیوں نہیں کر رہی ہو۔“ بہت دیر سے وہ اس کی کھوئی کھوئی کیفیت نوٹ کر رہا تھا، وہ موقع کی تلاش میں تھی، دل اس قدر بھرا رہا تھا، آسوی پلوں کی باڑھ تو کڑکھلتے چلے گئے۔

”کیا ہوا ہے، کیوں رو رہی ہو۔“ وہ اس کے نزدیک آ کر بیٹھ گیا، مایا اسے ہنسی ہوئی اس کی تھی، اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر اس کا دل ڈوبنے لگتا تھا۔

”تمہیں نہیں لگتا زخرف کہ اب ہمیں فیملی

بڑھانی چاہیے۔“ اس کی بات سن کر زخرف کے چہرے پر ہر دو تاثرات پھیل گئے۔

”میں تمہیں پہلے ہی اس بات کا جواب دے چکا ہوں، ہمیں کسی تیسرے و دہر کی ضرورت نہیں ہے پھر بھی اگر تم ضرورت محسوس کرتی ہو تو کوئی بچہ اپنا پتہ کرلو، میں تمہیں نہیں روکوں گا۔“ اس نے طعنت سے کہا۔

”زخرف بات صرف میری ضرورت کی نہیں ہے ہمارے علاوہ کچھ لوگ اور بھی ہیں، جو ہم پر حق رہتے ہیں وہ یہ ضرورت محسوس کرتے ہیں۔“ وہ بے بسی کی انتہا پر تھی۔

”کون..... کس کی بات کر رہی ہو تم؟“ وہ چونکا۔

”آئی نے مجھے سے کہا ہے کہ انہیں تمہارے بچے کی خواہش ہے، اگر میں ان کی خواہش پوری نہیں کروں گی تو وہ تمہاری دوسری شادی کروا دیں گی۔“ اس نے من و عن کہ سنایا۔

”اور تم نے یقین کر لیا کہ میں ان کے دباؤ میں آکر دوسری شادی کرواؤں گا۔“ وہ بے ساختہ ہنسا۔

”میں اس سے بات کروں گا کہ وہ آئندہ اس موضوع پر تم سے کوئی بات نہ کریں، یہ سراسر میرا فیصلہ ہے، جو کہنا ہے مجھے کہیں، میری مایا کو اداس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ اس نے مایا کو خود سے نزدیک کر لیا اور سونے کی کہ کیا زخرف اس معاملے کو سنبھال پائے گا یا نہیں۔ ایک ہفتہ کے بعد آئی واپس لوٹ آئیں، تانبہ اور اس کا بچہ ان کے ہمراہ تھا، ڈیڑ تو پہلے ہی لوٹ چکے تھے، تانبہ اور اس کے بچے کی آمد سے صفیہ لاج کی رفیقین بحال ہو گئی تھیں، عدن بھی ہاسٹل سے سامان اٹھا کر گھر لوٹ آیا تھا، وہ گل گھونٹتا سا چہرہ سب کو باری تھا، تانبہ کا بچپن لوٹ

آیا تھا، وہی سنہری آنکھیں، وہی ناک نقشہ، زخرف نے جانے کیا کہا تھا کہ آئی کا مزاج صبح سے ہی برہم تھا، زخرف کے آفس جاتے ہی وہ شروع ہو گئی تھیں۔

”ایسا کیا جادو کیا ہے تم نے میرے بیٹے پر کہ اسے تمہارے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا، میری خواہش کی اس کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں ہے، حد تو یہ ہے کہ اسے اپنے نام کا اپنے سب کا بھی خیال نہیں ہے، خیال ہے بوسے یہ کہ ماہینہ کو کچھ نہ ہو،“ وہ اس کے سامنے کھڑی ترتر کو لے کر برا رہی تھیں۔

”آئی! میں نے کچھ نہیں کیا، یہ میرا سر زخرف کا فیصلہ ہے،“ وہ روپاٹی ہوئی، ساری بات اس کی سمجھ میں آ چکی تھی۔
”تو سمجھاؤ اسے، محبت کرتی ہے وہ تم سے، اسی محبت کو بھتیار بناؤ، مجھے میرے بیٹے کا نام لیا جا چاہیے، سنا تم نے، تم دونوں بہن بھائی نے میرے پتلون کو چور چور کر دیا ہے۔“ وہ انکارے برساتی ہوئی سڑھیاں چڑھ کر اوپر چلی گئیں، ماہینہ گرہن کے کمرے میں آگئی، شدت سے رونے کا جی چاہ رہا تھا، فانیہ جو اپنے کمرے میں بیٹھی مام کی چھگائی ہوئی آواز سن کر کشیدر تھی، ان کے آخری فقرے پر سن ہوئی، اس کی ایک غلطی شاہ ریز اور ماہینہ کے لئے الزام بن کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

شاہ ریز معمول کے مطابق اس پارک میں آیا تھا، ٹریک پر چلتے ہوئے اسے محسوس ہوا کہ ایک دوسرا وجود بھی ہے جو اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل رہا ہے، اسے چہرہ گمما کر دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کے ساتھ چلتے والے وجود کا نام کیا ہے، وہ انجلینا تھی،

وہ پارک سے نزدیک رہائشی ایریا میں رہتی تھی اپنی شدید مصروفیت کے باوجود وہ اس وقت پارک میں آتی تھی تاکہ شاہ ریز سے ملاقات کر سکے۔

”گلد رنگ شاہ!“ اس نے شاہ ریز کو متوجہ کرنا چاہا۔

”گلد رنگ!“ شاہ ریز نے اب بھی اس کی جانب دیکھنے سے گریز کیا۔

”آج یوم بہت روٹینک ہو رہا ہے۔“ وہ بات بڑھانے کی غرض سے بولی۔

”بھنبہ!.....“ شاہ ریز نے اپنے قدموں کی رفتار بڑھادی، وہ وہ کیوں پیچھے رہتی۔

”میرا زائرسر ہو گیا ہے۔“ انجلینا نے تیز آواز میں کہا کہ لویا شاہ ریز کے نہ سننے کا احتمال ہو، وہ ایک کامیاب ٹیکسٹ کرچی، اب کہ شاہ ریز نے گردن گھما کر اسے دیکھا، انجلینا کی نیلی آنکھوں کی جوت آج بھی ہوئی تھی۔

”کب جا رہی ہو۔“ اس نے پوچھا۔

”بہت جلد، شاہ مجھے پتا ہے کہ تم میری محبت سے واقف ہو، میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم میری محبت کو قبول نہیں کرو گے، لیکن پیلز میری ایک خواہش پوری کر دو، میں جانتی ہوں کہ تم کل رات کا ڈنر میرے ساتھ گھر پر کرو۔“ وہ التجائیہ لہجے میں بولی تو شاہ ریز کچھ دیر سوچا رہا اور پھر اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

”ٹھیک ہے میں کل رات تمہارے ساتھ ڈنر کروں گا۔“ انجلینا کا چہرہ اس کی اتنی سی عینایت پر دکھنے لگا، خوشی اس کی آنکھوں سے چمک رہی تھی، وہ اتنے عرصے سے ایک پتھر سے سر پہنچ رہی تھی، جس نے اسے ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھنے دیا تھا، انجلینا کو لگ رہا تھا کہ وہ ہواؤں میں اڑ رہی ہے۔

”ٹھیک یو سوچ جا، میں تمہارا انتظار کروں گی۔“ اس نے کہا تو شاہ ریز نے ایک اچھٹی ہوئی نظر اس پر ڈالی اور ٹریک پر دوڑنا شروع کر دیا، وہ اب بھی اس کے پیچھے آ رہی تھی۔

☆☆☆

”مام پیلز مجھے معاف کر دیں مجھے شدت سے اپنی غلط کا احساس ہے، مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے مجھے شاہ ریز کو سیرنگ نہیں بنانا چاہیے تھا، مام مجھے چوچا ہے سزا دے دیں۔“ وہ ان کے آگے ہاتھ جوڑے کھڑے تھی۔

”کیا کہہ رہی ہو، شاہ ریز کو سیرنگ بنایا تم نے، فانیہ میں کچھ سمجھ نہیں رہی۔“ وہ اس کے سامنے کھڑی تھیں، ان کے انداز سے اضطراب نمایاں تھا، فانیہ کی باتوں نے انہیں انجمن میں ڈال دیا تھا۔

”ماما پیلز شاہ ریز کی سزا ختم کر دیں، اسے معاف کر دیں، اسے واپس بلا لیں، میں گھما کو معاف کر دیں، میں معاذ کو پسند کرتی تھی، اس کے شادی کرنا چاہتی تھی۔“ وہ آہستہ آہستہ سب اپنی چلی گئی، معاذ اپنا ہم کی سنگت سے الگ ہو کر اپنا اعتماد سے نوازا تھا، جو آج وہ اپنی غلطی کا اعتراف کر رہی تھی، میرا ہوا کا پکائی کھڑی اسے دیکھ رہی تھیں، ان کے اندر ایک بھونچال برپا تھا، فانیہ کی محبت میں انہوں نے کیا کیا تھا، سارے اولوں کو غیر بنا دیا تھا، بھتیوں کے بدلے نفرت مول لی تھی، حد تو یہ ہے کہ اسے اچھوتے بیٹے کو بھی کوئے بنی تھیں۔

”فانیہ بہت ظلم کیا تم نے مجھ پر، ہم سب ایک دفعہ کا تو ہوتا، میں تمہاری ماں ہوں مگر ایسا ترینج تمہاری خوشی ہے، میں تمہیں

خوش دیکھنا چاہتی تھی، اب میں کس کس کو مانتی پھروں، جانے زندگی مہلت دے گی بھی یا نہیں۔“ وہ بڑبڑاہے لہجے میں بولیں اور پھر رکے بنا کر پیسے سے نکلتی چلی گئیں، وہ خود میں ہمت نہیں پا رہی تھی ان کے پیچھے جانے کی، وہ ہیل پر کرسی چلی، اس کی آنکھوں کے گوشے ہیسکے لگے، آج اسے شاہ ریز کی جلا وطنی رلا رہی تھی۔

☆☆☆

اس نے فلیٹ کو تازہ پھولوں سے سجا رکھا تھا، بہت ساری کینڈلز جلائی کھانا بھی بہت دنوں کے بعد خود پکایا تھا اور بہت سے پکایا تھا، خود اس نے بیک ٹری کی میکی زیب تن کر رکھی تھی، اب وہ اس کی منتظر تھی، جو اس کے دل کا کمین تھا، ڈور بیل کی آواز پر وہ سرعت سے دروازے کی جانب نکلی، دروازے پر شاہ ریز اپنے معمول کے حلیے میں موجود تھا، البتہ اس کے ہاتھوں میں تازہ پھولوں کا بیگ تھا، وہ انجلینا کے لئے ٹرس کے پھول لایا تھا۔

”ٹھیک بو شاہ مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔“ وہ بچوں کے اشتیاق سے بولی، وہ اس کی سنگت میں چلنا ہوا سنگت روم میں آ گیا، وہ جیسی مرتبہ تھی کہ کھڑا آیا تھا، اس نے اپنی جینٹ اٹار کر صوفے پر ڈال دی، انجلینا کا اشتیاق دیکھ کر اس کے لبوں پر مسکراہٹ کھنڈی تھی۔

”کتنا خوبصورت لگتا ہے یہ مسکراتے ہوئے۔“ انجلینا نے بے ساختہ سوچا۔

”تمہارا اپارٹمنٹ بہت خوبصورت ہے۔“ اس نے ایک طائرانہ ڈالائی۔

”میری مام کا ہے، میرے مام ڈیڈ ای اپارٹمنٹ میں رہتے تھے۔“ اس نے بتایا۔

کچھ دیر بعد انجلینا نے کھانا سروس کر دیا، وہ ہر چیز اصرار سے اسے پیش کر رہی تھی، اس کے انگ

ایک سے سرشاری جھلک رہی تھی، شاید وہ مصوم لڑکی ان کھوں میں جی لینا چاہتی تھی۔
 ”شاہ ایک بات بتاؤ کیا وہ لڑکی بہت خوبصورت تھی، مجھ سے بھی زیادہ؟“ بے ارادہ اس کی زبان سے نکلا، شاہ ریز سے سچ پلٹ میں رکھ کر اسے غور دیکھا، شہابی رنگت پر پلکیں آنکھیں اور کٹاؤ دار ہونٹ اور اس کی پیمیشی ناک وہ ہر لحاظ سے ثانیہ سے زیادہ خوبصورت تھی۔
 ”پتا نہیں لیکن مجھے وہ دنیا کی سب سے زیادہ خوبصورت لڑکی لگتی ہے۔“ وہ ثانیہ کی یادیں کرنا چاہتا تھا۔

”دوسری شاہ مجھے اس کا ذکر نہیں کرنا چاہیے تھا تم ڈسٹر ہو جاتے ہو، یہ مشروم وہ چکن لو نا۔“ اس نے موضوع بدل کر ڈش شاہ ریز کی جانب بڑھائی، تو وہ چونک کر کھانے کی جانب متوجہ ہو گیا، کھانے کے بعد وہ دونوں پھر سے سینگ روم میں آ بیٹھے، انجلینا کالی بتلاتی تھی۔
 ”تم پاکستان کب جاؤ گے؟“ اس نے پوچھا۔

”جب مجھے وہاں سے کوئی پکارے گا۔“
 ”تمہاری زندگی میں میرے لئے کوئی گنجائش نہیں نکل سکتی۔“ اس نے آس بھرے لہجے میں پوچھا، اس کی بات پر شاہ ریز نے ہونٹ کھینچ لئے پھر ہچکھوٹ کے بعد بولیں۔
 ”انجلینا میری زندگی میں کسی لڑکی کی اب گنجائش نہیں ہے، اگر زندگی کے کسی مرحلے پر میں نے کسی لڑکی کے ساتھ بھڑن باندھا ہے تو اپنی مہ کی پسند کی لڑکی سے شادی کروں گا، میں ان کا اکلوتا بیٹا ہوں، میں نے انہیں بہت دکھ دئے ہیں، ان کی پسند کی لڑکی سے شادی کر کے شاید میں مدا کر سکوں تم بھی کسی ایسے سے لڑکے سے شادی کر لینا۔“ شاہ ریز کے آخری فقرے پر

وہ دل میں سوچ کر رہ گئی۔

”تم نے اچھا لڑکا مجھے کہاں لے گا، بہت بدقسمت لڑکی ہے، جس نے مجھیں ٹھکرایا ہے، تمہارا دل تو ڈاڑھ ہے۔“ کافی بیٹے کے بعد شاہ ریز واپسی کے لئے اٹھ گیا، وہ شاہ ریز کا عکس اپنی آنکھوں میں جذب کر رہی تھی، اسے پتا تھا کہ اب وہ زندگی میں دوبارہ اس خطرناک شخص کو دیکھ نہیں پائے گی وہ اس سے ہاتھ ملا کر رخصت ہو گیا، انجلینا کالی ہی دیر دروازے کے پتھوں کچھ کھڑی دھند میں اسے کھوجتی رہی۔

☆☆☆

ہانی نے ایک نظر اسے دیکھا، وہ بیڈ پر ٹہم دراز ”آپ کمر“ کا مطالعہ کر رہا تھا، ہانی نے اپنی تھیلی میں تھامی ٹیبلٹ کو دیکھا، جسے ڈاکٹر جارجیہ نے تجویز کیا تھا، اس نے غیر محسوس طریقے سے وہ ٹیبلٹ ڈسٹ بن میں ڈالی اور دوسرے ہاتھ میں تھام پانی کا گلاس بوں سے لگایا۔
 ”ہانی! کب فارغ ہو گی تم، میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔“ زخرف نے کتاب رکھ کر اسے دیکھا۔

”بس میں گرہنی دوائی دے آؤں۔“ اسے کام یاد آیا تو وہ کمرے سے نکل آئی، جبکہ زخرف کو دوبارہ کتاب اٹھائی، وہ واپس آئی تو زخرف کتاب ختم اس کے انتظار میں جاگ رہا تھا، اس نے تمام انشیز آف کر کے ٹائٹ باب جلايا اور بیڈ پر آگئی۔
 ”جی ہوتے ہی ایک بری خبر سننے کوئی، رات میں سیرا کا بلڈ پریشر شوٹ کر گیا تھا، دھڑکن بھی تیز ہو گئی تھی، ان کی حالت کے پیش نظر جارجیہ احمد نے ڈاکٹر کو کال کر کے گھر پر بلا لیا تھا، زخرف کو صبح جاگتے پر جب یہ بات معلوم ہوئی تو وہ بہرہ ہوا کہ اسے رات کو ہی کیوں نہیں بجایا گیا۔

”یاد تم مجھے ہوئے تھے، ڈاکٹر آکر چیک اب کر گیا تھا، تمہیں جگا کر پریشان کرنے سے کیا حاصل ہوتا۔“ جہانگیر احمد نے اس کا قصہ غنڈا کرنا چاہا، وہ سر جھٹک کر ام کی جانب بڑھ گیا۔
 ”اب کسی طبیعت ہے آپ کی؟“ وہ ان کے نزدیک بیٹھ گیا۔
 ”میں اسے ٹھیک ہوں تم پریشان مت ہو۔“
 ”وہی سے مسکرائیں، جہانگیر احمد کمرے سے نکل کر ناشیہ کرنے کے لئے ڈائیننگ ہال میں جا چکے تھے۔“

”زخرف ایک کام کرو گے۔“ وہ آہستگی سے بولیں۔
 ”کیسے مام۔“ وہ ان کے انداز پر حیران تھا۔
 ”میں اس جاتے ہوئے نیلم سے کہہ دینا کہ مجھ سے آکر لے، مجھے اس سے معافی مانگی ہے، میں نے بہت برا سلوک کیا ہے، نیلم کے ساتھ ہلکے سب کے ساتھ ہی، تمہارے ساتھ بھی میں نے کتنا غلط برتاؤ کیا، وہ تو اچھا ہوا کہ تم نے ہرأت کا مظاہرہ کر کے ماہینہ سے شادی کر لی ورنہ مجھے قبر میں بھی پھینچنا پڑتا۔“ وہ آبدیدہ ہو گئیں۔
 ”مام کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ، کیا ہوا ہے؟“

”جھپٹیں پتا ہے زخرف کا ثانیہ نے اپنے مطالب کے لئے شاہ ریز کو استعمال کیا ہے، وہ بے لکھ رہا تھا۔“
 ”میں جانتا ہوں مام۔“ اس نے ایک مرد اس لایا۔
 ”زخرف تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں۔“
 ”کیا فائدہ ہوتا تھا نے، کا، شاہ ریز کو بابا ہان نے دھکڑا دیا تھا، ثانیہ، معاذ کی ہو چکی

تھی۔“

”زخرف میں نے انا کے ذہم میں کتنے رشتے، کتنی کھینچ گنوا دیں بارہا میں نے تباہ کبھی قصور وار کرنا، اسے شاہ ریز کے حوالے سے طعنہ دیا، مجھے اپنی بیٹی کی اصلیت معلوم ہوئی تو میں اتنی پستی میں تو گر گئی، تم نیلم کو میرے پاس بھیج دو میں اس سے معافی مانگوں گی، میں شاہ ریز سے معافی مانگوں گی ہاتھ جوڑ کر اسے واپس لوٹنے کا کہوں گی، نیلم اس کے بغیر کسی طرح روز و شب بسر کرتی ہو گی، ہم مجھ سے دور تھے تو مجھے رات بھر نیند نہیں آتی تھی۔“ وہ رو رہی تھیں۔

”مام! جائیز رو بنا دینے، آپ کی طبیعت پھر سے خراب ہو جائے گی، میں نیلم کو بلا کر لاتا ہوں۔“ انہیں دلاسا دے کر وہ کمرے سے نکلنے لگا تھا، کران کی آواز نے اس کے ہونٹے ہونے قدموں کو روک دیا۔
 ”وہ ثانیہ سے کہہ دو کہ مجھے اپنی صورت دکھانے کی کوشش نہ کرے۔“

”مام!.....!“ صدے کے باعث وہ کچھ کہہ نہیں پایا اور باہر آ گیا، وہ دھڑک نیلم ماکے علاوہ امو جان بھی آ چکی تھیں، آج بہت دنوں کے بعد گرہنی دل سے مسکرائی تھیں، وہ اور امو جان ساتھ بیٹھی خوش دکھائی دے رہی تھیں، ماہینہ نے سیرا کے حکم پر شہناور اس کی اماں کو رات کے کھنے کے لئے ہدایات دے دی تھیں، سفیر اور عادل کو بھی سیرا نے بذریعہ ٹیلیفون پھر پورا اصرار کے ساتھ مدعو کیا تھا، اس کے بعد انہوں نے شاہ ریز کو کون کون کیا تھا اور رو رو کر اپنی اور ثانیہ کی طرف سے معافی مانگی تھی، امو جان اور نیلم کو اپنے گھر میں دیکھ ان کے دل پر دھرا بوجھ قدرے کم ہو گیا تھا، وہ اپنے گزشتہ رویے پر زائد دگررفتہ تھیں، جہانگیر احمد پوس سے لوٹے تو کیا پلایا دیکھ کر

چیران رہ گئے، ثانیہ اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی، کھانا بھی اس نے اپنے کمرے میں منگوایا تھا، شاید کسی نے بھی اس کی میزمرہ جوڑی کو محسوس نہیں کیا تھا، رات کے کھانے سے پہلے نیم اس کے کمرے میں آئی تھیں، اس کے بیٹے کو بپار کرنے کے لئے تب اس نے ان کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔

”نیم ماما! بچے مجھے معاف کر دیجئے۔“

”ثانیہ! تم اس آگ کا اندازہ نہیں کر سکتیں جو میرے اندر دھک رہی ہے، سو چو ذرا اگر میں ایک دن کے لئے تم سے تمہارے معصوم بچے کو جدا کر دوں تو تمہیں کتنی تکلیف ہوگی، میں نے تو اپنے پلے پلائے بیٹے کو ایک ناکردہ گناہ کی پاداش میں خود سے دور کر دیا، اپنی دعاؤں سے دور کر دیا، یہ سوچ کر کہ وہ تمہارا گناہگار ہے تمہاری خود غرضی نے دو خاندانوں کو جدا کر دیا تھا، جو جن کی خوشیاں ایک تھیں، جن کے غم ایک تھے، جن کے روز و شب ایک تھے، وہ سب تمہاری خوشی کی جہنمت چڑھ گئے، کتنے ارباب تھے میرے ماہینہ کی شادی کے خوالے سے، سب چکنا چور ہو گئے تمہاری وجہ سے ثانیہ، آج بھی جب میں وہ دن یاد کرتی ہوں جب زخرف نے اس سے زبردستی نکاح کیا تھا، تو میرا دل کانپنے لگتا ہے، کاش تم اپنی پسند کا اظہار شاہ ریز سے عقلی سے پہلے کر دیتیں، تو آج صورتحال مختلف ہوتی، ابھی کچھ دن گلیں گے، لیکن مجھے امید ہے کہ ایک ایک سب لوگ ہمیں معاف کر دیں گے، لیکن ابھی کچھ دن لگے۔“ وہ سمجھے سمجھے قدموں پلٹ گئیں اور ثانیہ پھر سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☆☆☆

روز و شب اپنی ڈگر پر چلے گئے تھے،

ماہنامہ حنا

96 مئی 2012

پاکستان سے روزانہ کوئی نہ کوئی کال کر کے شاہ ریز کو لوٹنے کے لئے کہتا تھا، اس کا ایک ہی جواب تھا کہ اس نے یہاں ایک کہنی کے ساتھ کنٹرول کیا ہے، جسے ختم ہونے میں ابھی کچھ عرصہ باقی ہے وہ سب شدت سے شاہ ریز کے لوٹنے کو منتظر تھے، ثانیہ واپس اسلام آباد جا چکی تھی، معاذ ابراہیم اسے لینے آیا تھا، جانے پہلے وہ کچھ دن اپنے سرالے میں بھی رہی تھی، گزرتی نے شاہ رز کے کان بھج کر اسے شادی کے لئے رضامند کیا تھا اس کی رضامندی ملتے ہی انہوں نے خوشبو کے پیاکے رابلا کیا تھا، وہ خوشبو کو واپس بلانا چاہتی تھیں شاہ ریز کی دلہن کے روپ میں، اس خبر سے سب ہی خوش تھے، خوشبو کے والہ نے رشتہ منظور کر لیا تھا، دونوں جانب شادی کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں، اس دن سویرا امینہ ہاؤس آئی ہوئی تھی، مامی کا دل اس سے ملنے کے لئے ہے، چہین ہو رہا تھا، دوپہر کے کھانے کے بعد وہ آئی کہتا کر درمیان گیت سے امینہ ہاؤس آگئی، وہ دونوں سر جوڑ کر بیٹیں تو شام کی خبر لا گئیں تھیں۔

”آئی بہت خاموش رہے لگیں ہیں۔“ اس نے سویرا سے شہر کیا۔

”معمولی چکا کو نہیں لگا، انہیں ثانیہ کی وجہ سے انہوں نے ہم سب کے ساتھ تانتا پرسلوٹ کیا تھا، نیم ماہ اور پایا کو اپنے گھر کے ڈرائیگ روم میں ذیل کیا تھا، اب جب انہیں پتا چلا کہ سارا کیا ہوا ہماری بیٹی صلیب کا تھا، تو یہ تو ہونا ہی تھا۔“ اس نے تاسف سے کہا پھر لہجہ بدل کر بولی۔

”تم تباؤ اب کب تک آرام کر دو گی، بار مجھے خالہ خالہ۔“ اس نے لاڈ سے کہا تو مامی پر سوچ کر سرگردا۔

”پہلے مجھے تو سکون سے خالہ بنے، پھر تم ہی بن جانا خالہ۔“ اس نے حساب برابر کیا، مامی نے شام کی چائے کے لئے آواز دی وہ دونوں کمرے سے باہر آئیں چائے کے بعد دونوں امو جان کے کھٹنے سے لگ کر بیٹھ گئیں، امو جان انہیں ان کے بیچپن کے ٹھکے مانے لگیں، نیم ماہ ان دونوں کو دیکھ کر خوش ہوئی تھیں، رات کے کھانے سے فارغ ہوتے ہی تھے کہ زخرف چلا آیا۔

”السلام علیکم۔“ بلند آواز میں سلام کرتا ہوا وہ مامی کے برابر میں چکر سنیا ل چکا تھا۔ ”صبر شکر آپ کو کبھی مجھ سے ملاقات کا خیال آیا تو سہی۔“ سویرا کے انداز میں شرارت کا لٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، زخرف چونکہ ماما چکا کو سو قدرے بے نیازی سے گویا ہوا۔

”میں تو مامی کو لینے آیا تھا۔“

”مامی تو میرے پاس ٹھہرے گی۔“ ”اؤکے“ پھر میں بھی ادھر ہی رک جاتا ہوں، کیا ہے نہ کہ مجھے مامی کے بغیر گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔“ وہ مامی کو دیکھ کر دلکشی سے مکر لیا جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

”ایک کھٹنے کے بعد تم کو گے مامی اٹھو ملنے چلو مجھے نیند آ رہی ہے۔“ سویرا نے جل جل کر کہا۔

”اور یہ بھی کہ مجھے صبح سویرے بیدار ہونا ہے، جاگنگ سے واپس آ کر آٹس جانے کی ہار کی کرنی ہوتی ہے۔“ وہ مسلسل سویرا کو ستانے لگا ہوا تھا۔

”نیمک سے پھر اپنے گھر جا کر بی سونا ہم پر انسان کر کے کی ضرورت نہیں ہے۔“ سویرا نے لڑا کر کہا تو مامی ہنس دی جبکہ زخرف کا قبچہر بے جا تھا، وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اٹھا۔

”میں امو جان اور بابا جان سے مل لوں۔“ وہ بیڑیوں کی جانب بڑھ گیا، جبکہ سویرا مامی کو گھورنے لگی جس کے لبوں پر تبسم بکھرا ہوا تھا، ایک کھٹنے کے بعد وہ لوگ درمیان گیت کے ذریعے صفیہ لاج آ گئے، اندر آنا چھایا ہوا تھا، سب اپنے اپنے کمروں میں سوئے گئے لئے جا چکے تھے زخرف روم میں چلا گیا جبکہ وہ کچن میں آئی، مائیکرو ویو میں دوڑھکا گلاس گرم کر لیا اور گلاس تھا سے بیڑی روم میں آگئی، زخرف کپڑے چھینچ کر چکا تھا اور اب بیڑی پر نیم دراز داتا کتاب کھولی ہوئی تھی۔

”مامی اب آج بھی جاؤ، مجھے صبح آفس بھی جانا ہے۔“ وہ اسے دیکھ کر بولا، آنکھوں میں نیند بھرے نہیں تھی۔

”بس تھوڑی دیر اور۔“ وہ اسے انتظار کا کہتی ہوئی ڈریسنگ روم میں گھس گئے، چند منٹ بعد باہر آئی، پھر اس نے معمول کے مطابق زخرف کی نظر بیکار کر ڈاکٹر عالیہ کی جو پزیر کی ہوئی اور ڈسٹ بن کی نظر کی اور لائٹ آف کر لی ہوئی بیڑی پر آگئی۔

☆☆☆

”آئی آپ تاشے میں کیا لیں گی۔“ اس نے آئی سے پوچھا جو ابھی تک ٹیکل پر بیٹھی تھیں، کچن میں شویندنی سے تاشہ بناری تھی، شاہ ریز اور زخرف آفس جا چکے تھے شواب جہانگیر احمد اور اطہر احمد کے لئے تاشہ بناری تھی۔

”میں تو صرف جوں لوں کی لیکن تم نے اب تک تاشہ کیوں نہیں کیا۔“ انہوں نے باز پرس کی۔

”آئی مجھے عجیب سا بھاری پن محسوس ہو رہا ہے کچھ کھانے کا دل نہیں ہو رہا۔“ اس نے گلاس میں جوں ڈال کر سیرا بیگم کے سامنے رکھا، اسی

وقت شہو نے فرنگ تپن میں آلیٹ کا آمیزہ ڈالا تھا ڈانٹیک ہالی میں یہاں سے وہاں تک آلیٹ کی خوشبو پھیل گئی، یک ایک مائی کو ایک لائی آئی اور وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر دواں روم کی سمت بھاگی، اس صورتحال پر آئی کا چہرہ اندرونی سرت کے احساس سے جھلگنے لگا، وہ اس کے پیچھے ہی بھاگی تھیں، مائی بڑھا لی تو لیے سے منہ صاف کرتی ہوئی واپس آ رہی تھی۔

”مائی تم... ماں بننے والی ہو“ انہوں نے اسے کندھوں سے تھام لیا، اس نے اثبات میں سر ہلایا تو انہوں نے بے اختیار اس کا چہرہ چوم لیا۔

”میرے مالک میں تیری شہرگزار ہوں، تو نے مجھ کو بچا کر فریاد سن لی۔“ سمیرا اب کا شکر بچا لائیں، انہوں نے مابینہ کو اپنے بازو کے گھیرے میں لے لیا تھا، بہت پیارا رہا تھا انہیں اس پر۔

”آئی پلیز میری بات سنیں۔“ اس نے انہیں متوجہ کیا۔

”زخرف کو یہ بات معلوم نہ ہو۔“ اس کا لہجہ مائی تھا، سمیرا بیگم نے قدرے استعجاب سے اسے دیکھا۔

”کیا ابھی اس کی سوچ نہیں بدلی۔“ جواباً مابینہ نے سر جھکا دیا، تو انہوں نے بغور اس کے ہنسنے کو سرور دیکھا۔

”چلو آؤ میں تمہیں تمہارے کمرے تک چھوڑ دوں، غے فکر رہو میں زخرف کو کچھ نہیں بتاؤں گی، حالانکہ یہ بات زیادہ عرصے تک اس سے چھپا ناممکن نہیں ہے، دوپہر کو میں تمہیں ڈاکٹر مریم کے پاس لے چلوں گی۔“

”ٹھیک ہے آئی۔“ مائی نے ان کے ساتھ قدم بڑھانے، آئی اسے آرام کرنے کا کہہ کر چل

گئیں وہ گرینی کو خوشخبری سنانے کے لئے بے چین تھیں۔

اس کی طبیعت ان دنوں بہت سست رہنے لگی تھی، لیکن وہ پوری کوشش کرتی تھی کہ زخرف کی قسم کا شک نہ ہونے پائے، یہی بدایات سمیرا بیگم نے گھر کے چیدہ چیدہ افراد کو لکھی تھی کہ زخرف کو اس بات کا کوئی الحال بتائیں چنانچا چاہے کہ وہ باپ بنے والا ہے، جہاگیر احمد تو اپنی شریک حیات کی زبانی یہ بات سن کر اس قدر برم برم تھے سمیرا بیگم نے بالکل ان کا غصہ ٹھنڈا کر لیا تھا، سمیرا سے قاصر تھے کہ زخرف ایسا کیوں چاہے تھے، سب ہی اس خبر سے خوش تھیں خوش منانے سے قاصر تھے، البتہ آتے جاتے گھر کا فرد اپنے طور پر مابینہ کو اپنا خیالی رکھنے کی تاکید کرتا تھا، مابینہ خود بھی بہت محتاط تھی، رات جب اسے روم میں آئی تو زخرف اس کا چہرہ دیکھ ٹھٹھک گیا، پھر نہ جانے کیا خیال آیا کہ وہ بیٹھا۔

”تم دو اتو لے رہی ہونا۔“ اس نے کور بھڑائی مائی کو مخاطب کیا۔

”آہاں دوا لے رہی ہوں۔“ اس سائڈ ٹیبل سے موبائل اٹھا کر الارم بچک زخرف کو خیال بھی نہیں آیا کہ آج وہ اس کے نہیں ملاری۔

”شاہ زر کی شادی کے لئے شاپنگ کرو گی، ایسا کر دل تیار رہتا میں تمہیں شام لے چلوں گا۔“ زخرف نے کہا تو اس نے مابینہ بھری، ثانیہ کا فون آیا تو زخرف اس سے باز کرنے لگا، جہاگیر احمد اور سمیرا بیگم تو ثانیہ کا آتے ہی اصرار بڑھ رہے تھے وہ زخرف گرینی سے بائیں کر کے دل ہی بہا لیتی البتہ ہر کال میں وہ شاہ زر کی واپسی کے

میں استفسار ضرور کرتی تھی اسے امید تھی کہ شاہ زر کے لوٹنے پر اس کی سزا ختم ہو جائے گی۔

شاہ زر کی شادی کے دن زخرف آتے جاتے رہے تھے، دس روز پہلے رہا اور خوشبو اپنے والد احتشام الحق کے ساتھ پاکستان آگئی تھیں، انہوں نے صغیرہ لاج کے نزدیکی ایک بنگلہ کرائے پر لے لیا تھا، مابینہ سے ایک دن پہلے شاہ زر اور زخرف اسلام آباد آ گئے تھے، ثانیہ کو لینے کے لئے لیٹن وہ نہیں آئی اس کے پاس معاذ ابراہیم کی چٹاری کا بہانہ موجود تھا، خوشبو کی مابینہ میں بدلہ لگ کر کے کے لئے خوشبو اور بارکی فریڈز کے علاوہ احتشام الحق کے کچھ دوستوں کی تیسلر بھی موجود تھیں، شاہ زر بھی بعد تھا کہ وہ خوشبو کی مابینہ میں شرکت کرے گا، عادل چاہوئے ایک زوردار دھپ

رہسید کر کے اسے باز رکھا تھا، عدل کے دوستوں نے اپنے گانے سن کر مہمانوں کو کافی محسوس کیا تھا، شاہ زر کی مہندی والی شام ایک جاگ شاہ زر آ گیا، امینہ ہاؤس اور صغیرہ لاج میں یہاں سے وہاں تک مسرت کی لہر دوڑ گئی، وہ اپنی اسی قدر پذیرائی پر کچھ دیر کے لئے کم سم ہو گیا تھا، آئی زخرف کے ساتھ دوڑی آئی تھیں، گرینی شاہ زر کے سہارے پیچھے آئی تھیں مائی تو پہلے ہی اس کے پیلو سے لگی بیٹھی تھی، وہ سب امینہ ہاؤس میں بیٹھے بیٹھے ہی رات کر دیتے کہ زخرف کو خیال آیا اور وہ بول پڑا۔

”اس قدر کام پڑا ہے، شاہ ریز اب ادھر ہی رہے گا ہمارے درمیان سب لوگ اپنی اپنی چٹاری شروع کر دیں۔“ اس کے کہنے کی روٹی کچھ میں اچھل پیدا ہو گئی، ماسوائے مابینہ کے وہ اب بھی شاہ ریز کے بازو سے گال نکاتے اس سے کچھ کہہ رہی تھی۔

”مسز مریخاں ہے کہ مہمانوں کو آپ ہی

رہیو کریں گی، شاہ ریز کو کچھ دیر آرام کرنے دیجئے پھر اسے بھی فنکشن اینڈ کرنا ہے۔“ اب مائی کو اٹھنا ہی پڑا، البتہ گرینی ادھر ہی اسو جان کے پاس بیٹھی، وہیں شاہ ریز بھی اپنے کمرے میں چلا گیا۔

☆☆☆

مابینہ نے آئینے میں اپنی چٹاری کا تنقیدی نظر سے جائزہ لیا، سرخ بناریس مٹی میں بڑا سا دوپٹہ اور چوڑی دار پاجامے میں اس کی رنگت دیکر رہی تھی، بالوں میں ڈال کر پرانہ ڈالا تھا، اس کی نظر اپنے دو دوپٹوں پر پڑی تو وہ چونک کر ابھک کر ڈیڑھ ٹیبل کی دراز سے ایک براؤن ٹمپلیں نکال کر اس میں گولڈ کی نیس پازیب رکھی تھی، یہ اسے زخرف نے شادی کی سالگرہ پر گفٹ کی تھی، وہ بیڈ پر بیٹھ کر کیس میں سے پازیب نکال لی، تب ہی دروازہ کھول کر زخرف کمرے میں داخل ہوا، وہ تیار ہوئے آیا تھا، مائی کو دیکھا ہوا روپ دیکھ کر اس نے شرارت سیٹی بھائی۔

”او ڈا میں پہنا دوں۔“ اس نے پازیب مائی کے ہاتھ سے لے لی، پازیب پہنانے کے بعد اس نے مائی کے دونوں ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھام لئے۔

”بتا بے مائی، مجھے لگتا ہے کہ میں جلد اس خوف سے چھٹکارا پالوں گا جو اب تک سمیرا کے دل کے ایک گوشے میں چھپا بیٹھا ہے، تمہیں کونے کا خوف، جدا ہونے کا خوف، میں زندگی کے آخری لمحے تک تمہارے رنگ جینا چاہتا ہوں۔“ اس نے مابینہ کے ہاتھوں کو اپنے کمرہ لہوں سے چھوا، مائی کا دل جیسے سیلیوں میں ٹھوکر مارنے لگا، لکٹی ہوئی بات چھپا رہی تھی وہ اس شخص سے، سچ تو یہ تھا کہ زخرف پر کچھ ہی عرصے میں اس کی

حقیقت عیاں ہو جاتی تھی، اس وقت کیسے وہ اس کا سامنا کر پائے گی، زخرف کے رد عمل کے خیال سے ہی اس کا دل پیٹنے لگا، اس کی ناراضگی کے خیال سے اسے خوف آنے لگا، زخرف نے سرشاری کے عالم میں اس کے چہرے کے بدلے ہوئے رنگوں پر دھیان ہی نہیں دیا، اسی وقت دروازہ کھول کر شاہ زرنے بھاگنا۔

”تم یہاں بیٹھ کر رو ماس بھار رہے ہو، نیچے لان میں مہمان آنا شروع ہو گئے ہیں، انی نے ہاہیکو کو نیچے بلایا ہے، براہ ہرانی اسے جانے دو۔“ شاہ زرنے زخرف کی کھچائی کی تو مامی جھینپ گئی اور زخرف کی گرفت سے اپنے ہاتھ نکال کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

”تمہیں یقین ہی نہیں آتا ہے، جب دیکھو میرے رو ماس کا مڑا کر کرنا آموذہ ہوتے ہو۔“ وہ برے برے منہ بناتا ہاتھ دم میں مٹس گیا، جبکہ مامی بیروں میں نفیس چینل پہن کر شاہ زرنے کے ساتھ ہی باہر نکل آئی، شاہ زرنے کمرے میں چلا گیا جبکہ وہ لان میں چلی آئی، جہاں مہندی کی تقریب کے انتظامات کئے گئے تھے۔

شاہ زرنے کی باتات والے دن اس نے سسر عظیم کو کام سے کہتے نہ تھا۔

”سسر جھانگیر اب تو آپ بھی وادی نہیں گی۔“ بام سکرار مگر علیہ کو جواب دیے لگیں تھیں اور وہ جس نے بے دھیانی سے یہ بات کہی تھی، عدن کے بلاوے پر سر جھٹک کر راج کی جانب بڑھ گیا، مگر آج وہ سر جھٹک نہیں پایا۔

”ہاہینہ اب بہت خیال رکھنا، جھیل دفعہ کی طرح بے احتیاطی مت کرنا، تم بہت ویک ہو۔“ زخرف کے قدم اپنی جگہ پر چم سے گئے، اسے سکریت کی طلب محسوس ہوئی کی تو وہ درخت کی اوٹ میں کھڑا سکریت کے کش لگا رہا تھا، جب

پچھلے سے آئی ڈائریسٹری کی آواز نے اسے جھمکدیا تھا، ہاہینہ جواب کبھی نہیں دیتی تھی۔

”آئی میرا بہت خیال رکھتی ہیں، میری ڈائٹ کا میڈیٹین کا۔“ اب زخرف کی آنکھوں کے آگے ایک ایک منظور وٹن ہوتا چلا گیا، مام کا ڈائٹنگ ٹیبل پر ہاہینہ کو اصرار سے ایک ایک چیز پیش کرنا، اسے آرام کی تاکید کرنا، ایک بار بھی اسے شک نہیں ہوا تھا، وہ بھٹتا رہا کہ مام اپنے گزشتہ رویے کی طمانی کر رہی ہیں، جبکہ وہ تو اسے لے سز دیکھیں کہ ان کی بہو عقیق کے سر ملے سے گزر رہی تھی اور وہ زخرف جھانگیر چراغ تلے اندھیرا کے مصداق بے خبر رہا، بلکہ بے خبر رکھا گیا، بیوقوف بنایا گیا، اس کے دماغ میں جھگڑ سے چلے گئے، اپنی سے اسے اس دھوکہ کی امید نہیں تھی، وہ اسے بار بار چکا تھا کہ اسے اولاد کی ضرورت نہیں ہے، وہ ہاہینہ کو کی امتحان میں نہیں ڈالنا چاہتا، اسے کھونا نہیں چاہتا، پھر بھی اس نے مام مانی کی اپنی ذات کو پچھر سے امتحان کی نذر کرنے چلی تھی، اس کے دوجو میں توڑ پیچڑ ہوئے گی بھی، ایک دم اس کے لیوں سے سسکی خارج ہوئی، جلتی ہوئی سکریت کے شیط نے اس کی انگلیوں کو پھونچا تھا، اس نے سکریت پیٹیک کہ اپنی انگلیاں دیکھیں جن کی پوری سرخ و سوری تھیں، اس نے بہت جتن کی اور اپنے کمرے میں آ گیا، دل تو چاہ رہا تھا کہ سب کچھ نہیں کر دے یا پھر خود کو لگا دے، وہ جان گیا تھا کہ دکھ اب اس کی ناک میں ہیں، موقع ملتے ہی ان کا وار چل جائے، موقع کی نزاکت کا خیال کر کے اس نے خود پر ضبط کے پیرے بٹھائے اور وادش روم میں جا کر پچھرے پر پانی کے چھینٹے ڈالے، باہر نکل کر اس نے تو لے سے منہ صاف کیا اور بالوں میں انگلیاں بھیرتے ہوئے واپس لان

میں آ گیا، جہاں ڈنر شروع کیا جا چکا تھا۔

وہ اندر ہی اندر اٹھ رہا تھا، اسے خود خیر نہیں تھی کہ اگر کوئی اس سے مخاطب ہوا تھا تو اس نے جواب میں کیا کیا تھا، تقریب ختم ہونے تک اس نے ٹیبل خود کو سنبھال رکھا تھا، تمہاؤں کے رخصت ہوتے ہی وہ اپنے کمرے میں آکر بستر پر ڈھیر ہو گیا تھا، پچھہر بعد مامی کمرے میں آئی تھی، وہ پینچ کر کے واپس باہر چلی گئی، زخرف کو سوتا جان کر اس نے مخاطب کرنے کے گریز کیا تھا، جبکہ وہ جو آنکھیں بند کئے اندھا حالیا ہوا تھا، دانت پر دانت بھا کر خود کو کچھ کہنے سے باز رکھا تھا، اندر ایک شہر برپا تھا، جس کا انتقام ہونے میں ہی نہیں آ رہا تھا، لان میں سناٹا چھا گیا تھا، وہ بستر سے اتر اور گلاس وال کا پردہ سینٹا سامنے لان میں محض نظر آ رہا تھا، لان میں کا کا کاش ہی روشن تھیں اس نے سکریت ہی لگا لیا اور بے قراری سے کمرے میں ٹپکنے لگا، وہ کہیں بھاگ جانا چاہتا تھا ان سوچوں سے دور جو اسے زیر ہلے ناگ کی طرح ڈس رہی تھیں اس ماحول سے دور جو اسے حراساں کر رہا تھا، اس اذیت سے دور جس سے وہ پھپھلے اٹھنے سے گزر رہا تھا، بچتا وہ ضبط کر رہا تھا اندر اپنی شور بومیاں سن رہا تھا، اسے ڈر محسوس ہوا کہ اس کی یہی کیفیت رہی تو کہیں اس کی دماغی شریان پھٹ نہ جائے، اس نے ٹیبل پر پڑا نگدان اٹھایا اور بے اختیار دیوار پر کھچ مارا اور پچھر سردوں ہاتھوں میں تھا مگر کمرے پر بیٹھ گیا۔

نجانے اسے اس طرح بیٹھنے کتنی دیر ہو گئی تھی، آہٹ پر اس نے سر اٹھایا مگر دروازہ کھول کر کمرے کے اندر داخل ہوئی تھی، اسے صوفے پر بیٹھا دیکھ کر وہ حیران، کچھ دیر بیٹھ کر وہ بیڑہ رسوا ہوا تھا، وہ اس کی جانب بڑھی، تو اس کے بیروں

میں اپنے سلیپر کے نیچے کمرے کے کمرے پر پڑا بیٹھا بیٹھ گئی۔

”کیا ہوا زخرف؟ یہ نگدان کیسے ٹوٹا؟ اور تم تو سوچے تھے۔“ اس نے ایک ساتھ کی سوال کر ڈالے، وہ ایک ایک ایسے دیکھ رہا تھا، اس کی آنکھیں پورے گورے تھیں اور پچھرے پر تھاق کی کیفیت تھی، ایک مگر سے کے بعد وہ اس کی کیفیت دیکھ کر خوفزدہ ہوئی تھی، مگر نہ اب تو وہ اس کے لئے سرپا بخت تھا، پر آج اس کی سرخ آنکھیں۔

”زخرف!“ اس نے پھر پکارا وہ اٹھ کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

”کیوں کیا تم نے ایسا؟“ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کے کندھوں پر جمائے اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ پوچھ رہا تھا۔

”کیوں تم نے مجھے دھوکہ دیا؟“ اس کا لہجہ برف کی طرح سرد تھا۔

”زخرف مجھے درد ہو رہا ہے۔“ اس کی آنکھوں میں پانی آ گیا، زخرف کی انگلیاں لوہے کی سلاخوں کی طرح اس کے کندھوں میں گڑی جا رہی تھیں، آج نہ کیوں وہ مامی کی تکلیف سے بے نیاز بناتا تھا۔

”مجھے بھی درد ہو رہا ہے مامی، بہت زیادہ درد ہو رہا ہے، تم میرے سوال کا جواب دو، تم پر کیلیت ہو؟“ اس کی آواز بھاری ہو رہی تھی، مامی نے ایک دم نظر چرائی، اب ہی زخرف کو جواب مل گیا، مگر وہ اس کی زبان سے سننا چاہتا تھا، جو اس کی گھرگ میں ہی ہوئی تھی۔

”میں تمہاری زبان سے جواب سننے کا منتظر ہوں۔“ اس نے اپنا مطالبہ دہرایا، ہاہینہ نے نظریں جھکا دیں اور دیکھتے ہوئے کچھ میں بولی۔

”میں نے اسے ڈر سے مجھیں نہیں بتایا کہ تم

خفا ہوئے۔

”میں نے بارہا تمہیں جتایا کہ مجھے بجے کی ضرورت نہیں ہے، میں تمہیں کسی امتحان میں نہیں ڈالنا چاہتا، لیکن تم اپنی مانی کر کے رہیں۔“ وہ پھٹ پڑا۔

”اب جب تک تمہاری ڈیلیوری نہیں ہو جاتی میں روزمرہ کا روز بچوں گا، کہیں تمہیں کچھ ہونے چاہئے، میں تمہیں سونہ دوں، اس طرح موت سے پہلے بار بار مرنے کی اذیت مجھ سے سہی نہیں جائے گی، اب بتاؤ زمین کے کس ٹکڑے پر جا کر بس جاؤں کہ یہ خوف میرا دامن نہ پکڑے۔“ وہ اب مائی کے کندھوں سے اپنے ہاتھ ہٹا چکا تھا، اس کے لفظ لفظ میں درد چڑھا ہوا تھا، وہ بہت ٹانا ہوا لگ رہا تھا۔

”ذخرف روزانہ ہزاروں عورتیں تخلیق کے مر طے سے گزرتی ہیں، تم خواہ مخواہ خوفزدہ ہو میں۔۔۔۔۔“

”مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا، لیوی الون۔“ اس نے ہاتھ کے اشارے سے مائی کو جانے کا کہا مگر وہ اپنی جگہ کھڑی رہی، ذخرف کا وحشت زدہ انداز اسے خوفزدہ کر رہا تھا، لیکن وہ خود کچھ کرنے، کوئی نقصان نہ کرنے لپٹا، چند لمحوں میں مائی کے جانے کا انتظار کیا، مگر جب وہ اپنی جگہ پر کھڑی رہی تو وہ خود لمبے ڈنگ بھرتا کرے سے باہر نکل گیا، مائی نے سوچا کہ وہ اس کے پیچھے جائے، مگر اس خیال سے باز رہی کہ کہیں وہ مزید خفا نہ ہو جائے، وہ بھڑائی انداز میں ہاتھوں کو کھینچی ہوئی بڑبڑا رہی تھی۔

”اب کیا ہوگا؟“ سوالیہ نشان اسے چڑھا ہوا تھا، وہ جانتی تھی کہ ذخرف کی محبت کی طرح اس کا غصہ بھی شدید ہے، جب کائی دیر تک وہ کمرے میں واپس نہیں آیا تو وہ ہلکی ہلکی کرے سے

باہر نکلی، لاؤنج میں، کچن میں، ٹیرس پر ہر اس جگہ دیکھا جہاں اس کی موجودگی کا امکان ہو سکتا تھا، آخر میں وہ لان میں لگی تو اس کا دل دھل گیا، پورچ میں اس کی گاڑی موجود تھی، وہ گھر سے باہر جا چکا تھا، لاؤنج میں واپس آ کر اس نے ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا کر شاہ زکریا کی نمبر مایا، اس کے ہاتھ بری طرح کانپ رہے تھے، تیسری تیل پر شاہ زکریا نے کال یک کر لی۔

”شاہ زکریا ذخرف نہیں چلا گیا ہے، اسے میری پکڑی کا پتا چل گیا ہے وہ بہت غصے میں تھا، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔“ وہ رو دینے کو چلی۔

”میں تمہارے پاس آ رہا ہوں، مگر میں کسی اور کو پتا ہے۔“ شاہ زکریا پوچھنے لگا۔

”نہیں میں نے اسی عرصے سے تمہیں فون کیا کہ کوئی جاگ نہ جائے۔“ اس کی بات سہمے ہوئے کے بعد شاہ زکریا نے فون بند کر دیا، دس منٹ کے بعد وہ بدلے ہوئے طبعی میں اس کے سامنے کھڑا تھا۔

”مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے اسے کب بتایا۔“ شاہ زکریا چہرے پر گہری چیدگی کی چھاپ تھی۔ ”شاہ زکریا میں نے اسے نہیں بتایا، پتا نہیں اسے کیسے معلوم ہوا، میں روم میں گئی تو وہ میلے سے موجود تھا۔“ اس کے بعد وہ سب بتاتی چلی گئی، اس کی نظریں گھٹی ہوئی تھیں، بھائیوں کے سامنے اس کی بات کرتے ہوئے اس کی زبان لوکھڑا رہی تھی، شاہ زکریا بھی آچکا تھا اور خاموشی سے سارا قصہ سن رہا تھا۔

”میرا خیال ہے ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیے، اس کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں لگ رہی، ہمیں فوراً اسے ڈھونڈنے کے لئے نکالنا چاہیے۔“ شاہ زکریا نے کہا تو شاہ زکریا نے اثبات میں سر ہلایا، شاہ زکریا

نے اس کی متبیر رنگت دیکھی تو جانے سے پہلے اس کے پاس رکھا اور اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ ”ڈرنٹ دوری مائی، تم آرام کرو، ہم اسے ڈھونڈ لائیں گے۔“ ان دونوں کے جانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آ گئی اور احتیاط سے شیشے کی کرسیاں ہٹنے لگی، کچھ دیر بعد خوشبو بھی اس کے پاس آ گئی اور اس کا ذہن بجائے اس کی کوشش کرنے لگی، لیکن بے سود، اس کی جین ٹائٹس آ رہا تھا، دل بے انتہا سہا جا رہا تھا، اسے وہم ستا رہے تھے، ذخرف اس سے دور ہوتا جا رہا ہے، اسے تو خبر ہی نہیں ہوئی کہ کب ذخرف کی محبت نے اسے دل کو کچھ کیا تھا اور اب اس کا دل محبوب کی متونج جہادی کے احساس سے سہا جا رہا تھا، گھر کے بعد شاہ زکریا اور شاہ زکریا کی باتوں کو آئے تھے، انہیں ذخرف کا کہیں نشان نہیں ملا تھا، اچال چھلنے ہی سے ہی خرد ہو کر گھروں میں پھیل گئی تھی، عجیب مائی کی فضا طاری کی درد یوار پر بزرگوں کی کوئجہ میں نہیں آ رہا تھا اس نے ایسا بکجا نقد مایوں اٹھایا، پر جب شاہ زکریا نے ساری تفصیل بتائی تو وہ سب چپ سے رہے، اس کی محبت اس کی کوئجہ کے ان کے لیوں کو کچھ کہنے کے لائق ہی نہیں چھوڑا تھا۔

☆☆☆

باہر آ کر دیر بیٹھوں پر بیٹھ گیا تھا شاید ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا دماغ کو کچھ پرسکون کر دے، اس نے آنکھیں بند کر کے ایک طویل سانس لیا، مگر دوسرے ہی لمحے ایک جھلکے سے آنکھیں کھول دیں، چہرے پر خوف اور اذیت کے لمبے لمبے تاثرات ابھر آئے تھے، جیسے ہی اس نے آنکھیں بند کیں، ہند آنکھوں کے پیچھے اسے دھنڑکھائی دیا تھا، جس نے اس کی روں تک پہنچ لی تھی، اس نے مائی کو کھن میں لپٹے دیکھا تھا، وہ بے قرار

سے اٹھ کر پورچ کی جانب بڑھا ہوا سوچے سمجھے اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا جہاں گاڑی کی کاپی موجود تھی، وہ گاڑی میں آ بیٹھا اور گاڑی کے گھر سے نکل پڑا، وہ کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں تھا، سوچیں منتشر تھیں اسے یہ بھی پتا نہیں تھا کہ وہ کس سمت جا رہا ہے، گاڑی کی رفتار اس قدر تیز ہے۔

وہ کسی حادثے کا شکار بھی ہو سکتا ہے؟ بس پتا تھا تو یہ کہ وہ آنکھوں کو بند نہیں کر سکتا، وہ آنکھوں کو بند کرے گا تو وہی قاتل منظر اس کے دل کی شریانوں کو نوچ ڈالے گا سو سوس سنہاں میں، جلتے جھجکتے ٹیون سائین زندگی کا احساس لا رہے تھے، ہوائیں سرگوشیاں کر رہی تھیں اور آسمان پر چمکتا ہوا چاند اسے حسرت سے تنگ رہا تھا، اسے جوانی کی راہوں پر چل رہا تھا، اپنی منزل کو پیچھے چھوڑے جا رہا تھا۔

”میں مائی کے بغیر ہی نہیں سکوں گا، کاش کہ مجھے موت آ جائے، میں اسکی زندگی جیتا نہیں چاہتا جس میں بادیں مجھے زہر لے ناگی کی طرح بلبل دیتی رہیں۔“ لیکن نہ تو اسے موت آئی نہ ہی اس کا سفر تمام ہوا، البتہ رات نے صبح کی آغوش میں آنکھیں موند لیں تھیں، اچال چارو پھیل گیا تھا، اس کی گاڑی اب بھی رواں دواں تھی، حالانکہ اس کا پورا وجود شل ہو رہا تھا، اس نے گاڑی موڑ پر فون کی آواز پر ایک دم دھماکہ ہوا اور گاڑی فضا میں بلند ہوئی تھی، ڈپر اسکرین کا شیشہ چور چور ہوا اور کچھ شیشے اس کے کمرے اس کے چہرے اور گردن میں بھی بیست ہوئے تھے، اس کے بعد اس کا ذہن اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا۔

☆☆☆

”عمادہ اتنا کھردل کیسے ہو گیا، وہ تو میری

آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا تھا، پھر اس نے مجھے یہ جدائی کیوں سونی، اب جا کر تو میرے دل میں اس کی محبت کی تسخیر ہو چکی تھی، تو پھر اب اس نے خود کو مجھ سے دور کیوں کر دیا، کہاں کو گیا ہے وہ۔“ وہ زار و قطار رو رہی تھی۔

اس کی یہ گریہ و زاری نیک اور میرا کو بھی رلا رہی تھی، میرا نے نیک کو بلایا تھا اسے سمجھانے کے لئے کیونکہ وہ خود سے اور اپنے ہونے والے بچے سے غفلت برتنے لگی تھی، ایک ہفتہ ہو چکا تھا زخرف کو لاپتہ ہوئے، شاہ زار اور شاہ ریزا سے ہر محکمہ جگہوں پر تلاش کر چکے تھے پراس کا کابینہ کوئی سراغ نہیں ملا تھا، وہ جانے کس کوئے میں جا کر چھپ گیا تھا۔

”ماہینہ! تمہیں اپنا خیال رکھنا ہو گا، اپنے لئے اور ہونے والے بچے کے لئے، ابھی تو زخرف اس بچے کے کس سے نا آشنا ہے، اس لئے وہ ایسا انتہائی قدم اٹھا چکا ہے، وگرنہ اولاد کی زندگی کے لئے تو والدین اپنی زندگی داؤ پر لگا دیتے ہیں، تم بھی آنے والے کے لئے کچھ غلط مت سوچو اور رزق سے ناراضگی ہمارے رب کو پسند نہیں ہے، پیٹ بھر کر کھانا کھاؤ اور پھر نماز پڑھ کر زخرف کی واپسی کے لئے دعا کرو، جذبات میں آکر وہ ایک سنگین غلطی کر چکا ہے، جیسے ہی اسے احساس ہو گا وہ لوٹ آئے گا، چلو ڈائینگ ہال میں چل کر کھانا کھاؤ۔“ اس دوران سمیرا کمرے سے باہر جا چکی تھیں۔

”مما میرا دل نہیں چاہ رہا۔“ اس نے پس و پیش کی۔

”ماہی! تمہارا شو پر گھر چھوڑ کر گیا ہے، جہاں گھر بھائی اور سمیرا کا اکلوتا بیٹا لاپتہ ہے، تمہیں ان کے دکھ کا احساس کرنا چاہیے، تم جانتی ہو کہ سمیرا ہمارے پیٹھن ہیں۔“ نیک نے اسے رساں

سے سمجھا، تو وہ آنسو صاف کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی، نیک نے آگے بڑھ کر اپنی لادلی کی پیشانی چوم لی۔

”جانے کیسا نصیب کھسکا کر لائی ہے۔“ وہ نیک کی سنگت میں بیڑھیاں اترتی ہوئی ڈائینگ ہال میں آگئے جہاں سب افسردہ چہروں کے ساتھ اس کے منتظر تھے۔

☆☆☆

وقت آگے بڑھتا جا رہا تھا، بارشوں کا موسم آ کر گزر گیا تھا، پھر بہار نے ہر سو اپنا دامن بچھلایا، دبا ہر طرف پھول ہی پھول جلوہ دکھا رہے تھے، مگر جانے والا اب تک لوٹ کر نہیں آئی تھا، ان ہی بہاروں میں سے ایک دن تھا، گرہنی کو اجاگ کر گھبراہٹ محسوس ہوئی تھی، عدنان ڈاکٹر کو فون کرنے بھاگا، مگر ڈاکٹر کے آنے سے پہلے ہی گرہنی کے دل نے دھڑکن بند کر دیا تھا، زخرف کے جانے کے بعد انہوں نے اندر ہی اندر گھٹنا شروع کر دیا تھا، باہمی کی اجڑی ہوئی حالت ان سے دیکھی نہیں جاتی تھی، گرہنی کی وفات کی خبر سن کر تیسری بھی معاذ اللہ ہم کے ساتھ ایک دن کے لئے آئی تھی، گرہنی کی جدائی نے سب کو بلا ڈالا تھا، مرنے والے پر تو برا آتا ہے پر وہ جس کی زندگی کی امید باقی ہو اس پر کس طرح صبر کیا جائے، آئی آن باہی کو ڈاکٹر مریم کے پاس چیک اپ کے لئے لے کر گئی تھیں۔

”اب تم ڈیلی واک کیا کرو۔“ ڈاکٹر مریم نے دہمیت کی تو ماہینہ نے اثبات میں سر ہلا دیا، آئی عجیب کیفیت کا شکار تھیں، کتنا ارمان تھا انہیں زخرف کے بچے کو کھلانے کا، اب یہ ارمان پورا ہونے والا تھا، تو وہ ہی موجود نہیں تھا جس کے حوالے سے سب سوچ رہا تھا، ان کا روم روم اس کی واپسی کے لئے دعا گو تھا، اس کے بچے کی

خوشی وہ اس کے ساتھ منانا چاہتی تھیں پر وہ لوٹنا تو سہی، دونوں ہسپتال سے گھر آئیں تو سویرا تین ماہ کی رہا ہے کے ساتھ ان کی منتظر تھی، وہ ایک ہفتے کے لئے سیک آئی تھی تو ان سے ملنے آئی تھی، خوشیوں کے بارے میں کسی اچھی خبر کی منتظر تھی۔

”سب آئیں سویرا؟“ آئی نے پوچھا جبکہ ماہی نے اس کی بیٹی کو لینے کے لئے بازو بڑھائے، اس کی کپلوٹی بچی کو دیکھتے ہوئے اس کے لبوں پر بھولی ہنسی مسکان اٹھ رہی تھی۔

”میں کچھ آفس جاتے ہوئے ڈراپ کر گئے ہیں۔“ سویرا نے بتایا۔

”دُور ہماری طرف ہی کرنا۔“ سمیرا بیگم نے لگاوت سے کہا۔

”آج تو نیکلم مانیے مینو میری پسند کا رکھا ہے، زخرف کی کوئی خبر ملی۔“ اس نے جھجک کر پوچھا۔

”بھئی البتہ پچھلے دنوں آفس کے میجر کی جانب سے اطلاع ملی تھی کہ اس کے بھائی نے صوبہ بلوچستان کے کسی علاقے میں اسے دیکھا تھا، شاہ زور نے ایک ہفتے تک اسے وہاں بھی ڈھونڈا مگر بے سود، اس کا کوئی نشان نہیں ملا۔“ انہوں نے سر دھجھک کر بتایا جبکہ مسکرائی ہوئی ماہی کی مسکراہٹ سب کی تھی اور اس کی آنکھوں میں دھند بھرتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

”میں نہیں جانتا کہ مجھے گھر سے نکلے کتنا عرصہ ہو گیا ہے، لوٹنا تو چاہتا ہوں، پر اس حالت میں مجھے دیکھ کر میرے ایڈوں کے دل دکھ سے بھر جائیں گے، اپنی ذات سے اپنے جانے والوں کو پہلے ہی اس قدر دکھ دے چکا ہوں، میں نہیں جانتا کہ مجھے تک سب اس حالت میں رہنا ہے، ہاں میں

دوبارہ میں کھڑی ہے، اس سے نظر آتی سورج کی کرنیں بتا رہی ہیں کہ اب دن اپنے اختتام کو پہنچنے والا ہے، میری سوچوں کا تسلسل ٹوٹ گیا ہے، کمرے کا اکلوتا دروازہ کھول کر منصف اندر داخل ہوا ہے۔“

”لالہ! چلو کھانا کھاؤ۔“ اس نے ہاتھ میں پکڑی ٹرے تپاتی پر کرسی اور مجھے نوالے بنا کر کھلانے کی کوشش کرنے لگا۔

”منصف مجھے بھوک نہیں ہے۔“ میں نے مخصوص فقرہ دہرایا۔

”لالہ! تمہیں کھانے کے بعد دوا لینی ہے، دو بار پہلے ہی تم کھانے سے انکار کر چکے ہو، اب تو شام ڈھل رہی ہے، فرحت لالہ آتے ہی پوچھیں گے کہ تم نے دوا لی نہیں۔“ وہ زبردستی نوالے بنا کر مجھے کھلانے لگا، میں اٹھ کر بیٹھ بیٹھ سکنا، اس حالت میں لینے لینے میں شدید اذیت سے پل پل کرتا ہوں، مگر پھر بھی اب میں یہ نہیں سوچتا کہ اس روز مجھے موت آگئی ہوئی، پھر بھی بعض اوقات سوچیں مجھے پاگل کرنے لگی ہیں، حافظ برکت اللہ کہتے ہیں کہ موت اور قدرت آسمان پر کھار کھا ہے، نہ اس سے ایک پل کم جی سکتے ہیں نہ ایک سانس زیادہ اور میں کتنا تنگ پایاں تھا جو ڈرتا تھا کہ نہیں مانی کو کچھ ہو جائے۔

حافظ برکت اللہ کہتے ہیں کہ کیا بتا اس سے پہلے تمہاری تھا آجائے یام سے پہلے میری تھا آجائے جان تو سب کو ہے، ہمیں یہاں اس فانی دنیا میں ایک مقصد سے بھیجا گیا ہے اور ایک دن ہمیں لوٹنا ہے اور اس دن کے انتظار میں ہمیں اپنے اعمال کو بہتر بنانا ہے، ہمیں اپنے رب کے جتانے ہوئے رستے پر چلنا ہے، میری سوچوں کا تسلسل پھر سے ٹوٹ گیا، منصف دوا لی لئے سامنے کھڑا تھا، اس نے کپھول آگے بڑھایا تو

میں نے منہ کھول دیا۔

”حافظ صاحب فارغ ہو گئے۔“ کچھ دیر بعد میں نے پوچھا، حافظ صاحب کھر سے متصل مدرسے میں حفظ القرآن کی تعلیم دیتے تھے۔
”نچے پڑھ کر چاہئے ہیں، آپ جانتے تو ہیں عصر سے مغرب کے درمیان پڑھائی نہیں ہو سکتی، بابا آپ کے پاس ہی آرہے تھے، کراڈوں کے چند لوگ کسی مسئلے کا معلوم کرنے کے لئے آگئے ہیں، میرا خیال ہے کہ مغرب کی اذان پر ہی نشست تمام ہوگئی۔“ منصف مغرب کی اذان تک اس کے پاس بیٹھا رہا، اذان کی آواز آئی تو وہ اٹھ کر نماز ادا کرنے چلا گیا، بہت سوچنے اور غور کرنے پر بھی مجھے یاد نہیں آتا کہ کبھی ممانے مجھے نماز کی تائید کی ہو، یا تائید کو نماز نہ پڑھنے پر ڈانٹا ہو، ان کی تمام تر توجہ اس بات پر ہوتی تھی کہ ڈیڈ اور ان کے اپنے سرال والے ان سے خوش ہیں، بہترین ہوگا تا نسل ان کے ہاتھ ہی رہے، سوچوں کا حال پھر سے بننے لگا تھا، حافظ صاحب کہتے ہیں کہ دین میں توازن لکھنا ہے، کوئی بھی جذبہ ہو اگر توازن برقرار نہ رہے تو لگاڑ پیدا ہوتا ہے اور یہی میرے ساتھ ہوا ہے، اللہ کی ربی کو قہار مگر رکھتا تو شاید یہ دن دیکھنا نہ پڑتا، مابقی کی محبت میں اس قدر آگے بڑھ گیا تھا کہ یہ بھی نہیں سوچا کہ وہ میرے بچے کو ختم دینے والی ہے اور میں اسے اسی بات سے روکتا رہا، جب مانی نے میرے ناظرانی کی تو مجھ سے سہا نہیں گیا، مجھے محسوس ہوا کہ وہ مجھ سے جدا ہوا جس کی حالانکہ جو جس دنیا میں آیا ہے، اسے واپس تو جانا ہی ہے، میری سوچوں کا سلسلہ فرحت اللہ کی آمد سے ٹوٹ گیا ہے، اس نے بلند آواز میں مجھے سلام کیا ہے، سنہری آنکھوں والا یہ نوجوان مجھ کو اپنی طور پر مجھ سے مشابہ تھا، خود سے میری مشابہت نے ہی اس

کے دل میں میرے لئے، پہلے ہمدردی ترس اور بعد ازاں محبت پیدا کر دی، یہی وجہ ہے کہ اس نے مجھ سے یہ باپ بیٹے میری ذمہ داری اٹھا رہے ہیں۔
”پہلیت کسی ہے تمہاری؟“ وہ میرے بیڈ کی پانچویں پر چڑھا ہے، جواب میں افسردگی سے مسکرایا، اسے وجہ جاننے میں دیر نہیں، مجھ لگتا ہے کہ فرحت اللہ میری سوچوں تک رسائی پانے لگا ہے۔
”تمہارے لئے ایک اچھی خبر ہے، میرا ایک دوست لندن میں مقیم ہے، وہ ایف آر سی ایس کرنے گیا ہے، میں نے تمہاری رپورٹس لندن بھجوائی تھیں، امید افزا بات یہ ہے کہ وہاں کے ڈائریکٹر کا کہنا ہے کہ تم ان کی تجویز کردہ دواؤں کے استعمال سے جلد چلنے پھرنے لگو گے، جلد ہی دوا میں بھی پہنچ جائی گی۔“ اس کی سنہری آنکھیں جھجک رہی تھیں، وہ حافظ ہرکت اللہ کا بڑا بیٹا ہے، پیشے کے اعتبار سے ڈاکٹر تھا، ان علاقے میں اس کا کلینک ہے، وہی تھا جو جوشی حالت میں مجھے اپنے گھر لے کر آتا تھا، وہ جانتا ہے کہ اس وقت میری حالت کافی خیردش تھی، میں کی دلوں تک ہوش و خرد سے بیگانہ رہا تھا۔
”آج میں تمہارے لئے بہت مزے کی کتاب لایا ہوں، مجھے بہت پسند ہے، ہو سکتا ہے تم نے بھی پڑھ رکھی ہو۔“ میری خاموشی محسوس کر کے اس نے موضوع بدلا، میں پھر بھی خاموش رہا۔
”آج رات کا کھانا بنانے کی ذمہ داری میری ہے، میں نے سوچا ہے کہ میں تمہاری پسند کا کھانا بناؤں گا، تو پلو کیا کھاؤ گے؟“ وہ صراحت کے ساتھ پوچھ رہا تھا اور مجھے جرأت کے ساتھ وہ دن یاد آگیا جب مانی نے مجھے خوش کرنے

کے لئے بریانی بنائی تھی اور اس کا ہاتھ لگا گیا تھا، اس دن میں نے اس پر چکن میں کام کرنے پر پابندی لگا دی تھی، کہاں تو مجھے اس کی زدہ برابر تکلیف دہ تھی نہیں جانتی تھی اور پھر میں نے ہی اس کی زندگی کو اذیتوں کے اندر سے کنوئیں میں ڈھکیل دیا تھا، سوچوں کو جھٹک کر میں نے فرحت اللہ کو کھانا جو میری ہی جانب دیکھ رہا تھا۔
”کچھ بھی کھا لو۔“ میرے حلق میں کوئی ٹھنکین سا گولہ ایک گھبراہٹ اور آنکھوں کے آگے دھند چھانے لگی تھی۔
”تم اسے یاد کر رہے ہو زخرف؟“ فرحت اللہ نے میرا ہاتھ قہار کر پوچھا۔
”میں اسے یاد کرنے کی کوشش قطعی نہیں کرتا، بس وہ خود ہی میری سوچوں میں چلی آتی ہے۔“ دینی آواز مجھے خود بھی اسی کی تھی۔
”تم اسے اپنی اطلاع کیوں نہیں بھیجتے ہو، اس سے لوگ تو تمہاری بے چینی کو قہار مل جائے گا۔“ فرحت اللہ نے بار بار یہی ہوتی بات دہرائی۔
”بہنوہ اور میری حالت دیکھ کر وہ جیتے جی مر جائے گی، فرحت اللہ میں اسے تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔“ میں نے بھی بار بار یہی ہوتی بات دہرائی۔
”اگر کہ تم جلد ٹھیک ہو جاؤ گے، پھر اس کا سامنا کرنا، میں چکن کی خبر لوں، تم تو کچھ جانتے ہو۔“ اب میں اپنی پسند کا کھانا ہی بنا لیتا ہوں۔
”اوہ میرا ہاتھ ٹھپک کر چلا گیا اور میں پھر سے سوچوں میں ڈوب گیا۔

☆☆☆

فرحت کا کہنا جھگڑنے لگا تھا، لندن سے آئی دواؤں کے استعمال سے میں فرق محسوس کرنے لگا تھا، دواؤں کے ایک ماہ کے استعمال

کے بعد میں مجھنے کے قابل ہو گیا تھا اور پھر آہستہ آہستہ میرے پیروں میں جان آنے لگی تھی، حافظ صاحب اور ان کے بیٹے اس طرح خوش تھے کہ جیسے ان کا کوئی اپنا زندگی کی جانب لوٹ رہا ہو، اس رات بھی میں کھانے کے بعد حافظ صاحب کے ساتھ کھن میں وکیل جیپٹر پر بیٹھا تھا اور حافظ صاحب کی بصیرت انروز با تین رہا تھا، فرحت اللہ اپنے کلینک کی دوا میں لینے شہر گیا ہوا تھا اور منصف چکن میں رات کے کھانے کے برتن دھو رہا تھا، اچانک حافظ صاحب کے سوال نے مجھے شرسار کر دیا۔
”نماز پڑھنا اب سے چھوڑا ہے تم نے؟“
”حافظ صاحب میں نے بھی عیدین کے سوا نماز پڑھی ہی نہیں ہے، مجھے یاد نہیں پڑتا کہ کبھی مام نے ہمیں نماز پڑھنے کی تاکید کی ہو، یا قرآن پڑھنے کا حکم دیا ہو، چپن میں قاری صاحب سے قرآن پڑھنے کے بعد پھر کبھی قرآن کھانے کی نوبت نہیں آئی، کسی نے سختی تو دور نری سے بھی نہیں کہا، عموماً میں اس بات کا خیال رکھتی ہیں پر ہماری مام کی تمام تر توجہ سرال والوں کو خوش رکھنے پر تھی، مجھے یاد پڑتا ہے شاہ زری ماما کی ڈسھ کے بعد تو جو جوڑی بہت توجہ وہ مجھ پر اور چائے پر دیتی تھیں ہم دونوں بہن بھائی اس سے بھی گلے کرنے کے ساتھ ساتھ مام بھی شہر زار اور عدل کو خصوصی توجہ دے لگی تھیں، حالانکہ گاہیکہ ان کی زیادہ ضرورت تھی، وہ چھوٹی سی تھی، شاید یہی وجہ ہے کہ ہم دونوں ہی مفاد پرست ہیں، اہمارا در فرمائی سے نالہ۔“ وہ بڑبڑانے کے سے انداز میں بولتا چلا گیا اور حافظ صاحب سنتے رہے۔
”وقت اب بھی تمہارے ہاتھ میں ہے، تم نماز شروع کرو گے تو خود محسوس کرو گے کہ تمہاری

سوچ میں کس قدر تہدلی آ رہی ہے، دین ہمیں
توازن سکھاتا ہے اور توازن میں ہی بقاء ہے،
نبہاری زندگی سے اعتدال اور میانہ روی ختم ہوگئی
تھی۔“ حافظ صاحب بات ختم کر کے سونے کے
لئے چلے گئے، انہیں تھجہ کے لئے بھی اٹھنا تھا،
کچھ ہی دنوں میں، میں نے سہارے کے ساتھ
چلنا شروع کر دیا تھا اور پھر حافظ صاحب کی
امامت میں نماز کی ادائیگی بھی کرنے لگا تھا، دل
پر رکھا بوجھ دھیرے دھیرے سہارے کے لئے لگا تھا اس
طرح دو ماہ کا صرصار اور گزر گیا اور آج میں صبح
اللہ کے ساتھ اپنے پیاروں کے پاس لوٹ رہا
ہوں، حافظ صاحب نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ
میں نماز میں بھی حالت میں نہیں چھوڑوں گا اور
ان سے ملنے کے لئے آ کر ہوں گا۔

میرے ہاتھ تھام کر کہا تھا۔
”تم تو میری تنہائی کے رفیق تھے جنہیں کیسے
بھول سکتا ہوں۔“ میں اس سے بھل کر ہو گیا،
علیحدہ ہو کر میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا
جہاں میں تیر ہی تھی، میرا دل بھی جھل ہو گیا، پر
اب میں نہیں رک سکتا تھا، چھ ماہ تک میں نے خود
کو سوچوں سے باندھ رکھا تھا، بہت مشکل سے
میں لوٹنے کی ہمت جمیع کر پایا تھا اور یہ ہمت مجھے
اس باری تعالیٰ نے عطا کی تھی، جس کے حضور میرا
سر جھٹکے لگا تھا، حق کا سہارا تھا، جب میں اور
صیغت اللہ جیب میں بیٹھ کر روانہ ہوئے، جیب
صیغت اللہ ڈرائیور کر رہا تھا، دوپہر کو ہم، جیب
ڈھابے پر کھانا کھایا اور ظہر کی نماز ادا کی، جو
جوں فاصلہ ہو رہا تھا میری دھڑکنیں تیز تر ہونی
جاری تھیں، ان سب کا رد عمل کیا ہوگا، اتنے
عرصے کے بعد مجھے سامنے دیکھ کر ان کے دلی
جذبات کیا رنگ دکھائیں گے، وہ خوش ہوں

گئے؟ ناراض ہوں گے؟

☆☆☆

آئی کچھ دنوں سے اس کے کمرے میں
سو نہ لگی تھیں، جانے کب اسے ان کی ضرورت
پڑ جائے۔ آج بھی وہ سونے کے لئے کمرے میں
آئیں تو وہ سورۃ مریم کی تلاوت کر رہی تھیں، بیٹم
نے اسے تاکید کی تھی کہ روزانہ سورۃ مریم کی
تلاوت کیا کرے سو وہ رات کو سونے سے پہلے
سورۃ مریم کی تلاوت کرتی تھی، آئی بیڈ پر بیٹھ کر
اسے بغور دیکھنے لگیں، گلابی پیڑوں میں لمبوں اس
کا بھرا وجود اب ہم رنگ دوپٹے میں لپیٹا ہوا تھا
چہرے پر نوروزین آنکھوں میں حزن و دلال کا رنگ
تھمرا سا تھا، تلاوت سے فارغ ہو کر وہ آئی کی
جانب متوجہ ہوئی، جو ایک ٹک اسے دیکھ رہی
تھیں، وہ جوان کے بیٹے کے دل کا قراڑ تھی۔
”ابنی آسو پی نہیں؟“ اس نے پوچھا۔
”ہاں ایسے ہی نہیں تلاوت کرتا سن رہی
تھی۔“

”آئی آپ سو جائے میں کچھ دیر بالکونی
میں بیٹھوں گی، مجھے نیند نہیں آ رہی ہے۔“ اس
نے بے بسی سے کہا تو آئی بوٹھل دل کے ساتھ
ہلا کر بیڈ پر دراز ہو گئیں، جبکہ وہ بالکونی میں آکر
سائیز پر بھی چیئر پر اصرار سے کھٹکیں دھڑکیں
کے چہرے کو چھو کر گزر رہی تھی اور وہ اس دھڑکی
جاں کی یاد میں فکڑہ فکڑہ پھٹنے لگی، جو اسے
کے معنی سمجھانے کے بعد کہیں ہو گیا تھا، اس
چہرے کا ایک ایک نقش مائی کی آنکھوں کی
پتیلیوں میں ساکت ہو گیا تھا، اس کی سسکاہٹ
مائی کو رات رات بھر سے فرار دھکتی تھی، اس کی
آنکھوں کی چمک مائی کو وقت بے وقت رلا رہی
رہتی، اب بھی چاند کو دیکھتے ہوئے اسے زخرف
کی سنگت میں گزرے ہوئے شب و روز

بہن کرنے لگے، اسے بالکونی میں بیٹھے بیٹھے
لہا لے لےتا وقت بیت گیا تھا، کمر میں اٹھتی ردد کی
لہجیں اسے بے چین کرنے لگیں تو وہ اٹھ کھڑی
ہوئی، اب مشکل لگ رہا تھا، زخرف کی یادوں
کے سلسلے کو جاری رکھنا، کیونکہ ردد کی شدت بڑھنے
کی تھی، وہ اپنی کراہوں کا کھانا ہوتی ہوئی کمرے
کے اندر آ گئی۔
”آئی۔“ اس نے میرا ہیکم کو پکارا۔

”کیا ہوا مائی؟“ وہ بھی بیٹے کی یادوں سے
بہرہ آڑا تھیں، مائی کی پہلی پکار پر انھیں کھول کر
لے بیٹھیں۔

”میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔“ اس
نے لبوں کو پیچھ کر کراہ دہائی، میرا بری طرح بد
واس ہو کر بیڈ سے نیچے اتر آئیں۔
”تم آرام سے لیٹو بیٹھو گازی لنگھواتی
اوں۔“ وہ مرعت سے کمرے سے باہر نکل گئیں،
بدرہ منٹ کے بعد میرا ہیکم، شاہ زہر کے ساتھ
ای کو لے کر ہسپتال روانہ ہو گئیں۔

☆☆☆

شام کے سامنے ڈھل رہے تھے جب ان
کی جیب ایندولاج کے گیٹ سے اندر داخل ہوئی،
ہارمونو سا اٹھایا ہوا تھا، زخرف کے دل کو کسی
ماہانے احساس نے چھوا تھا، جب کے انجن کی
اواز سن کر اندر سے خوشبو دوڑی آئی، اسٹک کے
ہارے کھڑے زخرف کو دیکھ کر کچھ دیر کے لئے
اے سکتے ہو گیا، جب اس کے حواس کچھ بحال
ہوئے تو اس نے چیخ ماری اور بھاگ کر زخرف
کے کمرے تک آ گئی۔

”زخرف تم۔“ اسے اپنی آنکھوں پر نقین
میں آ رہا تھا، بچپن سب کا ساتھ گزارا تھا، زخرف
کی لشدگی نے اسے بھی بہت رلا دیا تھا، وہ بھی
زخرف کو دیکھ رہی تھی اور کبھی اس کے کچھ فاصلے پر

کھڑے ابھی لو جوان کو جو زخرف سے بے تحاشا
مشابہت کی وجہ سے ابھی نہیں لگ رہا تھا، بالآخر
زخرف نے ہی اس کی مشکل آسان کی۔
”خوشبو کھر کے لوگ کھر ہیں؟“ اس
کی زبان سے اپنا نام سن کر خوشبو کو یقین آ گیا کہ
اس کے سامنے کھڑا شخص زخرف جگہ گیر ہی تھا،
جس کی جدائی سے مابینہ جیسی کھلنڈری لڑکی مسکراتا
بھول گئی تھی۔

”سب لوگ تو ہسپتال میں ہیں، میں بھی
جانے ہی والی تھی۔“ اس نے بتایا۔
”ہسپتال میں خیریت تو ہے۔“ اس کا دل
یکبار گی جھڑکا تھا۔

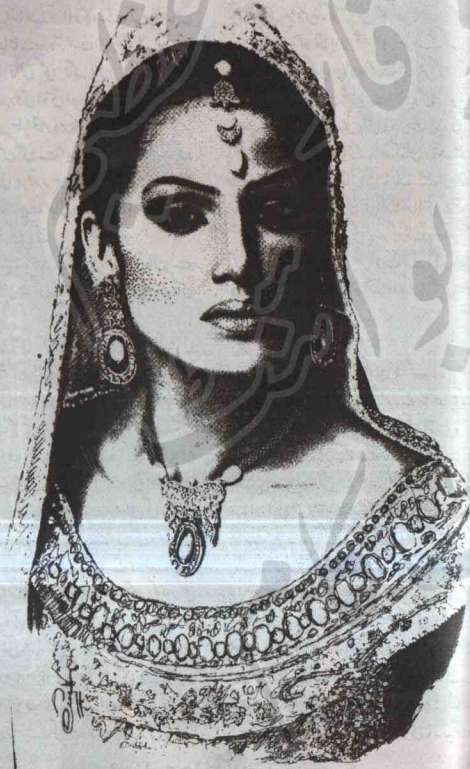
”وہ..... مائی ہسپتال میں ہے، اس کی
سیریس کنڈیشن کی وجہ سے ڈاکٹر نے کہا ہے کہ
رات تک دیت کمرے کے دگر نہ رات کو میجر
آپریشن کرنا پڑے گا۔“ اس نے جھک کر تعصیل
سے بتایا۔

وہ اسے یہ حقیقت بتاتے ہوئے شرمسار
تھی، اسی ڈر کو ساتھ لے کر تو وہ کھر سے لگا تھا،
لوٹتے ہی پھر سے اسی ڈر نے پاؤں جکڑ لئے
تھے، زخرف نے اس کی بات سن کر ایک طویل
سانس لے کر لبوں کو کھینچ لیا، پھر اب واکر کے
خوشبو سے مخاطب ہوا۔

”آ جاؤ، ہم بھی ہسپتال جا رہے ہیں۔“
خوشبو بھاگ کر اندر سے سامان لے آئی جو اسے
ہسپتال لے کر جانا تھا، ہسپتال پہنچنے پر وہاں موجود
لوگوں کی جان بھی کچھ مختلف نہیں تھا، ایک طرف تو
وہ اسے دیکھ کر بے تحاشا خوش تھے تو دوسری
جانب ہی مائی کے لئے اذہد پریشان تھے، خود
زخرف نے بھی بہت مشکل سے خود کو کنٹرول کیا
تھا، وہ لڑکی جو اندر موت و زیت کی کشش میں
جلا جاتی، وہ اس کے دل کی کیکن تھی، اس کی زہر

سچیٹ اور درویشی

سیمن



جیسے اندھیری رات میں پھٹکے مسافر کو چاندنی کا سہارا مل گیا ہو۔
”ذخرف ہم اپنی بیٹی کا نام کیا رکھیں گے؟“
”نشاہ ہم اپنی بیٹی کا نام نساہ رکھیں گے یعنی اللہ کی عطا، میری بیٹی میری طرح مفاد پرست اور خود غرض نہیں ہوگی۔“ وہ کہہ کر اپنی آنکھیں صاف کرنے لگا۔

☆☆☆

نشاہ چار ماہ کی ہو چکی تھی، ثانیہ کچھ دن رہنے مفیدہ لاج آئی تھی، وہ معاذ ابراہیم کے ساتھ آسٹریلیا جا رہی تھی، دوبارہ جانے کب وطن واپسی ہوئی، اسی احساس کے تحت میرا اور جہانگیر احمد نے بھی معاف کر دیا تھا اسے، اب بھی ایک شخص رہتا تھا جس کی معافی کی اسے ضرورت تھی، بروہ اپنے اندر جرات نہیں پائی تھی کہ اس کا سامنا کرے اس وقت بھی وہ لان میں موجود تھی کہ شاہ ریز چلا آیا وہ نساہ کو لینے آیا تھا، ثانیہ کو لان میں دیکھ کر وہ ہنسنے لگا۔

ثانیہ دھمکے قدموں سے چلتی ہوئی اس کے نزدیک چلی آئی اور بنامہ سے کوئی لفظ ادا کئے اپنے دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑ دیئے، شاہ ریز ٹوٹ گیا تھا، اس کا یہ روپ دیکھ کر وہ دو قدم پیچھے ہٹا اور ثانیہ پر سے نظر ہٹا کر بولا۔
”میں تو بہت پہلے تمہیں معاف کر چکا ہوں، بس ایک احسان کرو مجھ پر کہ بار بار میرے سامنے مت آیا کرو (مجھے اس احساس کہ ساتھ زندگی مشکل لگتی ہے کہ تم کسی اور کی ہو چکی ہو)۔“ اس کا انتہا تھا کہ ثانیہ دوڑتی ہوئی اندر چلی گئی اور شاہ ریز لوٹ آیا نساہ کو لے بنا، یہ اسے بعد میں معلوم ہوا کہ ثانیہ آسٹریلیا میں سیشن ہو گئی ہے، نیکم مہمانے ڈاکٹر مریم کو اس کے بے

☆☆☆

اسے دعا تھا کہ وہ ان دونوں سے بیک وقت دوستی بھی رکھتی ہے اور محبت بھی، بلکہ اس کا خیال تھا کہ جہاں محبت کی حد ختم ہوتی ہے وہاں سے اس کی دوستی شروع ہوتی ہے جبکہ شزا کو اس سے اختلاف تھا وہ بڑے شد و مد سے کہتی تھی کہ محبت کا جذبہ اتنا منہ زور اور تادور ہے کہ ہر احساس کو بہالے جاتا ہے وہ ”محبت ہی جہاں ہے“ کے مقولے کی قائل تھی جبکہ اس کے دل میں انسانیت، ہمدردی دوستی اور بقول شزا کے جانے کیا کیا خناس سایا تھا وہ برملا کہتی۔

”تمہیں کسی سے محبت نہیں نہ جب محبت کرو گی تو جانو گی ہر قدر ہر جذبہ پس پشت چلا جاتا ہے اور محبت جیت جاتی ہے۔“ جبکہ وہ شدت سے اختلاف کرتی۔

”یہ کیسے ممکن ہے؟ کیا محبت انسان سے اس کی انسانیت بھی چین لیتی ہے، پھر یہ کیسی محبت ہوئی۔“

ان کی بحث لمبی ہو جاتی وہ مجازی محبت کی سبز حیاں چڑھتی عشق حقیقی کی معراج کو جا چھوٹی پھر بھی وہ کبھی ایک دوسرے سے متفق نہ ہوا تیں اور اس بحث کا تیسرا کردار شعر وہ تو شزا کے عشق میں پور پور ڈوبا، اس کی اپنی کوئی رائے نہ تھی اس کے نزدیک وہی صحیح تھا جو شزا کہہ دیتی اور یہ کوئی آج سے نہیں تھا یہ تو بچپن سے تھا، ان کی یہ تینوں شروع سے ایسی ہے اور ایسے ہی تھی، وہ یعنی نازیہ، شزا اور اشعر تینوں بچپن کے دوست تھے، تینوں ہمیشہ اکٹھے پائے جاتے ان تینوں کو اور کسی ساتھ کی نہ بھی ضرورت محسوس ہوئی اور نہ کوئی احساس تھا ہی ایسا بچپن سے ہی تھا کہ شزا اور اشعر کے درمیان بلا کی ہم آہنگی تھی بلکہ یہ محبت اور قربیت اس حد تک تھی کہ ان دونوں کو اپنے درمیان کسی تیسرے کی ضرورت ہی نہ تھی یہ تیسرا

کوئی نازیہ نے خود تخلیق کیا اپنی جگہ خود بناتی اور یوں یہ تینوں وجود میں آ گئی اور تینوں کا ہر ضلع اپنی جگہ ناگزیر ہوتا ہے یہ اصول شاید اسے بچپن ہی میں سمجھ میں آ گیا تھا۔

اشعر اس کی پھپھو کا اکلوتا بیٹا تھا اور شزا ان کی مشترکہ پڑوسن، گو کہ شزا کا گھر نازیہ کے گھر سے بالکل ساتھ تھا اور اشعر اور شزا کے گھروں کے بیچ تین چار گھروں کا وقفہ تھا مگر پھر بھی اشعر کی دوستی اس کی نسبت شزا سے زیادہ تھی شاید اس کی وجہ شزا کی خوبصورتی تھی وہ بہت پیاری تھی بالکل کسی گڑیا کی مانند نازک اور حسین، جبکہ نازیہ عام سی، عام سے خدو خال کی مالک جسے ان کے ساتھ مل کر ٹرائی ایٹگل کو مکمل کرنا تھا اسی لئے جو اشعر کو پسند تھا وہی نازیہ کی پسند کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اسے ان دونوں کی ضرورت ہے انہیں نہیں اور اسے ان کی ضرورت بنتا تھا، وہ گویا بچپن سے ان کی چاہت میں مبتلا تھی۔

☆☆☆

آہستہ آہستہ وہ اس تینوں کا اک لازم حصہ بن گئی شزا کے گھر والوں کو اشعر کے ساتھ کھیلنے پر اس لئے اعتراض نہ ہوتا کہ اس کی کزن نازیہ ساتھ ہوتی اور اشعر کے لئے نازیہ کی اہمیت اس وقت بہت بڑھ جاتی ہے جب شزا کو گھر سے بلانا ہوتا اور اپنی اس اہمیت پر نازیہ کے معصوم بھولے بھالے چہرے کی رنگت ختم ہوتی اور آنکھوں کی چمک بڑھ جاتی وہ یونہی تینوں ایک ساتھ کھیلنے لازم و ملزوم بنے بچپن کو چھلانگ کر کے دلیز پر کھڑے ہوئے، شزا اور اشعر کو کسی اظہار کی ضرورت نہیں تھی وہ گویا لاشعوری طور پر بہت پہلے سے جانتے تھے کہ وہ ایک دوسرے کے لئے تھے، وہ دونوں ایک دوسرے کے دل کی حالت سے بہت اچھی طرح جانتے تھے یہی نازیہ تو وہ

ان کی دوست تھی ان کی ہمدان کی رازدار اور ان دونوں سے محبت کی دعویدار۔

کیسے خود غرض ہو سکتی ہو۔“
وہ جواب کہتی۔

”محبت کہاں وسیع دل ہوتی ہے یہ تو بڑی تنگ نظر ہے تو محبوب سے شروع ہو کر محبوب پر ہی ختم ہو جاتی ہے اسے تو صرف اپنے محبوب سے غرض ہوتی ہے، جس سے پیار کیا جائے اس کے ساتھ تو کسی اس کا سایہ بھی برداشت نہیں ہوتا۔“
وہ مبہوت ہو کر اسے سننے لگی اور اس کے چہرے کے رنگوں کو دیکھنے لگی جہاں بڑے پیارے رنگ سجے ہوئے تھے گو کہ اسے اس کی سوچ اور رائے سے اختلاف تھا یہی وہ واحد نکتہ تھا جہاں ان کی رائے بھی متفق نہ ہو پائی تھی۔
ہر محبت کے راستے کو آخر نہیں کوئی موڑ مڑنا پڑتا ہے اور یہی موڑ شزا اور اشعر کی زندگی میں ہی اچانک ہی سامنے آ گیا تھا۔

☆☆☆

شزا اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی ظاہر ہے اس کے بڑے ہوتے ہی ان کو فکر تھی کہ وہ اس کی شادی کے فرض سے سبکدوش ہو جائیں اس کی خوشیاں بھی دیکھیں اور اس کے لئے شروع سے ہی ان کی نظر میں شزا کا چچا زاد کرن جمیل تھا جو ہر طرح سے انہیں اپنی بیٹی کے لئے مناسب لگتا تھا نہ صرف یہ کہ اسی محلے میں دو تین گلیاں چھوڑ کر ان کا گھر تھا بلکہ وہ شروع سے اپنے تایا کے خاندان سے بہت مانوس تھا نیک شریف اور برسر روزگار اور اچھا خاصا قابل قبول صورت جانے کیوں محبت ایسی اندھی اور نادان ہوتی ہے کہ اسے سامنے دیوار پر رکھا نوشتہ تقدیر نظر نہیں آتا، یہ یہی تحریر شزا اور اشعر کو نظر نہیں آتی یا وہ جان بوجھ کر اسے پڑھنے سے انکاری تھے۔

☆☆☆

شزا کا رورور کر برا حال تھا اس نے اس

وہ اپنے اس دعوے کو سچ ثابت کرنے کے لئے وہ سب گر گزرتی جو اس کو نہیں کرنا چاہیے تھا کیونکہ وہ اس کی اپنی ذات کو مشکوک اور کٹھنہ میں کھڑا کر سکتا تھا مگر اسے اپنی دوستی اور ان دونوں کی محبت ہر شے سے عزیز تھی یا پھر اسے لاشعوری طور پر بچپن سے ان دونوں پر اپنی اہمیت ثابت کرنے کی عادت ہو چلی تھی۔

شزا کی اشعر سے بات کر دانی ہے تو نازیہ کا فون حاضر، ناراضگی وہ گی دونوں میں تو اس کی فاختہ وہ بنی ہی، حتیٰ کہ ان کی ملاقات تک وہ اپنے گھر میں کروادیتی اور وہ دونوں محبتوں کے ہم سفر بس اپنی ذات میں مگن تھے اور اس محبت کے سفر میں بغض اوقات وہ بڑی خود غرضی سے اس کی ذات کا استحصال کر جاتے تھے ان کی نظر میں اس کی حیثیت بس اک پیامبر کی سی تھی جس کی ذات محض اس دونوں کی وجہ سے اہم تھی یہ ذات خود شاید ان کی نظر میں وہ شاید کچھ بھی نہ تھی اور اسی بات کو بھی کبھار وہ محسوس کر کے افسردہ سی ہو کر گلہ کر بیٹھتی تو شزا بڑی بے بسی سے کہتی۔

”محبت اس قدر طاقتور جذبہ ہے کہ اس کے آگے کچھ سوچتا ہی نہیں کیا بتاؤں دھیان اپنی تمام تر طاقت و قوت کے ساتھ صرف اس کی ذات پر مرکوز ہو کر رہ گیا ہے تمہارے علاوہ اور کون سمجھے گا میری حالت؟ کم از کم تم تو ناراض نہ ہوا کرو تم تو میری واحد راز داں سہیلی ہو تمہاری مدد کی تو مجھے ہر لمحہ ضرورت ہے۔“

اور نازیہ اپنی اس اہمیت پر نازاں سی ہو جاتی مگر پھر بھی مدد برسی بن کر کہتی۔

”محبت کے دل میں تو بڑی وسعت ہوتی ہے محبت بھرے دل بڑے گداز ہوا کرتے ہیں تم

رشتے سے صاف انکار کر دیا تھا مگر جب بتانے سے فی الحال وہ قاصر تھی جب تک اشعر اسے امید کا کوئی سرانہ پکڑا تا تو وہ کیسے اس کا نام لیتی؟ اور اب وہ کب سے نازیہ کے سامنے بھیجی صرف آسو بہا رہی تھی اور بار بار کہہ رہی تھی۔

”کچھ کرو نازیہ میں مر جاؤں گی مگر اشعر کے بغیر نہیں جی سکتی میں، میں اس کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کروں گی، اشعر کو تہاؤ اسے کہو کچھ کر کے رو نہ اس کی شزا کو.....“ روتے بکلتے اس کی ہچکیاں بندھ گئی، نازیہ کی کچھ میں نہیں آہا تھا کہ وہ کیا کرے صرف اسے سلی دے گئی۔

”تم حوصلہ کرو میرے کام کو فی الحال اپنی امی کو سمجھاؤ میں اشعر سے بات کرتی ہوں کہ وہ بچھو سے کہہ کر تنہا رہے اور اپنے رشتے کی بات چلائے مگر تمہیں بہادر بننا پڑے گا مجتبیٰ کی ہے تو پھر حوصلہ کی کرو۔“

اور جب اشعر کو پتہ چلا تو حالت اس کی بھی دیوانوں سے کم نہ تھی اس نے اپنے والدین سے بات کی لیکن انہوں نے انکار کر دیا، اس بات پر اشعر نے ایک ہنگامہ کھڑا کیا مگر یہ پہلا بار تھا کہ بچھو اور پچھائی دونوں اس کی کسی بات سے اختلاف کر رہے تھے بچھو نے تو صاف کہہ دیا کہ ”یہ کسی طرح ممکن نہیں ہمارے اپنے خاندان میں لڑکیوں کی کسی ہے جو میں باہر سے اسے لے آؤں ایک بھولا ہے اور وہ بھی ایسی لے آؤں جس نے آنے سے پہلے ہی بیٹے کو دیوانہ کر دیا ہے۔“

یہ ساری باتیں بیٹوں کی دہنوں سے اس قدر خوفزدہ کیوں ہوتی ہیں؟ بیٹیاں بھی تو اسے جگر گوشے ہوتی ہیں وہ تو خوش خوش کسی کو تھما دیتی ہیں اور بیٹوں کی دفعہ کتنے وہم اور خدشے انہیں ستاتے ہیں تو کیا یہ سچ ہے کہ ماں ہمیشہ اپنے بیٹے کی منظور نظر رہتی رہتا چاہتی ہے اور جو بیٹی کوئی اس

کے اس راج باث میں مداخلت کرتا ہے وہ اسے اپنا دشمن گردانتی ہے۔

پچھو رہی ہوا جو ہر محبت بھری کہانی کا انجام ہوتا ہے، قاتل کو کوشش کے باوجود بچھو مان کر نہ دیتی اور شزا کا قاتل اس محتاج بیکار گریبا، وہ روٹی دھونی جیل کی ڈوڈی میں پیٹھ کر چلی گئی اور اشعر اس کا غم مناتا رہ گیا اور رہی وہ تو اپنے دونوں استے پیارے دوستوں کی محبت کے اس المناک انجام پر ان سے زیادہ دھمی اور افسردہ تھی، ان دنوں اس نے اشعر کو کچھ پور ہمارا دینے کی کوشش کی اور جب شزا آئی تو اس نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر بھی نہ نئی دہنوں والا روپ تھا، نہ خوشی، بس اک ما معلوم اداسی تھی، اس نے کوشش کی کہ وہ اسے کچھ کے کوئی حوصلہ سلی دلا سکا پھر نصیحت کر مگر اک عہد بھری غامضی ان کے درمیان آ کر تنہا رہی اور پچھائی نے عاقبت اسی میں بھی کر وہ اس موضوع کو نہ چھیڑے، اس نے اپنے دل کو یہ سوچ کر ٹلی کہ شہر کی محبت اپنے گھر کی کشش اسے جلد نہ ہی مگر وقت کے ساتھ بہت کچھ بھلا دے گی۔

زیادہ فکر اور پریشانی اسے اشعر کی تھی ان حالات میں بہتر تھا کہ اس کی بھی شادی ہو جاتی یہی سوچ کر اس نے بچھو سے بات کی اور وہ یوں۔

”ہاں بیٹے میں خود بھی سوچ رہی ہوں تھنا پر کب سے میرا دل ہے مگر اشعر پر وہ کم بخت شزا نے جانے کیا جا دو کیا ہے کہ کچھ سنا ہی نہیں آپ تو ذہن بن کر چلی گئی اور میرے بیٹے کو روٹی بنا گئی۔“

وہ بچھو کی بات سے کہہ نہ سکی کہ ان دنوں کے درمیان جدائی کا سب سے بڑا سبب تو وہ خود نہیں مگر وہ دل ہی دل میں خوفزدہ بھی ہوئی کہ

سامنے رہے مگر وہ سندر پار چلی گئی۔

انسان کی سوچ کرمل اور دم کرتا ہے مگر قدرت کے فیصلے ان کے اور مختلف ہوتے ہیں۔

شزا کا بولتی دتی دوا جیسا اشعر کو کوئی بالکل باکل کر گیا وہ بالکل کم کم سا ہو گیا تھاجی اس کا یہ جود توڑنے میں تا کام رہی وقت گزرتا رہا اور شزا وہ بچوں کی ماں بن گئی اور اپنی دنیا میں مٹی ہو گئی تھی جب بھی نازیہ سے اس کی بات ہوتی تو گو کہ وہ محسوس کرتی کہ وہ ابھی تک اشعر کو فراموش نہیں کر سکی گئی مگر کوئی ذکر نہ کرتی، انہی دنوں میں پتہ چلا کہ کتنے سالوں بعد تھاجی ماں بننے جا رہی تھی وہ رات بولتے حالات یہ تھے کہ بچھو بھی دل ہی دل میں پچھتاہی تھیں کہ کیوں اشعر کی خوشی پوری نہ کی تھانہ جیسے اندر رہی اندر اسے سالوں سے شوہر کی بے رخی سہ سہہ کرشم ہو چکی تھی وہ ایک بیٹی کو جنم دے کر اس دنیا سے منہ موڑ گئی۔

اس جواں مرگ پر ہر آنکھ اٹکبار تھاجی جبکہ چھوٹی بچھو نے تو باقاعدہ اشعر اور اس کی ماں سے کہا کہ ان کی بیٹی کو وہ لوگ نگل گئے اشعر نے ایک دن بھی اس کی دل سے قدر نہ کی اور یہ دھکی بھی دے گئے کہ وہ اپنی حنا کی نشانی ہی ان سے لے لیں گی، حنا کی موت اور پھر چھوٹی بچھو کی یہ باتیں اشعر اور پچھو دونوں کو بہتر سے لگا گئیں، ایسے حالات میں یہ نازیہ بھی تھی جس نے ان دونوں کو سنبھالنا، حیرت کی بات تھی کہ اس کے دونوں دوست بچپن کے ساری شادی شدہ ہو چکے تھے بلکہ اشعر تو کس پر اجازت بھی گیا مگر وہ ابھی تک ماں باپ کی دلیہ پر بیٹھی تھی۔

ایسا بھی نہیں تھا کہ وہ کوئی بد صورت لڑکی تھی ابھی خاصی معقول صورت تھی لیکن جانے کیا سبب تھا رشتے آج بھی مگر بات نہیں تھی اور وہ ابھی تک ایکی تھی۔



اک دھندلاک برفی چھائی رہی نہ کوئی گن نہ خوشی اور نہ ہی زندگی کے سنے بلکہ عجیب بے حس اور افسردگی سی تھی اس کے مزاج میں شاید آنے والی زندگی کے مسائل کا ادراک تھا اسے، وہ جانتی تھی کہ وہ کبھی ایک دوست کی طرح اس کی زندگی میں شامل ہوگی جہاں اسے قدم قدم پر شراکی ٹھہری یادوں کے کالج کو سیٹ کر چلنا ہوگا۔

☆☆☆

اور آج وہ لیکن بنی اشعر کی بیج پر بیٹھی تھی، اشعر آیا اور خاموشی سے اس کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

اور صبح جب وہ بال بنانے کے لئے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی تو خشے میں اپنے عکس کو دیکھ کر حیران رہ گئی، اسے لگا کہ اشعر کی محبت کا تناور درخت اس کے پورے وجود میں عجیب طرح سے جڑیں پھیلا رہا ہے یہ محبت اس احساس سے قطعی مختلف ہے جو پہلے اس کے دل میں موجزن تھا اس کا دل چاہا کہ اشعر بس اسے چاہے اسے سراہے اور اس کے ہونٹوں پر شرا کا نام لگے نہ آنے حیرت ہے کہ وہ حنا سے نہیں بلکہ شرا سے حد محسوس کر رہی تھی اور شرا کے احساسات بھی اس پر اب ہی منکشف ہوئے تھے، اسے پتہ چل گیا تھا کہ کچھ میں محبت عورت کی محبت بہت تنگ نظر ہوتی ہے وہ شراکت برداشت ہی نہیں کر سکتی کسی احساس کی شراکت بھی نہیں اور جو نئی اشعر اس کے پاس آکر کھڑا ہوا اور اس کے منہ سے بے ساختہ ”شرا“ نکلا تو اسی بے ساختگی سے وہ اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ گئی۔

☆☆☆

اس کی ان دنوں خدمت پچھو کا دل جیت لے گئی اور جسی خاں بھی اس سے بہت مانوس ہو گئی تھی کو کہ ای اس بات پر اس سے کافی ناراض بھی ہوتیں اور اسے تنبیہ کرتیں مگر اب اس کی بہت حوصلہ افزائی کرتے اور پھر وہی ہوا جس کی توقع کی جا رہی تھی، پچھو نے اشعر کے لئے اس کا ہاتھ ہانگ لیا اور ای کی تمام تر مخالفت کے باوجود یہ رشتہ طے پا گیا جبکہ اشعر نے تو نازیہ کو شادی سے کورا انکار کرنے کا کیا اور کہا۔

”نازیہ تم اس خودکشی سے باز آ جاؤ تم میری بہت اچھی دوست ہو اور تم جانتی ہو میں شرا کی جگہ کسی کو نہیں دے سکا خالی جسم لے کر یہ تم کیا کرو گی تمہیں ایک چاہنے والا سنا ملنا چاہیے اور مل بھی جائے گا تم اپنی زندگی پر بادمت کرو۔“

تو اس نے بڑا عجیب سا جواب دیا۔
”میں سمجھوں گی کہ میں نے اپنی دوستی کی معراج پالی میں سب جانتی ہوں اور ایسے وقت میں تمہاری دوست نے ہی تمہیں سہارا دیا تو پھر اور کون تمہارے بارے میں سوچے گا۔“

وہ خاموش ہو کر واپس چلا اور پھر جب شرا کو پتہ چلا کہ اس کی شادی اشعر سے ہونے جا رہی ہے تو اس نے خاص طور پر اسے فون کیا اور اسے بہت برا بھلا کہا، اس نے اسے یہاں تک کہا کہ وہ اصل میں چاہتی ہی نہیں تھی کہ وہ مل جائے وہ سمجھے کہ شرا اس کے لئے مر گئی، شرا کی تمام تر باتوں سے اسے بہت دکھ ہوا اور اس کی خودکشی پر افسوس بھی کہ وہ اس کے غلوں نیت پر شک کر رہی تھی اور یہ کیسی محبت تھی کہ وہ اسے محبوب کی بھالی نہیں جانتی، بس انجی ملے چلے احساسات و جذبات میں وہ بڑی سادگی سے اشعر کی زندگی میں چلی آئی۔

اپنی شادی تک جیسے اس کے ہر جذبے پر

”آج ماہا ہمارے گھر آ رہی ہے۔“ امین نے بتایا۔

”کون؟“ عروج کو اپنی ساعت پر شک ہوا۔

”ماہا یزدانی!“ امین نے اطمینان سے جواب دیا۔

”کس لئے؟“ عروج نے حیرت سے پوچھا۔

”مجھ سے ملنے، میرا گھر دیکھنے۔“ امین نے جواب دیا۔

”حیرت ہے، ماہا! تمہیں بڑی لفت کر دی رہی ہے۔“ عروج کے کہنے پہ امین مسکرا دی تھی۔

عروج اور امین نہ صرف کزن تھیں، بلکہ کلاس فیلو اور بہترین دوست تھیں، ماہا ان کی نئی کلاس فیلو تھی، ماہا اپنے نام کی طرح خوب صورت کا پیکر تھی، بلکہ اُسے براؤن ہلر کے خوب صورت ریشی بال، نیلی کانچہ جیسی شفاف آنکھیں، چھوٹی سی ناک اس میں ہمہ وقت جگمگاتی ڈائنڈ ہائی، سرخ گلابی گلے ہوئے ہونٹ اس پہ چمکتا دمسلا سنہری رنگ دروپ، تمام سب قد و سراپا عرض ہر پہلو سے خوب صورتی نمایاں تھی، ماہا ہمیشہ جدید فیشن کے لباسات زیب تن کرتی اور حسین سے حسین تر لگتی تھی، ماہا کو اپنی خوب صورتی اور اپنے اثر ونگ بیک گراؤنڈ کا اندازہ تھا۔

اس بناء پہ وہ مغرور تھی، کلاس میں لڑکیاں اس کے حسن کو سراہتی نظروں سے دیکھتی، ہر نظر میں اس کے لئے ستائش ہوتی، ماہا یزدانی نے اپنی پرائیویسی لڑکی کو دیکھا جو خوش اخلاق سے مسکراتی تھی اور ہاتھ آگے بڑھایا۔

”میں امین ہوں۔“

”مجھے ماہا یزدانی کہتے ہیں۔“ ماہا نے کچھ

سوچ کے ہاتھ آگے بڑھایا اور یوں ان کی دوستی کی ابتداء ہوئی۔

ماہا کو حیرت تھی کہ اس نے امین فاروق جیسی لڑکی سے اتنی آسانی سے کیسے دوستی کر لی، ماہا یزدانی کا حلقہ احباب بہت وسیع تھا اور اس کے سب دوست اعلیٰ سوسائٹی سے تعلق رکھتے تھے اور سب دوستوں کے تقریباً عادات و اطوار شوق و مشاغل بھی یکساں تھے، لیکن امین فاروق اور ماہا یزدانی میں کچھ بھی مشترک نہ تھا، اس کے باوجود ماہا یزدانی نے اس کا ہاتھ تھام کے تیزی سے دوستی کی شاہراہ پر سفر شروع کر دیا تھا۔

عروج اکثر پڑھتی تھی، اسے ماہا اور ماہا کو عروج پسند نہیں تھی، امین دونوں کو ساتھ لے کے چلنا چاہتیں تھیں، عروج کو امین کی ماہا پر اتنی توجہ گراں گزرتی، وہ امین پہ پہلا حق اپنا سمجھتی تھی، امین بھی عروج کو بہت عزیز رکھتی تھی، لیکن وہ ماہا کو نہیں چھوڑ سکتی تھی۔

”کل میرا برتھ ڈے ہے۔“ امین نے بتایا۔

”مجھ میں تمہیں وٹ کر کرنے ضرور آؤں گی۔“ ماہا بولی۔

”جی۔“ امین نے حیرت سے کہا۔

”ہاں کیوں نہیں آؤں گی۔“ ماہا حیرے سے چکن رول کھاتی بولی تھی۔

☆☆☆

شام کو امین بہت اکیسا بیٹھ تھی، اپنی برتھ ڈے سیلبرٹ کرنا اسے بہت اچھا لگتا تھا اور آج کے دن اسے سب سے زیادہ ریمیز کے گفت کا انتظار ہوتا تھا۔

محمد فاروق اور محمد عظیم دو بھائی تھے، دونوں میں بہت گہری محبت تھی، جو گزرتے وقت کے ساتھ مضبوط ہوتی گئی، صائبہ اور ریمز دونوں

بہنیں تھیں، محمد فاروق اور محمد عظیم کے گھر کے قریب ہی رہتیں تھیں، محمد فاروق کی والدہ کو یہ دونوں بہنیں بہت پسند تھیں، صوم سلوڈ کی پابند تھیں، سلیفٹہ خاں، ہنس کھٹک، انہوں نے اپنے بیٹوں کے لئے صائبہ اور ریمز کو بہترین انتخاب جانا، یوں وہ دونوں بھویہ بن گئے، ان کے گھر میں آئیں اور گھر کو اپنے سلیفٹہ اور ہنس سے جنت بنا دیا، محمد فاروق اور محمد عظیم بھی بہت خوش تھے، محمد فاروق واپڈا میں ملازم تھے، ان کی آمدنی محدود تھی، لیکن صائبہ نے بھی شکوہ نہیں کیا، محمد عظیم پی آئی اے میں ملازمت کرتے تھے اور اچھے عہدے پر فائز تھے، اس لئے ان کی تنخواہ اچھی تھی، محمد عظیم کے بیٹے کی پیدائش پہ گھر میں خوشی کا ساں تھا اور ریمز اپنی دادی کی جان تھا، محمد فاروق کی ایک سال بعد بیٹی ہوئی، امین فاروق سب کو ہی عزیز تھی، اس کے بعد محمد عظیم کے گھر عروج اور علی آئے لیکن امین اکلوتی رہی۔

دادی جان نے بڑوں کی فشا اور اپنی خواہش پر ریمز اور امین کو منسوب کر دیا، ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے چاروں میں محبت اور دوستی تھیں، عروج اور امین بھوں بھی تھیں، تو علی بھائیوں سے بڑھ کے تھا۔

☆☆☆

وہ میٹرک میں تھی، جب دادی جان کی ڈیجھ ہوئی، یہ تیسرے دن کی بات ہے، وہ رو رہی تھی، سب تن میں موجود تھے، ریمز سامنے پہنچو کے پاس بیٹھا ہوا تھا، جب گھٹ چپچو بولیں۔

امی کو ریمز اور امین بہت عزیز تھے، اس لئے بچپن میں ہی دونوں کو منسوب کر دیا، یہ سن کے امین نے حیرت سے ریمز کو دیکھا، ریمز بھی اس انکشاف پہ چونک گیا اور اس نے بھی بے

ساختہ امین کو دیکھا، نظروں کے تصادم پہ امین گھبرا کے پکسل جھکا گیا، جبکہ ریمز نے چٹائی بار بننے رشتے کے حوالے سے بغور دیکھا، سارانی، کشش، بڑی سیاہ دلکش آنکھیں، اس پہ دراز پکسل، چہرے پر سیاہ، محسوسیت، سادہ سی اور قدرے بیوقوف سی امین فاروق کی حیثیت سے کزن اسے بہت پسند تھی، کیونکہ وہ بہت تھیں، دادی جان کی بہت خدمت کرتی تھی، سب گھر والوں کا یکساں خیال رکھنا، ریمز کو اس پہ بیسیو صبر کی ابتداء کی لڑکی کا لگان ہوتا، اب بننے رشتے سے بھی وہ اسے اچھی لگی، اس کے خیال میں ایسی ہی لڑکیاں بہترین بیویاں ثابت ہوتی ہے، بڑوں نے اس کے لئے بہترین انتخاب کیا تھا۔

☆☆☆

امین جب رات کو سوئے لیٹی تو عروج نے پکارا۔

”متم نے چھپو کی بات کی تھی، مجھے سن کے بہت خوشگوار حیرت ہوئی، تمہارا خالہ نے نہیں بھی بتایا یہ نہیں تھا، اب ہم ہمیشہ ساتھ رہیں گے تمہیں اور نہیں جاؤ گی۔“

”لیکن تم چلی جاؤ گی۔“ امین نے بے چارگی سے کہا۔

”کاش! تمہارا بھی کوئی بھائی ہوتا، تو مجھے کہیں اور نہ جانا پڑتا۔“ عروج نے شرارت سے کہا۔

امین کو پہلی بار بھائی کی کمی کا احساس ہوا تھا۔

”تم خوش ہو؟“ عروج نے اسے خاموش دیکھ کے پوچھا۔

”ہوں۔“ وہ اثبات میں سر ہلایا۔

صبح حسب روایت امین کو بی ناشتہ روکنا

تھا، میرے اپنے کمرے میں تھا اور ایسا مستعد بار ہوا تھا کہ وہ جب بھی لیٹ اٹھتا تھا، اپنے کمرے میں ناشتہ کرتا تھا اور ایمن ہی ناشتہ دینے کے لئے آتی تھی، اب ایک جھگڑکی محسوس ہو رہی تھی، وہ ٹرے لیے کھڑی تھی، جب ہی سامنے سے عروج کو دیکھ کے حوصلہ ہوا۔

”عروج! یہ ٹرے ریزر کے کمرے میں لے جاؤ۔“

”کیوں؟ تم کیوں نہیں جا رہی؟“ عروج نے پوچھا۔

”کچھ عجیب سا لگتا ہے۔“ ایمن بے بسی سے بولی۔

”میں نہیں جاسکتی، کل سے میرے پاؤں میں شدید درد ہے۔“ عروج نے بہانہ بنایا۔

”تم بہت فضول ہو۔“ ایمن نے غصے سے خود ہی قدم بڑھا دیے۔

”اتنی دیر کر دی، جانتی ہو کہ مجھے یونیورسٹی سے دیر ہو رہی ہے۔“ ریزر نے اسے دیکھتے ہی ڈانٹا، وہ ٹرے رکھ کے مڑنے لگی تھی، جب ہی دوبارہ دیکھا تھا۔

”ایمن! تم خوش ہو؟“

”کس سے؟“ ایمن نے ناہنجی سے پوچھا۔

”ہمارے نئے رشتے سے۔“ ریزر نے وضاحت کی، ایمن کے چہرے پہ پھرے فوس و فزاج کے رنگوں نے جواب دیے دیا تھا، ایمن بھاگتے ہوئے چکن میں آئی تھی، دل تیز تیز دھڑک رہا تھا۔

☆☆☆

گزرتے وقت کے ساتھ ایمن کے دل میں ریزر کی محبت بڑھتی گئی، ان گنت خواب آنکھیں دیکھنے لگی، گوکہ ریزر نے اس کے بعد بھی

ڈائریکٹ خاص رشتے کے حوالے سے بات نہیں کی تھی، لیکن وہ ایمن کو پا کر لگا تھا۔

ایمن کو محسوس ہوتا تھا، وہ پہلے سے بڑھ کے اس کا خیال رکھنے لگا تھا اور عمید، سالگرہ پہ سب سے پہلے اس کو کوش کرتا تھا، ایمن، ریزر کے ساتھ بہت خوش تھی۔

”ریزرا! کوئلہ ڈرنک لے آؤ۔“ صائمہ نے کہا۔

آج ایمن کی سالگرہ تھی، سادہ کفن کے فیروزہ سوٹ میں آنکھوں میں کامل لگاتے وہ بہت اٹریکٹو لگ رہی تھی، ریزر کوئلہ ڈرنک لے تیز تیز جا رہا تھا، جب ہی سامنے سے آئی ماہ زدانی سے مل گیا، ماہا چوہہ فیروزہ اور مختصر شرٹ میں جلوہ گر تھی اپنی پچاسی میل پٹو ازین پر غرار نہ رکھ پائی، ریزر نے اسے سہارا دے کے کھڑا کیا اور کتنے ہی لمبے ساکت اسے دیکھ گیا وہ جونکی تھی، حسن کا شاہکار تھی، اس کی نیلی کانچ جیسی آنکھوں میں ریزر کو اپنا آپ ڈو تھا محسوس ہوا، خود ماہا اس کے پیڈیم وجود کو پسندیدگی سے دیکھ رہی تھی، جب ہی ریزر بحالت کا شکار ہوا۔

”میں ریزر ہوں، عروج کا بھائی۔“ خیال تھا آنے والی عروج کی فریڈ ہوگی۔

”میں ماہا! ایمن کی فریڈ ہوں۔“ اس نے نخوت سے کہا۔

”ایمن! آپ ہی کا انتظار کر رہی ہے۔“ ریزر کے کہنے پہ وہ کٹھنی سے مسکراتی چلی گئی۔

”ہینکل کے اب گر نہ جانا۔“ ریزر نے شرارتا کہا۔

”اگر سنسٹھالے والا آپ جیسا ہوتو میں بار بار گرنا پسند کروں گی۔“ ماہا زدانی نے مڑ کے جواب دیا، ریزر اس کی بے بسی پہ حیران رہ گیا۔

”ہینول۔“ ماہا نے انٹرو ہوتے ہوئے کہا۔

”کیسی ہو؟“ ایمن خوشدلی سے گلے لی۔

”مبارک ہو۔“ ماہا نے بیک کیا گٹھ

”دھنیکس تم آگئی۔“ ایمن نے خوشی کا اظہار کیا اور ایسی اور خال سے لوانے لگیں، تب ہی کوئلہ ڈرنک لے کے آیا۔

”ایمن نے آہستگی سے شہ کی، ریزر کا نام لیتے ہوئے اس کے زبات نے ماہا کو چھوٹا کر دیا۔

”صرف کزن ہے یا۔۔۔۔۔؟“ ماہا نے بات جاری چھوڑ دی۔

”میرا کچھ تر بھی ہے۔“ ایمن نے بتایا۔

ماہا ٹھیک کے ایمن کو دیکھنے لگی، عاصی ان کے لئے وہ ریزر جیسے پیڈیم بندے کی توقع نہیں کر سکتی تھی، اس کے بعد ماہا زدانی کو چپ کر گئی تھی، ریزر نے پہلی مرتبہ کوئی خاص انداز نہ اچھا لگا تھا، ورنہ اس کے جھلنے میں بے شمار ہنسی، بھولچھل، پیڈیم لڑکے تھے، لیکن اس کو صرف اتنی جتنی اہمیت دی تھی، ان میں سے کوئی ماہا کے ساتھ کے متنی تھے، لیکن ماہا نے بھی ایسا نہیں کیا تھا اور جس کے متعلق سوچنا چاہا وہ اچھ لگتا، ماہا کو موڈ بری طرح آف تھا، ایسا کب ہوا تھا وہ جس کی تنہا کریں اور وہ اس کی دسترس سے دور ہو جائے۔

تمام وقت وہ ریزر کی نظروں کے حصار میں رہی، اس کی خوبصورتی کو کر کے سراوی۔

”ایسا کون ہوگا جو ماہا زدانی کے حسن سے رعب نہ ہو۔“ ماہا نے ذمہ سے سوچا۔

پارٹی ختم ہونے پہ ایمن اسے گیٹ تک لے آئی۔

”مجھے تمہاری شمولیت سے دلی خوشی ہوئی، آتی رہا۔“

”میرے آتے رہنے سے تمہاری ٹولی لمبے میں بدل گئی ہے۔“ ماہا نے سر دھج میں جواب دیا۔

”ایسا نہیں ہو سکتا۔“ ایمن نے یقین سے کہا۔

”دیکھا جائے گا۔“ ماہا نے واپسی کا سفر کیا۔

رات کو گٹھ کھولے گے، ماہا نے اسے قیمتی جیویری گٹھ کی تھی، ایمن کو جیویری بہت زیادہ پسند آئی تھی، عروج نے سوٹ، علی نے کھڑی اور بیڑوں نے پیسے اور دعائیں دی تھیں، اپنے کمرے میں آ کے اس نے بیٹانی سے ریزر کا گٹھ کھولا تھا، جس میں اس کا نیورٹ لیڈی فریم اور کانچ کی سادہ بلک چڑیاں تھیں، جسے ایمن نے فوراً پہننا شروع کر دی، ان سب گٹھ میں سب سے زیادہ اہمیت ریزر کے گٹھ کی تھی، تمام رات وہ ریزر کے ساتھ خواب میں خوب صورت واپس میں کھوئی رہی تھی، جبکہ ریزر کی آنکھوں سے نیند کسوں دور تھی، ماہا کے محل حسن نے اسے بری طرح متاثر کیا تھا۔

☆☆☆

ماہا البتہ سکون سے گہری نیند سو رہی تھی، اسے خود پہ ناز دینا چ کر لیں کی اپنے حسن سے، کون ہوگا جو اس کے حسن سے کھانا نہ ہوگا۔

”ایمن! تمہاری اگلی شہنشاہی پسند سے ہوئی ہے؟“ ماہا زدانی نے پوچھا۔

”میری دادی امی نے میرے بچپن سے ہی میرے لئے سوچنا شروع کر دیا تھا، وہ مجھ سے اور ریزر سے بہت محبت کرتی تھیں، اس لئے انہوں نے بچپن میں ہی ہمارا رشتہ طے کر دیا تھا۔“ ایمن نے بتایا۔

”پھر تو تم لوگ سمجھو نہ کر رہے ہو۔“ ایمن

نے تاسف کا اظہار کیا۔
 ”نہیں، ہم شرمزید ہیں۔“ ایمن بولی۔
 ”ریمز نے تم سے اظہار محبت لکھی بار کیا ہے؟“ ماہانہ نے طنز کیا۔
 ”محبت لفظوں اور اظہار کی ضرورت نہیں ہے، وہ پہلے سے بڑھ کر میرا خیال کرنے لگا ہے، وہ میری خوشی کا خیال رکھتا ہے، ہمارے گھر آنے میں آزادی اور بے باکی پسند نہیں کی جاتی۔“ ایمن سنجیدہ ہوئی۔
 ”اوکے، یہ بتاؤ کہ ریمز کی کوئی دوست ہے۔“ ماہانہ سرکرائی۔
 ”نہیں وہ بہت سوپر اور شریف انفس انسان ہے، میں نے اسے بھی یونیورسٹی اور کام کے علاوہ گھر سے باہر نکلنے نہیں دیکھا، نہ ہی بھی کسی لڑکی سے فون پر بات کرتے دیکھا یا سنا ہے۔“
 ”چلو آزماتے ہیں، تم مجھے ریمز کا نمبر دو، میں دیکھتی ہوں وہ واقعی میں شریف ہے یا پوڈ کرتا ہے۔“ ماہانہ نے مزے سے کہا۔
 ”ہاں، یہ نمبر ہے۔“ ایمن نے فون بیک سے نکالا اسے بھی دیکھی محسوس ہوئی۔
 ماہانہ نے نمبر ڈال دیا، کچھ دیر بعد کال رسیو ہوئی۔
 ”السلام علیکم! ریمز کی آواز سنائی دی، ماہانہ نے اسٹیکر آن کیا ہوا تھا۔
 ”وہیکم السلام! رمضہ سے بات کروا دیں۔“ ماہانہ بولی۔
 ”یہ رمضہ کا نمبر نہیں ہے۔“ ریمز اس وقت یونیورسٹی میں بڑی تھا۔
 ”لیکن مجھے رمضہ نے یہی نمبر دیا تھا۔“ ماہانہ نے عرض کی۔
 ”پھر آپ رمضہ سے تصدیق کریں۔“ ریمز

نے فون کاٹ دیا، ایمن کے چہرے پر اطمینان پھیل گیا۔
 ”دوبارہ ڈائل کروں۔“ ماہانہ نے اجازت طلب نظروں سے ایمن کو دیکھا۔
 ”مجبور۔“ ایمن دھچکی سے بولی۔
 ”دیکھیں، مجھے رمضہ سے ضروری بات کرنی ہے۔“ ماہانہ منت سے کے انداز میں بولی۔
 ”اگر آپ تاہم پاس کر رہی ہیں تو آپ نے غلط انتخاب کیا ہے، میرا وقت بہت قیمتی ہے اور میں اس کے ضیاع کا تحمل نہیں ہو سکتا۔“ ریمز نے رساں کے جواب دیا اور موبائل آف کر دیا۔
 ماہانہ کا چہرہ توین سے سرخ ہو گیا، ایسی ٹھٹھکیلائی۔
 ”ماہانہ ریشن N.E.D میں فائل ایئر میں ہے اور وہ بہت بڑی رہتا ہے۔“ ایمن حزرے سے بولی۔
 ”میں تو ویسے ہی چپک کر رہی تھی کہ تمہارا اعتبار کتنا درست ہے۔“ ماہانہ موبائل پس میں رکھا۔
 رات کو عروج کو ایمن نے اپنی اور ماہانہ کی کارروائی بتائی۔
 ”ایمن! تمہیں ریمز کا نمبر ماہانہ کو نہیں دینا چاہیے تھا۔“ عروج نے ڈانٹا۔
 ”عروج! وہ میری دوست ہے اور اس نے میرے سامنے بات کی تھی اور مجھے ریمز پر اعتبار ہے۔“ ایمن بولی۔
 ”تم اندھا اعتبار کرتی ہو، ہمیں لوگوں کی پچکان نہیں ہے، تم سب کو اپنا جیسا سمجھتی ہو۔“ عروج غصے میں تھی۔
 ”ماہانہ بہت خوب صورت اور بے باک ہے اور ریمز مرد ہے۔“ ایمن نے عروج کی بات پر سر جھٹکا اور سونے کے لیٹ گئی۔

☆☆☆

نگہت پھپھو روالپنڈی سے ارسال کرنا آئیں، گھر میں رونق کا سماں تھا، نگہت پھپھو بہت شفیق اور ہمدرد خاتون تھیں، سب گھر والوں سے بہت محبت کرتی۔
 ”جسیدہ بھابی! آپ بہت خوش نصیب ہیں۔“ نگہت نے آہ بھری۔
 ”کیسے؟“ انہوں نے دریافت کیا۔
 ”ایمن جیسی خدمت گزار اور سلیقہ شعار ملک جیجو جو ہوئے گی، مجھے بھی کاش کوئی ایسی بھول جائے۔“ انہوں نے حسرت سے کہا تو ریمز بے ساختہ مسکرا دیں۔
 ریمز نے بے ساختہ کھانا رکھتی ایمن کو بلکھا، جو اس وقت بلکے براؤن چارجٹ کے بوت میں لمبوس بہت فریش لگ رہی تھی، خالص شرقی اور گھریلو لڑکی کا روپ دھارے ہمدردی طبع میں جتنی رشتی تھی اور بلاشبہ یہ خصوصیات ریمز کو پسند تھیں۔
 ”اب تو گھر کا سارا نظام ایمن کے سپرد ہے، عروج تو لا پرواہ اور غیر ذمے دار ہے، ایمن رھاٹی کے ساتھ خوش اسلوبی سے اپنی ذمہ داریاں نبھا رہی ہے۔“ ریمز نے فراخ دلی سے کہا۔
 ماہانہ پرانی ہی گھر میں آمد بڑھ گئی تھی اور وہ اب گھر کا فرد بنتی تھی، وہ سب سے اور ب اس نے فری تھے، عروج کو اب بھی ماہانہ کا کثرت سے آنا اور گزرتا تھا، تاہم اب وہ خاموش رہتی کیونکہ ایمن ماہانہ کے خلاف کچھ سنائیں جاتی تھی اور عروج اصرار اس لئے نہیں کرتی تھی کہ کہیں اسے ماہانہ سے مجلس نہ بچھے۔
 ☆☆☆
 ”ماہانہ! تم کہاں تھی؟“ ایمن نے پوچھا۔

ماہانہ نے ایمن کے گھر آنا کم کر دیا تھا، وہ انگرام میں بیڑی تھی، ایمن کی انکسائی بیک ماہانہ کے پاس تھی، یہ جان کر ایمن نے ماہانہ کا نمبر ڈائل کیا لیکن وہ بڑی تھی، ایمن کو اس کی اشد ضرورت تھی، تقریباً گھنٹہ بھر بیڑی رہنے کے بعد آف ہو گئی، ایمن بھٹکائی تھی، عروج بھی بے حسرت تھیں نگہت پھپھو کے ہمراہ روالپنڈی چلی گئی تھی، کہ انگرام سے دو دن قبل آنے کا ارادہ تھا، وہ خامسے دنوں سے یکسانیت سے آسٹریا ہوئی تھی، اس لئے کھونٹے پھرنے کے لئے نگہت پھپھو کا گھر اور شہر منتخب کیا، ایمن کا دل بھی جا چار ہا تھا لیکن گھریلو ذمہ داریوں کی وجہ سے چائیں نہ تھیں۔
 ریمز کو کوئی دن سے بخار تھا، بخار خاصا تیز تھا اور کم نہیں ہونے پا رہا تھا، ایمن نے ایسے میں پرہیزی لکھانے بنائے اور اس کی پسند کا خاص خیال رکھا اور دواؤں میں اس کی صحت کے لئے طویل دعاماکی، ریمز کی بیماری اور اضافی کاموں اور غیر موجودگی کی وجہ سے وہ چار دن کاغ نہ چا سکی جب تک تو ماہانہ نے دیکھتے ہی، ماہانہ سلام کے طنز کیا۔
 ”ریمز کی خدشتوں میں معصوف تھی۔“ ایمن چونکی۔
 ”ماہانہ کو کیسے علم ہوا؟“ ایمن کا دل گہرا گیا، کسی انہونی کے خیال سے تاہم پوچھا۔
 ”کیا مطلب؟ ریمز کو کیا ہوا ہے؟“
 ”پھوڑو میں کیسے جارہی ہوں۔“ اور پھر سارا دن اور آنے والے دنوں میں ماہانہ نے ایمن کو کھانا انداز کرنا شروع کر دیا، حتیٰ کہ آج ہی صبح بھی پیچ کر گھر کے کمرے کے ساتھ بیٹھنے لگی، ایمن کو اس کے گریہ پر حیرت ہوئی لیکن ایک دن سامنا ہونے پر پوچھ گئی۔
 ”ماہانہ! کیا تامل ہو؟“

”ہمیں“ ماہانہ ٹیلی ویژن سلسلہ ہلایا۔
”پھر اتنا گزیر کر س لئے، مجھے دیکھ کے
راست بدل گئی ہو، میرے ساتھ بیٹھنا گوارا
نہیں۔“ ماہانہ بنور امین کا جائزہ لیا، اس کی
بڑی سیاہ آنکھوں میں تیش لگی تھی، اس کے
سانولے چہرے پہ نری اور ملاحت تھی، اس کی
سادگی ایک دلکش تاثر دیتی تھی۔
☆☆☆

”تمہارا ہم ہے، میں اب گرام کی وجہ سے
بڑی ہوں۔“ ماہا کہہ کر شہری نہیں تھی، امین
کچھ لمحے ماہا کی پشت دیکھتی رہی۔
عروج رو اپنی سنی سے آئی تو جیروں باتیں
جمع کیے ہوئی تھی، امین نے مزے سے واقعات
سنے اور خود سے عہد کیا کہ وہ بھی پچھو کے گھر
جائے گی۔

ایک گزم کے دنوں میں بھی ماہا کا رویہ بدستور
قائم رہا۔
”یہ ماہا کو کیا ہوا ہے؟“ عروج نے حیرت
سے پوچھا۔
”معلوم نہیں۔“ امین نے بے بسی سے
کہا۔

”ناراضگی؟“ عروج اتنی اچھی دوتی کے
انجام پہ حیران تھی۔
”نہیں ہم میں کوئی ناراضگی نہیں ہے، لیکن
ماہا کا کہنا ہے کہ وہ ایک گزم میں بڑی ہے۔“ امین
نے بتایا۔

”وہ انوکھی تو نہیں ہے جس کے پیچھے ہو رہے
ہیں ترک تعلق کا کچھ سبب تو ہے۔“ عروج
بڑبڑائی۔

ایک گزم کے بعد عروج نے انڈسٹریل ہوم
میں ایڈیشن لے لیا، جب کے امین اپنی سابقہ
ذمہ داریاں نبھانے لگی، ان ہی دنوں رمیز اور جب

مل گئی، رمیز اب گھر میں کسی نظر آتا تھا، امین
سے خاصا سکرانے لگا تھا، پہلے سے کہہ گویا تھا
امین اسے سنی جاب اور مصروفیت سمجھتی تھی۔
”محمد فاروق! اب میرے خیال سے
دونوں بچوں کی شادی کر دی جائے۔“ محمد عظیم
نے اچانک کہا۔

”رمیز کی جاب بھی اچھی ہے، امین بھی
تعلیم سے فارغ ہو گئی ہے۔“ رمیز نے جواز پیش
کیا۔

”بھابھی! آپ کی امانت ہے، جیسے آپ کی
مرضی۔“ محمد فاروق نے رضا مندی کا اظہار کیا
اور یوں دو ماہ میں شادی کی تاریخ رکھنے کا فیصلہ
کیا، عروج نے امین کو خوب ستایا، امین کو لگا
خواہوں کی تسخیر کا وقت آ گیا ہے، اسے سب سے
بہت شرم آئی تھی، علی بھی بہت تنگ کرنے لگا تھا
ایک دن وہ چکن میں رتن دھو رہی تھی تب علی
آیا۔

”امین باجی! آپ کی دوست ماہا اور رمیز
بھائی کو آج میں نے عثمانیہ میں دیکھا ہے۔“ امین
کے اندر جیسے پتھن سے کچھ ٹوٹا تھا۔
”اتفاقہ ملاقات ہو گئی ہوگی، ماہا ہونٹنگ کی
شوقین ہے۔“ امین نے تاویل پیش کی۔

”لیکن اتفاقہ ملاقات وہ متعدد بار کر چکے
ہیں، پہلے میں بھی یہی سمجھا تھا۔“ علی نے تنبیہ کی
سے جواب دیا، امین باکت رہ گئی، علی چاچا تھا،
لیکن وہ دم بخود کھڑی تھی، اتنا بڑا دھوکہ اور وہ بے
خبر رہی، اس وقت کے باوجود بھگتے، ابھی سوگ
بھی نہیں مٹایا تھا کہ شور کی آواز نے اسے متوجہ کیا،
اس نے کھڑکی سے دیکھا، رمیز اور سب گھر والے

کھڑے تھے، امین کا کمر اتر چکا تھا، ان کی
آوازیں واضح سنائیں دے رہی تھی۔
”تم یہ سمجھنے سے ہی جانتے تھے کہ تمہاری

امین سے نسبت ملے ہے، پھر تم نے ایسا سوچا
ہی کیسے۔“ محمد عظیم غصے سے گرے۔
”مجھے دادی جان کے سوئم پہ پتہ چلا تھا۔“
رمیز بولا۔

”تم نے پہلے کبھی کیوں نہیں بکواس کی اگر
”میں اعتراض تھا؟“ رمیز تخت لہجہ میں
پڑیں۔

”اس سے پہلے انہوں نے کبھی ماہا بزدانی کو
نہیں دیکھا تھا۔“ جواب علی دیا۔
”تم خاموش رہو۔“ علی کے منہ پہ رمیز چڑ
کیا۔

”علی ٹھیک کہہ رہا ہے۔“ عروج نے بھی
دہرایا۔

”اس سے قبل آپ لوگوں نے کبھی میری
رضا مندی جانے کی زحمت نہیں کی، آج مجھے
میری شادی کی تاریخ بتا رہے ہیں، جیسے
میری شادی نہیں ملے میں کسی کی شادی ہے۔“
ایسے جواب دیا۔

”کچھ بھی ہو، تمہیں امین سے شادی کرنی
ہی، ورنہ تمہاری اس گھر میں کوئی نتوانش نہیں
ہے۔“ محمد عظیم بولے۔

محمد فاروق اور صاحبہ تھکے ہارے تیشوں
سے کمرے میں چلے گئے۔
”میں امین سے کسی صورت میں شادی
نہیں کر سکتا۔“ رمیز نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ

”کیا کی ہے امین میں؟“ رمیز زنج
پڑا۔

”وہ میری آئیڈیل نہیں ہے، ایک سیدھی
گھریلو لڑکی جسے دنیا کی خبر نہیں ہے، صرف
ہے کہ آج بزی بکلی ہے، کل دال کے پی، گی،
اور گوشت بنے گا۔“ رمیز نے طنز کیا۔

رمیز اور فاروق نے ایک ایسوس بھری نظر
اس پہ ڈالی امین سے کھڑے ہونا مشکل تھا، وہ
لڑکی ناگوں پہ قابو پاتے ہستہ بے جاں کی گر
گئی، رمیز اور ماہانہ اس کے اندر سے اعتبار کا کل
کیا تھا، اس کا ناٹ ٹوٹ گیا تھا، جس شخص کے نو
عری میں خواب بنے شروع کیے تھے، آج اس
نے بیداری سے ان خوابوں کو بلا کر نکال دیا
کے فوج ڈالا تھا، وہ جتنا بھی تڑپتی کہ تھا، آنسو
روانی سے اپنی یہ قدری پہ بہہ رہے تھے، روتے
رو تے اس کا وجود جھٹکے لگنے، عروج اسی بل
اندہ آئی، امین کو سنبھالا، زبردستی میڈیسن دے
کے سلائے، رات کے بجائے کس پہر اس کی آنکھ
کھلی پیاس کی شربت سے حلق میں کانٹے جیسے
محسوس ہوئے، ہر سیری طرح چکرار ہوا تھا، اس نے
دو پہر سے کچھ نہیں کھایا تھا، وہ بمشکل خود کو سنبھالتی
ہوئی چن تک آئی، پیاسہ امی کے کمرے سے
سکیوں کی آواز سن کے باہر پھری تھی۔
”سہاوی ایک دن بھی اولاد ہے، اس کے نصیب
میں ایسا کیوں ہوا ہے۔“ صاحبہ نے شکوہ کیا۔
”اللہ نے یقیناً اس کے نصیب میں رمیز
سے بہتر شخص لکھا ہے، تم دیکھنا میری امین بہت
زیادہ خوش رہے گی۔“ محمد فاروق نے صاحبہ کا
ہاتھ تھام کے دلا سے دیتے ہوئے کہا، ان کے
انگار میں اہل دل تھا، جس کا مطلب تھا کہ وہ کچھ
اودھ روچ رہے ہیں۔

☆☆☆

”ماہا! بیوی ایسا ہی ہوگا۔“ رمیز کے
کمرے سے گزرتے ہوئے رمیز کی آواز نے
اس کے قدم جکڑ لئے۔
”تم آن پارا امین پتو قوف سی لڑکی ہے،
کچھ دن رو دھو کے مہر کر لے گی، میری منت
ساجت کرے گی، تو میں کون سا رحم کروں گا تم

بے فکر رہو۔“ رمیز نے مضبوط لہجے میں کہا، احساس تو ہیں سے ایمن کی آنکھوں سے آنسو چھلک گئے۔

”بس اب نہیں رونا۔“ ایمن نے بے دردی سے اپنی آنکھیں مگڑھیں۔

”رمیز! مجھے اپنی عزت نفس بہت عزیز ہے، یہ ہماری ہیجول ہے کہ میں روؤں کی مثالیں کروں گی۔ اپنے آپ کو گراؤں گی، میں اتنی بے مصلو نہیں ہوں، تم مجھے بے حس، بے ضمیر انسان کے لئے رونا میری کم عقلی ہے، میں اپنے نصیب پہ شاکر ہوں، میرا اللہ میرے حق میں بہتری کرے گا۔“ ایمن نے نقل پڑھ کے فیصلہ کیا اور اس فیصلے کے بعد وہ ہل چکی ہوئی۔

صبح حسب معمول جاگی، فجر کی نماز اور تلاوت کے بعد چکن میں اپنے روزمرہ کے کام نہانے لگی، کسی دکھ کا اس کی آنکھوں میں شائبہ نہ تھا، سب نے اسے حیرت سے دیکھا اور اس کے حوصلے کو داد دی۔

”آئی! آپ کو دکھ نہیں ہے۔“ علی نے بغور دیکھا۔

”نہیں علی دکھ کیا، رمیز کو اختیار ہے وہ اپنی پسند سے اپنی شریک حیات کا انتخاب کرے، اگر اسے ماہا پسند ہے تو اسے ماہا سے شادی کرنی چاہیے اور یہ ہمارا چکن کا رشتہ تھا، اس لئے میں نے بھی رمیز کے متعلق کسی خاص حوالے سے نہیں سوچا، اس لئے مجھے کوئی افسوس نہیں ہے، ماہا بہت پیاری لڑکی ہے، رمیز اس کے ساتھ خوش رہے گا۔“ ایمن نے خنجر کی ہے۔

رمیز جوتا شے کا کہنے آیا تھا، ایمن کا جواب سن کے پلٹ گیا۔

”کیا واقعی ایمن کو مجھ سے محبت نہ تھی، اسے مجھ سے کوئی لگاؤ نہ تھا، وہ مجھ کو زن ریشٹن

شپ تھی، ایمن! تم بے حس لڑکی ہو، جنہیں کراہتی نہیں آتی تمہاری سوچ صرف بس جان جھاڑو پوپے تک محدود ہے۔“ رمیز نے خفا سے سوچا اور درحقیقت اس کی اتنا پر چوٹ لگی کہ اس جیسے قابل اور وجہہ شخص سے عام ایمن فاروق کو محبت نہ ہو سکی۔

☆☆☆

اگلے ہی پختہ محبت پیچھو افراتفری میں اور اٹھ کھڑی ایمن کو پہننا لگی، ایمن دگر رہ گئی، کچھ اتنا چاک ہوا کہ مشورے کی سوچنے کی مہلت نہیں ملی۔

”بیٹا! میں جب بھی تمہیں دیکھتی ہوں خواہش ہوتی کہ کاش ایمن میرے گلن میں اور آج میری دیرینہ آرزو پوری ہو گئی ہے، بہت خوش نصیب ہوں۔“ وہ بدبندہ ہوئیں۔

”پیچھو! آپ نے اپنے بیٹے سے اس رضامندی حاصل نہیں کی تھی یہ شکوہ نہ وہ ان سے دریافت نہیں کیا، بالائی آئینہ دل میں شورش، بے باک لڑکی ہو اور کل کسی کیسے جا پڑوہ یہ معنی قسم کر دے۔“ ایمن نے بے بسی اس کی آنکھوں پہ ٹھکرا دیے جانے کا دکھ نمایاں اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

”میں نے ارسلان سے مشورہ کیا اور ہر بات پر اتفاق فیصلہ کیا ہے، پچھلے دنوں میں نے اس کو پچھا کہ تمہارا رشتہ تلاش کر رہی ہوں، خالص رستہ داروں میں اگر تمہیں کوئی پسند ہو تو بتاؤ، جانتی ہو اس نے کیا جواب دیا۔“ پیچھو اس کی آنکھوں میں دیکھا اور مسکرائیں۔

”کتنے لگا، امی! مجھے ایمن جیسی باجیا مشرقی اور خالص گھریلو لڑکیاں پسند ہیں، وہ بیٹا ہے جنہیں بہت خوش رکھے گا، وہ تمہاری عزت کرتا ہے، ہمیں بہت محبت دے گا۔“

لے یقین دہانی کرائی۔

پھر مقررہ وقت پہ ایمن کی شادی ہوئی، لڑکی سے پہلے جتنے سو سے اور خدشے تھے سب اٹھ ہو گئے، ارسلان کو کہ ظاہری خوب صورتی میں سے بڑھ کے نہ تھا لیکن باطنی حسن میں اس سے کہیں زیادہ گئے تھا، بہت سب، نرم مزاج اور دروازہ انسان تھا، اس نے بھی رمیز، ماہا کے متعلق نہیں کی تھی، ایمن بہت زیادہ خوش تھی، وہ انسانی سے پیچھو کے گھر ایڈجسٹ ہو گئی تھی، فون، مانی، علی، عروج سے روزانہ بات ہوتی تھی، علی نے بھائی کا اور عروج نے اس کی شادی میں بہن کا ادا کیا تھا، ایمن نے عروج کی مخالفت کے بعد وہ ماہا پر دانی کو اپنی شادی پر انویٹ کیا تھا، اس میں ماہا کا سامنا کرنے کا حوصلہ تھا، وہ خوش آتا جا چکی تھی۔

ماہا پر دانی، ایمن کا انوشن کارڈ یا کے دنگ لگی، کیونکہ اسے ایمن کے رشتے کا علم نہیں تھا، اس کو اس معاملے سے قطعی بے خبر کر رکھا گیا، وہی آج کل گھر میں اس سے بات برائے نام ہی کرتے تھے، ایمن سے رشتہ توڑنے کے بعد اب اس سے خفا تھے، وہ بھی نئی جاب کی دریافت کے باعث شام کو دیر سے آتا تھا، اس کے بعد ماہا سے ملنے یا پھر فون پیچھو کرنے کی مصروفیت کے سبب خود بھی گھر سے کسی کم سے کم ہی بات کرتا تھا، امی، ابو محض کوئی دل جلائے والی بات کر جاتے، علی نے انداز میں بات کرتا کہ یہ یقین کرنا مشکل تھا کہ وہ رمیز کا بھائی ہے نہ کہ ایمن کا، وہ ایمن کا بھائی لگتا، عروج کی آنکھوں سے اٹا پگتا نہ بین ہوتا، آنکھوں میں انجینیت اور کچھ مجھے میں بات کا جواب دیتی، وہ بھی اگلی امی، ایمن جو اس پہ جان چڑھتی تھی، علی سے کٹر

محبت و مہارت، لڑائی جھگڑے، روٹنا منانا چل رہا تھا، لیکن رمیز سے وہ بہت محبت کرتی تھی، بہت عزت و احترام سے پیش آتی، رمیز کا رویہ بھی محبت اور شفقت لے لے ہوتا تھا۔

گھر والوں نے اسے بیکر نظر انداز کرنا شروع کر دیا تھا، نگہت پیچھو کے لئے آئی اور کیا فیصلہ ہوا اس نے نہیں بتایا، ہفتہ پہلے گھر میں شور مچا، تیار یاں دکھ کے وہ ٹھٹھا تھا، لیکن خاموش رہا، جب ہی ٹھٹھے کی آغوش اسے ایک دن راستے میں ملیں۔

”السلام علیکم! رمیز نے ادب سے سلام کیا۔

”علیکم السلام! کیا حال ہے؟“ انہوں نے رسوا پوچھا۔

”اللہ کا شکر ہے۔“ رمیز ہلایا۔

”شادی کی تیاری ہو گئی؟“ آغوش نے پوچھا۔

”کس چیز کی؟“ رمیز الجھا۔

”شادی کی ہفتہ کی پورا نہیں باقی۔“ انہوں نے جواب دیا، رمیز سن کے گنگ رہ گیا۔

”بہت اچھی لڑکی ہے، اللہ اس کا نصیب اچھا کرنے اور قدر کرنے والا جیون ساتھی عطا کرے۔“

آغوش نے سادگی سے دی جانے والی دعا دے وہ چڑا گیا، گھر والے کم تھے، جو محلے والے طنز کرنے لگے۔

”اور مجھے کسی نے بتانا پسند نہیں کیا۔“ رمیز کا دل دکھ سے بھر گیا۔

”ایمن کی گھر میں اور محلے میں سب کو فکر ہے اور میری پروا کی کوئی نہیں ہے، صرف ماہا سے محبت کرنا میرا انتخاب اہرام بن گیا۔“

وہ کھڑا تو تو پہلی نظر ایمن پر پڑی، لالیت

ٹی پتک سوٹ میں لمبوس وہ بہت فریخ اور پیاری لگ رہی تھی، اس کی سیاہی کی آنکھیں، کا گل سے نکلی ہوئی تھی، وہ عروج کی بات پر مسکراتی ہوئی اسے اپنی سی گئی، پھر سر جھٹک کے اپنے کمرے میں آگیا، عروج کی روبرو کی مانند کھانے کی ٹرے رکھ کے چلی گئی، بے دلی سے کھانا کھایا، ماما کاغیر دیکھا، وہ نہ جتنا موبائل اس وقت زہر لگ رہا تھا۔

”کیا ہوا؟“ ریزہ نے پوچھا۔
”کچھ نہیں، چڑا ہٹ میں آ جاؤ۔“ ماما نے جھک کر کہا۔
”نہیں! بار! سر میں درد ہے۔“ اس نے ہاتھوں سے سر کو دبا تھا۔
”تو ایسکیزو۔“ ماما بولی۔

وہ جو سوری کرنے لگا تھا، چپ ہو گیا، وہ آج نہانے کیوں ڈسٹر تھا، ماما سے ملنے کے بعد بھی آج اسے کچھ اچھا نہیں لگا، ایمن کی چمکتی آنکھیں اس کی نگاہوں میں تھیں اب وہ بھی سمجھا کر وہ ڈسٹر کیوں ہے۔

”تم بور کر رہے ہو، آج نہ تم نے میری تعریف کی۔“ ماما خفا ہوئی، ریزہ زبردستی مسکرائی۔
”کیسی لگ رہی ہوں میں؟“ ماما تعریف سننے کے موذ میں تھی۔

ریزہ نے سرسری سی حیران نظر ڈالی، بلیک شیٹوں سوٹ اور ہر گنگ چیلری میں وہ عام دونوں سے کہیں زیادہ حسین لگ رہی تھی۔

”بہت پیاری۔“ ریزہ نے بے دلی سے کہا۔

”گھر چلو۔“ ماما کا موڈ آف ہو چکا تھا۔

”کیوں؟“ ریزہ اس کے اچانک کھڑے ہونے پر حیران ہوا۔

”میں جارہی ہوں۔“ وہ کہہ کر رکی نہیں

اور اپنی کار میں بیٹھ گئی، ریزہ اس کے پیچھے لپکا۔
”ماما! کیا ہوا؟“

ماما نے ان کی کڑکے کار اسٹارٹ کیے نیازی سے چلی گئی۔

ریزہ تھا بار، روڑ پر گھومتا رہا، رات باجے ایک ریڈمی سے گرگے لے کھایا اور دیر بعد گھر آیا، پہلی نظر ایمن پر پڑی جو عروج کے دوپٹے کاوڑھے بہت دلکش لگ رہا تھی، اس کے چہرے پر فوس فزاج کے رنگ بکھرے تھے، پیچھے پہ کھار تھا، وہ دونوں کی آمد سے بے خبر تھی۔

”تم نے عروج لباس کا کھر کیوں پہنچا؟“ عروج نے جھپٹ کر پوچھا۔

”عجب پیچھو نے کہا تھا، ارسلان کو پر لکھ بہت پسند ہے، میں نے سوچا پر لکھ لوں۔“ سادی سے ہنسی ایمن ریزہ کو بہت لگی، اس کے منہ سے ارسلان کا ذکر اور اس پسند کا خیال ریزہ کو ناگوار کر رہا تھا۔

”ادھیہ، کل تک میرے خواب دیکھے اور آج اتنی جلدی بدل گئی، تم از کم مجھ سے بات کرنی، کچھ احتجاج کرنی۔“ ریزہ نے سوچا۔
”لیکن کیا میں اس وقت اس کی سنتا۔“
”ہرگز نہیں۔“ اس کے دل نے جواب دیا۔

”میں ایمن کا کیوں سوچ رہا ہوں، ماما بھلا کیا مقابلہ، ماما جیسا مکمل حسن، عام

میرے دوست مجھ پر رشک کرتے ہیں کہ مجھ میں حوصلہ گئی، کبھی ان ہی دوستوں نے ایمن سے ملنا نہیں ہرگز نہیں، ایمن تعریف کے ہوتی تو سراہتے نہ۔“ ریزہ نے سوچا۔

”ماما کو آج خفا کر کے اچھا نہیں کیا،

منانا چاہیے۔“ ریزہ نے اس کا نمبر ڈائل کیا، لیکن نمبر دیکھ کے ماما نے آف کر دیا، ریزہ نے جین ہو گیا، ٹی ٹی ایل ٹرائی کیا، وہاں سے کسی نے ریزہ نہیں کیا، ریزہ پریشان ہو گیا، صبح سب سے پہلے ماما کا نمبر ٹرائی کیا وہ بدستور آف تھا، بے دلی سے ریزہ تیار ہو کے آفس گیا، آفس میں جی کام میں دل نہیں لگا، پانچ بجے ماما کے گھر کا رخ کیا، ماما اسے گیٹ سے باہر لٹی تھی۔

”ماما کہاں ہو؟ میں ساری رات تمہارا نمبر ٹرائی کرتا رہا۔“ وہ بے جاہلی سے ماما کے قریب آیا۔

”میں ٹی ٹی ایل جارہی ہوں، میرے کزن شیمیر کی تھوڑے۔“ ماما غصے سے بولی۔
”ماما مجھے تم سے ضروری بات کہتی تھی۔“ ریزہ نے التجائی۔

”میرے پاس ٹی ایل مال وقت نہیں ہے، میں جارہی ہوں۔“ ماما گاڑی میں بیٹھ گئی، ریزہ نے ہنسی سے دیکھنا شروع کیا۔

پھر ایسا ہی ہونے لگا، ماما نے نہ جھنجھ کر کیا، وہ ساری رات ٹرائی کرتا رہا، ماما کی ناراضگی کی وجہ پانے سے وہ قاصر تھا، ماما کے گھر گیا، ملازمہ نے بتایا کہ وہ مجبور بن کر دفتر سے لڑنے لگی ہے، دس دن بعد آئی تھی، ریزہ بہت پریشان تھا، دفنی دباؤ کی وجہ سے آفس میں بھی دل نہیں لگ رہا تھا، گھر میں کام اتنے تھے کہ وہ ان کاموں میں حصہ نہیں لے رہا تھا۔

☆☆☆

ایمن ماماں بیٹھ گئی تھی، اس نے نظر نہیں آتی تھی، عروج یا کام میں مشغول ہوئی یا ایمن کے کمرے میں رہتی، علی، ابو اور چاچا کے ساتھ باہر کے کاموں میں مصروف رہتا، اس کی اہمیت اتنی ہی تھی کہ وقت پر اسے کھانا مل جاتا، کپڑے

پر لیس ملے، گھر میں بھی دل نہیں لگتا تھا، پورے سے اکتا کے وہ ”خیم مال“ آگیا، یوں ہی بے مقصد گھومتا پھرتا رہا، کافی بجے گاؤں فلور میں آیا۔

”ریزہ! کہاں گم ہے، بار، دوستوں سے دور۔“ اس کا کلاس میٹ احتشام پاس آیا۔
”ایسے ہی بس۔“ ریزہ زبردستی چمکی سی مسکراہٹ سے بولا۔

”یار! تیری ماما سے ملاقات ہوئی؟“ احتشام دفنی انداز میں بولا۔
”نہیں۔“ ریزہ نے ٹی ٹی ایل میں سر ہلایا۔

”یار! اس کا حسن کس پرینڈ کیف کو مات دیتا ہے۔“ احتشام نے طنز انداز میں کہا۔
ریزہ کو یوں غیر محرم کے منہ سے ماما کی تعریف اچھی نہیں لگی، لحاظ سے چپ رہا۔

”کیا، ماما کا انتظار ہو رہا ہے؟“ احتشام نے پوچھا۔
”نہیں وہ مجبور بن گئی ہے۔“ ریزہ نے بتایا۔

”اوہ۔“ احتشام مایوس ہوا۔
”تم کیوں مایوس ہو رہے ہو، کچھ کام تھا؟“ ریزہ نے شرمندہ گردن کیا۔
”نہیں، حسن کی دیو کی دیدار کے مشتاق ہے۔“ احتشام نے آہ بھری۔

ریزہ کا دل چاہا، اس کے منہ پر ایک گھونسا مار دے، اس کے دانت توڑ دے، لیکن مروت میں خاموش رہا۔

”میں چلتا ہوں، کچھ کام ہے؟“ ریزہ کچھ دیر بعد بولا۔

”اوکے کئی مین۔“ احتشام نے ہاتھ ملایا۔

”اوکے۔“ ریزہ نے جان چھڑائی۔
”مہمانوں کی وجہ سے گھر میں بہت رش تھا،

کہنیں کو مانگ رہا تھا

رابعہ شاہین

بہلی شادی تھی، سب ہی عزیز واقارب مدعو تھے، ریزرات گئے مہمانوں کی خاطر تو اس صبح میں مشغول رہا، صبح بارات تھی، نگہت پچھو کی پہلی کو اتر پورٹ ریسو کرنے بھی اسے اور علی کو جانا تھا، صبح اتر پورٹ جانے کا اس کا قطعی موڑ نہیں تھا، لیکن گھر والوں کی ناراضی کے خوف سے چلا گیا، ارسلان اور نگہت پچھو کی خوشی اس کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں کی۔

”اے خوش ہو رہے ہیں جیسے قارون کا خزانہ ہاتھ لگ گیا۔“ ریز نے ہل کے سوچا اور نظاہر خوشدلی سے ملا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے روپے سے وہ غیر مطمئن لگے۔

ایمن کو پار سے لے کے آنے کی ڈیوٹی بھی اس کی تھی، جھنجھلاتے ہوئے وہ پار پہنچا، عروج، ایمن کے ہمراہ تھی، ایمن نے بڑی سی چادر سے خود کو ڈھانپا ہوا تھا، وہ دیکھ نہیں سکا، انہیں لے کر میرج ہال پہنچا، جہاں نکاح کے لئے دوپٹن کا انتظار ہو رہا تھا، میرج ہال آتے ہی اس کی نظر ارسلان پر پڑی، بلیک ٹری بیس میں وہ خاصا اسماٹ اور خوش نظر آ رہا تھا، ریز فراداد و مہمانوں سے مل رہا تھا، نکاح کے بعد ایمن کو ارسلان کے ساتھ بیٹھا دیا تھا، وہ ایمن کو دیکھ کے دگ بھی رہ گیا تھا، دوپٹن بنی وہ بے حد خوب صورت لگ رہی تھی، وہ نکلی باغ سے دیکھے گیا۔

ابنی حسین اتنی دلکش، بہت روپ اور نکھار آ رہا تھا، سب نے فراخدلی سے سراہا، ایمن کے چہرے میں ایسا کیا ہے جو اسے مایہ منفرد بناتا ہے، ریز جھنجھلایا۔

”نظارہ عام سی لیکن بہت پرکشش ہے، دل میں اتر جاتی ہے، ایسا کیا ہے؟ جو ماہا میں نہیں؟“ ریز نے سوچا۔

”ایمن کی حیا، سادگی، بھولپن، اسے ماہا

☆☆☆

”چھ تو تم بھی دھوکے باز لکھنا ہو، تم نے اپنی مگیٹ کو چھوڑا“ ماہا کے کپڑے اسے لا جواب کر دیا، وہ مرجھکا کے واپس آ گیا۔

ریز چلایا۔

☆☆☆

”چھ تو تم بھی دھوکے باز لکھنا ہو، تم نے اپنی مگیٹ کو چھوڑا“ ماہا کے کپڑے اسے لا جواب کر دیا، وہ مرجھکا کے واپس آ گیا۔

ریز چلایا۔

شاداں سے اس کی شادی کو ایک مہینہ ہوئے تو کھتا، شاداں اس کے چچا کی انکلی اولاد تھی، دودھ مکھن سے پلے، گاؤں کی المری شیرادہ بھی مکھن کا بچہ تھا، گاؤں کی کئی لڑکیاں اس پہ جان دیتی تھیں مگر اس نے بھی کسی کو خاطر میں نہیں لایا تھا، جب شادی کا مرحلہ آیا تو قرعہ فال شاداں کے نام نکلا، اس نے بھی جب شاداں کو دیکھا تو سالو اسلوٹا روپ دل میں ازگیا، زندگی ایک دم بہت خوبصورت کی لگنے لگی، شاداں نے نہ صرف اس کا دامن محبت کے مٹھوں میں بھر دیا بلکہ اس کے گھر کو بھی چار چاند لگائے، شب و روز اپنی خصوصی رفتار سے تڑپ رہے تھے کہ ایک کنکراس پر سکوت پھیل کونشتر کر گیا۔

ایک دن وہ گھر میں داخل ہوا تو بے بے اسے اے پکارا۔
”شیرو پترا! تیرے چاچے امتیاز الدین کا شہر سے نکلی فون آیا تھا اس کی دبی آ رہی ہے ہمارے گاؤں، کسی اخبار میں کام کرتی ہے وہ کیا کہتے ہیں.....“ بے بے سوچ میں ڈوب گئی۔
”ارے ہاں..... وہ نوچر لکھے گی گاؤں“
”او بے بے! نوچر نہیں، فچر ہوتا ہے۔“
شیرو نے ہنسی کی۔

”ہاں..... ہاں وہی، امتیاز الدین تیار ہوا تھا وہ گاؤں کا ماحول دیکھے گی، بس میرا پترا تو کل سویرے اسے شین سے لے آیا۔“

”لو جی اک نئی مصیبت..... نیا سیاپا“
شیرو نے ناگواری سے منہ بنایا، تمام تر خوبصورتی اور وجاہت کے ساتھ اس میں بے خاشی کی کردہ کام چور تھا، اچھی بھلی صحت کا مالک تھا لیکن پتہ نہیں کیوں کام کرنے اور کوئی ذمہ داری اٹھانے سے گزرتا تھا، باپ کی چھوڑی ہوئی مربعوں

زمین پر مزار سے کام کرتے تھے، کئی مزار سے ساری فصل سیٹ کر اپنے گھر لے جاتے مگر اس کے کان پہ جون تک رہتی، بے بے کے زمینی رہ جاتی مگر پرداہ کے بھی، کچھ ایماندار مزار سے دینا ستاری سے اپنا حصہ لے کر پانی فصل دے جاتے تھے، اسی سے گھر کا انتظام چلتا۔
”پترا لے آ امتیاز الدین کی دبی کو میٹھن تیرے ابا مرحوم کے بڑے پرانے دوست کی بیٹی ہے، بڑے احسان ہیں، ہم امتیاز الدین کے“ بے بے نے شیر کو تاکید کی مگر وہ اپنی لاپرواہی کی بدولت بھول گیا۔

سارا دن گزار کے شام کو جب گھر میں داخل ہوا تو ایک شہری لڑکی گھر میں بے بے اور شاداں کے پاس بیٹھے دیکھا تو اسے خیال آیا کہ اسے تو امتیاز الدین کی بیٹی کو میٹھن سے لینے جانا تھا، بس اب بے بے اس شہری لڑکی کے سامنے عزت دو کوڑی کی کر دے گی، شیر وڈو تے ڈرتے اندر داخل ہوا تو بے بے نے پوچھا۔

”میں نے تجھے کیا کہا تھا؟ امتیاز الدین کی دبی کو میٹھن سے لے آیا۔“ بے بے کے کتور خاصے جارحانہ تھے، اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا شہری لڑکی بول اٹھی۔

”بے بے! جس انجی کا ذکر کر رہی تھی نا جس نے تجھے یہاں تک پہنچایا تھا وہ یہی تو ہے مگر اس نے بتایا نہیں کہ یہ آپ کا بیٹا ہے۔“
”اس کے ایسے ہی سوچے کام ہیں، شکر ہے تجھے میٹھن سے لے آیا تجھے تو اس کی بھی امید نہیں تھی اس سے۔“ بے بے کی بات سن کر ایک گہری سانس شرو کے حلق سے خارج ہوئی، اس نے تشکر بھری نگاہ اس شہری لڑکی پر ڈالی جو بے بے کے پہلو سے یوں گئی تھی جیسے ان کی اپنی بیٹی ہو، اساء نے بھی اسے مسکرا کر دیکھا تھا مختلف

لوگوں سے راستہ پوچھتے پوچھتے وہ یہاں تک پہنچی تھی، وہ نہیں جانتی تھی کہ شیر وڈو اس کی وجہ سے بے بے سے ڈانٹ پڑے۔
پھر شیر وڈو وہ لڑکی بھی شاداں سے کہیں لگاتے دکھائی دیتی تو بس بھی بے بے کے ساتھ درستی لے چارہ بنارہی ہوئی، کبھی کبھی کے جو لمبے میں بیچوں میں مار کے آگ جلاتی تو بیچ بیچوں کو چارہ کھلا رہی ہوئی، وہ دھاتن پانی کی لڑکی پوری حوصلہ میں لہرائی پھرتی، کچھ تھیں دنوں میں سب سے یوں مانوس ہو گئی کو با برسوں سے یہیں رہتی ہو، گورامن موہنا ساروپ، سیاہ تاشیدہ ریشمی بالوں کی آوارہ لیں، چہرے اور خاتون پر جموٹی ریشم، شاداں تو اس کی دیوانی ہو گئی تھی ہر وقت دونوں ایک ساتھ دکھائی دیتیں۔

وہ تو یوں بھی گھر میں کم ہی رہتا تھا، اس پر متحاذ اکڑ مزاج، اس نے اساء کو زیادہ لفٹ نہ کرائی مگر اساء کا رویہ اس کے ساتھ بھی دوستانہ ہی تھا ایک دن شیر وڈو گھر پہنچا تو اساء نے فرمائش کی۔

”شیرو! مجھے گاؤں کی سیر کرنی ہے، مجھے گاؤں دکھلاؤ۔“ یہ سن کر شیر وڈو سنہن گیا۔
”نہ نہ! لی! میں بہت تھکا ہوا ہوں، مشکل ہے ابھی۔“ اس کا جواب سن کر اساء بھونچکا رہ گئی۔
”مجھے جانا ہے تو ابھی جانا ہے ورنہ کبھی نہیں جانا۔“ وہ اٹھلائی۔

”واہ! اچھی بہت دھری ہے۔“ وہ یہ کہہ بھی نہ پایا تھا کہ بے بے آن موجود ہوئیں۔
”چل شیر وڈو! امیر، امیر، دبی کو ابھی سیر کر کے لاؤ ورنہ جانتا ہے نہ تو تجھے۔“ بے بے کے تیور دیکھ کے شیر وڈو اٹھ اٹھی پڑا۔
”چلیں۔“ غصہ بدلتے ہوئے شیر وڈو چل پڑا

تو اساء چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ لئے اس کے پیچھے ہوئی، اس نے کھیت دیکھے، نمبر کے پانی میں خوب جھینٹے اڑائے، گھاس پہ بھائے دوڑتے بکری کے بچوں کو اٹھا کر پیار کیا، اسی طرح اٹھکیاں کرتے واپسی کی راہ لی، شیر وڈو اٹھ مزاحیہ سے اس کے آگے آگے چلتا رہا، ایک خطلون کے منہ سے جچی نکل گئی، اسی نلے شیر وڈو پیچھے مڑا اور اسے گرنے سے بچانے کی غرض سے لاشوری طور پر دونوں ہاتھ آگے بڑھائے، اساء بھی پوری قوت سے شرو کی طرف بڑھی تو اس کا ایک ہاتھ اساء کی سر کے گرد جامل ہو گیا اور دوسرے ہاتھ میں اس کا نازک ہاتھ آگیا، ایک غائبے کو دونوں ایک دوسرے کے اتنے قریب آ گئے کہ دونوں کو ایک دوسرے کی سانسوں کی حد محسوس ہوئی، اساء کے نازک بدن کی قربت اور زلفوں سے اٹھنی خوشبو نے قیامت پر پا کر دی۔

اساء کی بھوتی ہوئی ہے پرداہ لٹنے شیر وڈو کی ٹھوڑی کو چھوا تو گویا اسے کرنٹ سا لگ گیا، اس نے یک دم اساء کو چھوڑ دیا یہ سب اتنی جلدی ہوا کہ دونوں مجھے سے قاصر تھے کہ ان کے ساتھ ہوا کیا ہے، دونوں کے احساسات سمجھنے سے ہو گئے تھے، شیر وڈو اسے وہیں چھوڑتا بے بے ڈگ بھرتا نظر سے غائب ہو گیا، اساء میں اتنی بھی ہمت نہ تھی کہ اسے اسے روکنے یا کم از کم پیچھے ہی چل پڑتی، راستوں کے اندازے لگائی شام کے اندھیرے میں گھر لوٹی تو شیر وڈو گھر میں نہ پا کر شکر ادا کیا ورنہ اس کا سامنا کرنا مشکل تھا، رات کو کبھی شیر وڈو گھر نہ آیا، شاداں نے تھاکا کہ وہ رات ڈیرے پر پڑی رہے گا جب کوئی تھاکا کام ہوتا ہے تو شیر وڈو اسے پر ہی رہتا ہے، شاداں نے اطلاع کے ساتھ دوسری معلومات میں بھی اضافہ کر دیا،

وہ شادان سے آنکھیں نہ ملا رہی تھی۔

پھر ساری رات کانٹوں کے ستر پر گزرتی، نجانے نیند کی دیوی اچانک اس پہ کیوں ناہریاں ہو گئی تھی شاید وہ اس اچانک رونما ہونے والے واقعے کے اثر سے نہ ٹھکل پائی تھی، شہرہ کی سانسوں کی آغوش سے نہیں قریب ہی محسوس ہوتی اور وہ اٹھ کے بیٹھ جاتی، وہ کوئی ناپختہ ذہن کی کم عمر لڑکی نہیں تھی، شروع سے ہی کوئی کنکشن میں چرچتی آئی تھی اور حسین ابھی کہ سیٹیلوڈ میں نمایاں دکھائی دیتی، کتنی ہی سٹائیظ نظر میں اس پر اٹھیں مگر وہ سب کو نظر انداز کر دیتی، لٹنے ہی ہاتھوں نے اس کے دل پر دستک دی مگر کسی دستک پر درد دل وادب ہوا تھا، طرح دار، تعلیم یافتہ نوجوانوں کے درمیان ذہانت سے اپنا مقام بنانے والی لڑکی ایک ایسا کام سے دہپائی ہے متاثر ہو گئی اس کا ذہن بے پائے سے یکسر متحرک تھا، پھر پھر دل کی بے گئی کیا ہے، ایسا احساس پہلے تو بھی نہ پا تھا، وہ سارا سارا دل کھولی دیتی، نہ ڈھنگ سے کھاتی چینی نہ خوشیاں نہ شہزادیں، اس کا دل دہم و گمان، یقین و بے یقینی کے درمیان پھولم کی طرح جھولتا رہتا۔

اسی بولڈ اور ذہین لڑکی اور ایک سادہ دیہاتی سے محبت، نہیں نہیں کہہ سکتے ہیں، جب ذہن نہیں..... نہیں کی گردان کرنے لگتا تو ایسا یک شہرہ کے ہاتھوں کا کس کمر پر دیکھنے لگتا اور وہ بے چین ہو اٹھی، اس دن کے بعد سے اسے شہرہ نہیں دکھائی نہیں دیا خود اس میں بھی اس کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی۔

اسامہ کی اس کیفیت سے بے اور شادان بھی شکر نہ ہو سکتی کہ ہر وقت ہنسنے ٹھٹھکانے والی لڑکی ایک دم یوں خاموش کیوں ہو گئی، شادان اس سے پوچھ پوچھ کے تھک چکی تھی کہ اس کی

اداسی کا سبب کیا ہے، بے بے چاری کو وہم ستانے لگا کر لڑکی کی سرشام بھٹیوں سے اکیلی کوئی تھی نہیں کوئی سایہ ہی نہ ہو گیا ہو، انہیں انفسوس ہونے لگا کہ یہ لڑکی کیوں اسامہ کو شہرہ کے ساتھ بھیج دیا وہ تو اسے چھوڑ کر کھل گیا ہو گا دوستوں کی طرف اور اسامہ بے چاری کو اکیلے واپس آنا پڑا۔

”نہ جانے کیا ہوا ہے لڑکی بے چاری نہ کھاتی ہے نہ چیتی ہے کوئی چہرہ کی لگتی ہے، امتیاز الدین کیا ہے گا کہ میری دیکھ کا خیال بھی نہ رکھ سکے۔“ یہ سوچ کر بے بے مولوی صاحب کے پاس چل دیں اور توبہ لاکر شادان کے حوالے کر دیے اور تاکید کی وہ چوری چھپے یہ توبہ اسامہ کو بلا دے، شادان اسامہ کی حالت دیکھ کر پریشان تھی کہ اس کی پہیلی کو پتہ نہیں ہے موندے خن چھوڑتے بھی ہیں کہیں۔

شہرہ بھی اس دن سے ڈیرے پر ہی تھا، فضلوں کی کٹائی کا آغاز ہونے والا تھا، اس لئے کام بڑھ گیا تھا، ادھر یقین و ابہام کے درمیان جھولی اسامہ نے واپس لوٹنے کا فیصلہ کر لیا، اس نے گاؤں پہنچ کر کھینے کا منصوبہ بنا کر دیا، ایک دن اچانک اس نے ساری پینکٹ مکمل کر کے بے بے کا اطلاع دی کہ وہ واپس چاہتی ہے، بے بے اور شادان حیران رہ گئے انہوں نے اسامہ کو روکنے کی بہت کوشش کی مگر اسامہ نہ مانی۔

بے بے نے شہرہ کو ڈیرے سے بلوایا اسے تاکید کی کہ اسامہ کو لائسنس تک چھوڑ آئے، اسامہ کے جانے کا سن کر ایک لمبے کو شہرہ کو بھیج دیا، لگا، بے بے کے حکم کی تعمیل میں اس کا سامنا اٹھا کر ڈیرے لائسنس کی طرف ہولیا، اسامہ بے بے اور شادان کے گلے لگ کے بے ساختہ روئی، جانے ان سے چھڑنے کا دکھا تھا یا اور کوئی غم آتسو

تھمنے کا نام ہی نہ لے رہے تھے، وہ اپنا بیگ لے کر شہرہ کے پیچھے چل پڑی، تمام راستے شہرہ نے پیچھے مڑ کے نہ دیکھا نہ ہی اسامہ نے اسے پکارا بس اس کی پشت پر نظر ہی جمائے یہی سوچیں رہی کہ شہرہ کچھ کوئی خاص نہیں۔

اونچا لبا جوان، مردانہ وجہات کا بھر پور نمونہ، کیا یہ محبت کرنے کے لائق نہیں، کیا اس کے دیہاتی ہونے پر میرا دل متاثر ہے؟ وہ ابھن میں پڑ گئی، لیکن شادی شدہ بھی تو ہے، اس کا دل پھر اناپ شناپ سوچنے لگا، اس نے اپنے سر کو زور سے جھٹکا جیسے سر جھٹکنے سے سوچوں کی یہ گھڑی اس کے سر سے اتر جائے گی، شہرہ نے اسے ریل گاڑی لے کر دیا، اس نے سوٹ کیس اس کے حوالے کیا تو دل نے کہا کہ ایک بار مڑ کے دیکھ لو پھر شاید زندگی میں یہ مقام نہ آئے عقل نے پھر دل کو لگا دم ڈالی اور آگے چلنے کا حکم دیا، اس سے پہلے کہ وہ آگے بڑھتی شہرہ کی آواز آئی۔

”رب لا کھا لی بی۔“ اسامہ نے یک دم پلٹ کر دیکھا خردوختوں کی جنگ کہیں پیچھے رہ گئی، شہرہ جا چکا تھا اب کی بار بھی اسے اس کی پشت ہی نظر آئی اور دل میں دبا درد پھر سکایا لینے لگا۔

☆☆☆

شہرہ جب لائسنس سے لوٹا تو اسے لگا جیسے وہ اپنی متاع حیات کھو آتا ہے کاش وہ کچھ کھاتا کچھ تو جاسکتا کہ وہ کس آگ میں جل رہا ہے، کس اضطراب نے اس کے وجود کو گھیرے ہوئے رکھا ہے، اس سے اس کا قہر بسکون ہی چھن گیا، ابھی تک زندگی گزر رہی تھی، اب تو لگتا تھا جیسے زندگی کی آخری شہری گئی ہے کوئی راستہ کوئی منزل نہیں، باروں بد دوستوں سے عشق و محبت کا نام ضرور سنا تھا، لیکن یہ روگ بن کے جاں کو لگ

جائے گا یہ اسے معلوم نہ تھا، اس نے اپنے ایک با اعتماد دوست کو دل کی کیفیت سے آگاہ کیا تو اس نے بھی شہرہ کو یقین دلایا کہ یہ محبت ہے اسے اپنے جذباتوں کا اظہار کر دینا چاہیے۔

مگر وہ بے ہمت نہ رہا تو اس واقعے کے بعد تو اس میں اتنی بھی ہمت نہ رہی کہ وہ اسامہ کا سامنا کر سکتا، وہ شہری خوبصورت پڑھی لکھی لڑکی اور وہ گاؤں کا سیدھا سادھا نوجوان اور اس پہ شادی شدہ بھی، وہ بھلا کیکر اسے قبول کرنے لگی، شہرہ کو کسی طریقے پر اتر نہ تھا، نہ گھر پہ نہ ڈیرے پر نہ دوستوں کی عقل میں، نہ شادان کی قربت میں حالانکہ اسامہ کے زندگی میں آنے سے پہلے وہ شادان کی محبت میں سرور تھا، اب تو دل کی دنیا ہی الٹ پلٹ ہو چکی تھی، نجانے اب ایسا کیوں ہو گیا تھا؟ شادان کی آنکھوں میں تحیر کیوں اتر آتا جو اس لئے اسامہ کی آنکھوں میں تھا، کیوں شادان کے بولنے سے وہ محبت نہیں اٹھتی، کیوں شادان میں وہ کشش نہ رہی جو اس سے پہلے تھی، وہ شادان کے ہاتھوں کو تھا تا تو اس کے ہاتھ میں اسامہ کا گلابی گداز ہاتھ گدگدانے لگا، جب شادان کی چوٹی میں کندھے بال دیکھا تو وہ رہ گئی نہیں اس کے سامنے لہرائے گئیں، اسی دوران شادان نے اسے باپ بننے کی خوشخبری سنائی تو خوشی کی کوئی حق اس کے دل میں نہ پیدا ہوئی۔

بے بے تو خوشی سے پاگل ہو گئیں، اسے بار بار تاکید کرتیں کہ وہ شادان کا خیال کیا رکھتا اس کی تو قربت سے ہی اسے دھشت ہو گئی تھی، اس کی قربت میں درد سے سوا وہی نہ لگا، وہ کئی دن ڈیرے پر بے سرحہ پڑا رہتا، بے بے کو تو دادی نے بھی خوشی ہواؤں میں لئے پھرنی تھی وہ شہرہ کو تو بالکل خیر فراموش کر بیٹھیں تھیں، گاؤں کی سب درگاہوں پر بیٹے کی منت مانی گئی، ایک

عائشان جشن کا بھی انتظام کر لیا گیا ہے بے نے یہ سارے انتظامات اپنے با اعتماد کسی کے ذریعے کروائے وہ جانتیں تھیں کہ شہر کو کئی ذمہ داری نہیں نبھائے گا مگر بے کا تھا اس دن خشکا جب بیٹے کی پیدائش پر بھی شہر نے کسی قسم کی گرجوئی کا مظاہرہ نہیں کیا، بے بے اس کو لے کر گاؤں کے مشہور عامل صاحب کے پاس جا پہنچیں۔ عامل صاحب نے شہر کی حالت دیکھ کر تعجب کی کہ اس پر کالا جادو ہو چکا ہے، انہوں نے کچھ تعویذ دیئے اور چند ایک وظیفے بھی بتائے۔

”ہائے حسد کے مارے لوگ میری خوشی نہ دیکھ سکے، اللہ نے پوتا دیا تو بیٹے پر دشمنوں نے تعویذ کر دیئے۔“ شاداں بھی شہر کے بڑ بھگت نہیں پارہی کی، اسے بھی یقین ہو گیا کہ شہر کی طرف گاؤں کی کئی لڑکیاں ملتفت تھیں انہوں نے ہی جادو کروا کے شہر کو اس سے دور کر دیا۔

لیکن شہر کو کو توجہ کاروگ دیمک کی طرح چاٹ رہا تھا، تک سبک سے تیار رہنے والا شہر پاٹوں پیسا طیلے لے پھرتا، موسیقی سے سے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا لیکن آئے روز ڈیرے پر موسیقی کی محفلیں سننے لگیں مایہ، کاغذ اسے عجیب طرح کا سکون بخشیں، گاؤں کے معروف صوفی گلکار سائیں ہندو کی رد بھرئی آواز اسے اپنی آواز لگتی۔

اٹکائیں چھم چھم چھم
ہائے اکھائیں چھم چھم چھم
دلاں دیاں گلاں دلاں دج رہ گئیاں
ہائے نہ تو دیاں نہ پچھیاں
اکھائیں چھم چھم چھم
اکھائیں چھم چھم چھم
کئی جی جدوڑی نو روگ کیوں لالیا

چٹاں پردیاں نوں سمیت کیوں بنا لیا
☆☆☆☆
شہر کو کسی پلے قرار نہ آتا اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ہر صورت اسامہ سے ملے گا، اس نے بے کے کا صندوق کھنگالا جس میں بے نے ضروری کاغذات رکھے تھے، انہیں کاغذات میں اسے چچا امتیاز الدین کا پتہ بھی مل گیا، پھر وہ کسی کو بتائے بغیر شہر روانہ ہو گیا، مطلوبہ پتے پر پہنچا تو معلوم ہوا چچا امتیاز الدین کا انتقال ہو چکا ہے اور ان کی بیٹی نے یہ مگر فروخت کر دیا ہے، کئی دن وہ شہر میں مارا مارا پھرتا رہا مگر اسامہ کا کوئی پتا نہ چل سکا بالآخر نامراد ہو کر گاؤں لوٹ آیا۔

☆☆☆☆
گھر کے ماحول میں کافی تبدیلی آچکی تھی، ایک معصوم فرشتے کے وجود سے، بے بے کو اب اسے دیکھ دیکھ کر جیتی تھیں، شاداں کی توجہ کاروگز بھی اب اس کا بیٹا ہی تھا، رات کے پچھلے پھر شاداں کو روئے کس نے دیکھا تھا؟ شہر کو بدلا ہوا وہ بے شاداں کو اندر ہی دیمک کی طرح کھائے جا رہا تھا ظاہر لا پرواہی گھر کے کاموں میں جتی رقصی، وہ تو اپنی ہی دھن میں مگن تھا۔

انہی دنوں شہر کے ایک دوست کا خبرداروں کے ساتھ ٹھگرا ہو گیا تو اسے بھی اس کے ساتھ شہر جانا پڑا، انہیں مقدمے کے سلسلے میں کئی دن شہر جانا پڑا، انہیں مقدمے کے سلسلے میں کئی دن شہر قیام کرنا پڑا، ایک دن ویل کے دفتر جاتے ہوئے وہ شہر کو اس بلڈنگ میں کوریڈر میں دکھائی دی، وہ ہنا سوچے تھے اس کے پیچھے لپکا مگر وہ لفت میں سوار ہو چکی تھی، وہ بھگت بھاگ سڑکیوں کی طرف بڑھا، اپنی کانپنا جب گرد آؤں فلور پر پہنچا تو وہ گاڑی میں بیٹھ کر جا چکی تھی۔

شہر کے دوستوں نے اسے وہم قرار دیا مگر اسے کوئی تار نہ تھا، اس نے جسے ہر لمحہ سوچا جس کا وہ بے پرواقت اس کے خیالوں میں سوچوں میں اور آنکھوں میں رہتا ہو بھلا اس کو پہچانتے ہیں وہ غلطی کیسے کر سکتا تھا اس نے سوچ لیا کہ اگر وہ یہیں ہے تو وہ اسے ڈھونڈ نکالے گا، اس بلڈنگ میں اخبار کے دو دفتر تھے بقیہ وہ ان دنوں میں سے کسی ایک میں کام کر رہی تھی، بالآخر اس نے معلوم کر لیا کہ وہ کہاں کام کر رہی ہے، اس کے مل جانے کا احساس شہر کو سرشار کر دیا، وہ اس سے ملنے کے لئے بے تاب تھا، جذبات کے انہماک کے لئے لفظوں کو ترتیب دینے لگا، پتہ نہیں وہ اسامہ کے سامنے اپنے احساسات کا انہماک کبھی گائے گا کہ نہیں، پتہ نہیں وہ اس کی بات کا یقین کی کر رہی ہے کہ نہیں، وہ اپنی خدمت گاہ میں لے اس کے دفتر جا پہنچا، اسے دیکھتے ہی شہر کو آنکھوں میں ستارے جھلملانے لگے، دل تو مطلب پر غصے کی مانند کوبھیلوں کے پتھر سے کو تو ذکر باہر نکالنے کو بے قرار تھا، وہ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتا اس کے کھیل کے قریب آکر بیٹ کے بالکل مقابل آن لڑا ہوا۔

”اسامہ..... اسامہ.....“
”جی فرمائیے۔“ اس کی پکار پر اسامہ نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا، شہر کو دل کو ٹوٹ کر کالج کے گھروں کی مانند بھر گیا۔
”جی فرمائیے۔“ میں آپ کی کیا مدد خدمت کر سکتی ہوں۔“ اسامہ دوبارہ کویا ہوئی۔
”جی..... میں..... ملک شہریار خان.....“
”دون ملک شہریار خان۔“ اسامہ الجھ کر گئی۔
”ملک جانا باز کا بیٹا ملک شہریار خان، آپ کے والد میرے والد کے جگری دوست تھے۔“ اپنا

تعارف کرواتے ہوئے مارے دکھ کے شہر کو آواز رنہ رنہ، بڑی مشکل سے اس نے اپنی بات مکمل کی۔

”ملک شہریار“ اسامہ کی آنکھوں میں ابھرتا ہوا تار یکدم بدل گیا۔
”ارے..... بخش..... شہر و تم.....“ وہ سیٹ سے اٹھ کھڑی ہوئی اس کی آنکھیں اچانک یوں جھلک اٹھی تھیں جیسے بھیڑ میں کسی اپنے سے ملاقات ہو گئی ہو۔

”بیٹھو نا..... بیٹھو..... کیسے ہو..... بے بے کیسی ہیں؟ اور شاداں..... ٹھیک ہے نہ وہ؟“ وہ قدرے شرارت سے بولی، شہر و عجیب و غریب کیفیت سے گزر رہا تھا۔
”میں..... میں نے آپ کو بہت ڈھونڈا..... بہت محنت کیا.....“ آپ کے گھر بھی گیا تھا مگر آپ نے وہ مھر چھپ دیا۔“ لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہو رہے تھے۔

”ہاں شہر! وہ ڈیڑی کی وفات کے بعد میں نے وہ مھر فروخت کر دیا تھا۔“
”اسامہ! میں نے آپ سے ملنے کی بڑی دعا میں کی ہیں، بہت دعا میں۔“ شہر و کے لہجے میں اچانک صدیوں کے تھکے ماندے مسافر کی سی تھکاوٹ اور طلال اتر آئے۔
”کیوں؟“ اسامہ کی آنکھوں میں ان گنت سوالات تھے۔

”پتہ نہیں..... مم..... مگر..... شاید محبت ہو گئی تھی..... پتہ نہیں آپ سے۔“ اس نے سر جھکا دیا، شاید وہ آنکھوں میں جھلملانے والے دینے اسامہ سے چھپانا چاہتا تھا جو اس کی ہی محبت کی دین تھے۔

”شہر و!“ اسامہ قدرے تیزی سے بولی تھی پھر قدرے توقف کے بعد اسے سنبھلے ہوئے۔

”کیا کہہ رہے ہو..... شہر..... تم شادی شدہ ہو۔“

”دل پر تو کسی کا اختیار نہیں ہوتا۔“ شہر کے لہجے میں درد محسوس رہے تھے۔

”ہوتا ہے اختیار شہر! دل پر ہی تو اختیار ہونا چاہیے، شہر!..... یہ تم کیوں نہ سمجھ سکے۔“ اسما اپنی آغوش سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”اپنی پختہ ہو جاؤ جس کا مجھے خدشہ تھا، ان لمحات کے سحر سے نہیں نکل کے تم۔“ وہ مختیاں بچھ کر گرہ لی، اپنی بیٹ پر بیٹھتے ہوئے اس نے ہمدردی سے شہر پر نظر ڈالی۔

”میں اب تک اس واقعے کو نہیں بھول پایا۔“ شہر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”شہر یا راز ہماری زندگی واقعات کا مجموعہ ہوتی ہے ایک واقعہ بھلا اتنی اہمیت کیسے اختیار کر سکتا ہے کہ پوری زندگی پر محیط ہو جائے، زندگی تو بہت وسیع ہے مانا ہے کہ ایک چتر بھی دیا میں گرداب چھڑا کر سکتا ہے مگر وقت کے ساتھ بہر حال وہ گرداب ختم ہو جاتا ہے اور دیا کی روشنی معمول پر آ جاتی ہے، ہماری زندگی ایک لمحے کی قید میں نہیں ہے تو پھر ہم کیوں ایک لمحے کے قیدی ہو کر رہ جائیں بلو شہر!؟“ شہر و جبرانی سے اسے دیکھ گئے۔

”ازل سے خرد و جنوں آپس میں محرم کرا رہے ہیں، دل و دماغ کی ہمیشہ سے آپس میں جنگ رہی ہے دل تو ایسے ہی جذباتی فیصلے کرتا ہے تو کیا ہوش و دم رکھنے والا انسان جذبات کے ریلے میں بہہ جائے کیا اس کا فہم جذبات کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالتا، عقل ہمیشہ جنوں کو لگام ڈالتی ہے اگر انسان چاہے تو۔“ قدرے توقف کے بعد اسودار بدھ گیا ہوئی۔

”وقتی جذباتیت محبت نہیں ہوتی عورت اور

مرد کے درمیان کسی بھی تعلق کا صرف ایک ہی نام نہیں ہے جس مخالف میں شش محسوس کرنا غیر فطری نہیں ہے..... انسان کا قص تو بھی یہی مطمئن نہیں ہوتا..... اور..... اور کی گردان کر رہتا ہے۔“

”شہر! ہر انسان کے ساتھ بہت سی زندگیوں وابستہ ہوتی ہے کبھی ایک جذباتی فیصلے کے لئے انسان اپنی زندگی بھی تباہ کر ڈالتا اور خود سے وابستہ لوگوں کی زندگیاں بھی۔“ شہر گم سم اسما کی طرف دیکھ گیا۔

”شہر! تم نے اسے جذبات کا پاس کیوں کیا؟ تم نے خود کو شاداں کی معصوم محبت میں کیوں نہ گم کر لیا، کیا تم پر اور ذمہ داریاں نہیں، تم نے انہیں کیوں نہ بھمایا؟ جنوں کے ریلے میں چلے رہے، اپنے آپ کو جذبات کے حوالے کر دیا عقل و فہم سے کام لیا ہوتا تو تم اپنے آپ کو اس واقعے کے اثر سے نکلنے میں کامیاب ہو سکتے۔“ اسما نے ہونٹ میچھتے ہوئے سر جھکا دیا۔

شہر کو احساس ہوا واقعی اس نے بھی اسے دل کو نہیں سمجھایا، جودل کی آواز بھی وہی دماغ کی صدا بنتی گئی، ہر لمحے خود کو یہی یاد کر لیا کہ یہ دور جذبہ محبت ہی ہیں کاش وہ سوچنا کہ شاداں کا شوہر بے بے کا بیٹا اور ایک بیٹے کا باپ کی ہے، ہر بھونچے بیٹوں کا وارث اور گمراہ بھی، اس نے بھی یہ سوچا ہی نہیں کسی نے احساس بھی دلا یا تھا، شاداں نے بھی کسی اپنا استحقاق استعمال نہیں کیا، بے بے نے بھی اس پر ذمہ داریاں بار نہیں ڈالا اور وہ بھٹکتا چلا گیا۔

”شہر! معصوم لوگوں کی بھتیگوں کو کبھی کوشش کرو، جو تمہارے پاس ہے اس کی قدر کرو۔“ شہر نے نظریں اٹھا کر اسما کی طرف

دیکھا۔

”ہاں شہر! ہمارے پاس سب کچھ ہوتا ہے لیکن ہم اس کی قدر نہیں کرتے، جو ہمیں حاصل ہے اس کی طرف توجہ ہی نہیں دیتے، جو ہمارا نہیں اس کے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں، جو ہمارا ہے ہمیں اس کی ادان کرنا چاہیے، دل سے اپنا لینا چاہیے اس کی قدر کرنا چاہیے، جو محبت ہمیں حاصل ہیں اگر ہم انہیں ہی اپنا نہیں تو شاید پھر کوئی نئی محبت ہمیں اپنی طرف متوجہ ہی نہ کرے۔“ اسما نے یقین بھری نظروں سے شہر کی طرف دیکھا شہر کو ایسے لگا جیسے اسما ایک ایک لفظ ٹھیک ہے، یہ لفظ نہ تھے چھاپے تھے جو اس کی دلی روح پر رکھے جا رہے تھے اور ہر ذمہ مندل ہوتا جا رہا تھا، دل سے پرلو جھڑکتا جا رہا اور وہ خود کو ہلکا ہلکا محسوس کر رہا تھا۔

”شہر! جاؤ..... ابھی بھی کچھ نہیں بچڑا، لوٹ جاؤ اپنی بھتیگوں کے پاس، جاؤ اسما حاصل کر لو۔“ اسما نے اسے بوے مانے سے دیکھا۔

اسنے میں دروازہ کھلا تو ایک خوش شکل لوجوان اندر داخل ہوا۔

”اسما چلو پور تنگ کے لئے جانا ہے، بھئی جلدی کرو۔“

”نیک منٹ۔“ اسما نے اسے ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔

”شہر! ان سے ملو یہ ہیں میرے شوہر عزیز۔“ شہر نے اٹھ کر اس لوجوان سے ہاتھ ملایا اس کے اندر کوئی توڑ پھوڑ نہ ہوئی اگر شاداں کا نام کس مرد کے ساتھ لیا جاتا تو وہ شاید کسی ورداشت نہ کرتا، واقعی دینی جذباتیت کا نام محبت نہیں ہوتا۔

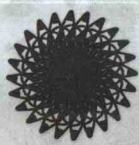
”بھئی یہ ہیں ملک شہر یا رخان۔“ اسما عزیز کو شیر کا مکمل تعارف کروانے لگی۔

”اچھا ابی بابی میں چلتا ہوں..... یہ نہ ہو دیر ہو جائے..... دیر ہو گئی تو ہر دروازہ بند ملے گا۔“ اور وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

”شکر ہے شہر! انہیں سمجھ آ گئی۔“ اسما اس کی پشت پر نظریں جمائے سوچ رہی تھی، انسان اگر جذبات کا کلام نہ سنے اور خود کے تحت زندگی گزارے تو بہت سے مسائل اسے چھو کر بھی نہ گزریں، وہ خود بھی تو شہر کی طرح اس ایک لمحے کی قید میں آ گئی تھی اور اس وقتی احساس کو محبت سمجھنے کی تھی لیکن شہر! اس کا اور خاص طور پر معیئر سے مل کر اسے ایسے لگا تھا جیسے انہیں ایک دوسرے کے لئے بنایا گیا ہو، ان کی محبت کسی حادثے کی پیدوار نہ تھی، یونیورسٹی سے لے کر عملی صحافت تک دونوں کا بڑا طویل ساتھ تھا، اس طویل سفر کے بعد انہوں نے جانا تھا کہ ان کی پیدوار نہ تھی، پند و ناپسند سوچ، خیالات، احساسات اور وقتی محبت ایک سے ہیں۔

”اگر زندگی کا راستہ ہی محبت پر مشتمل ہو جائے تو کیا مضائقہ ہے۔“ یہ الفاظ صبر کے تھے۔

”کیا بات ہے جان! کیا موڈ نہیں رہا روبرو تنگ کے لئے جانے کا، کن سوچوں میں گم ہو گئی ہو۔“ عزیز اسے شوخ نظروں سے دیکھ رہا تھا، اسما سرگرمی اور بیک اٹھا کر معیئر کے قدم کے ساتھ قدم ملا کر چل پڑی سامنے راستہ صاف و شفاف تھا۔





تائنگے کے رکتے ہی وہ چلا گیا نما انداز
مہارت پر مکی تھی۔
”تو یہ تمہارا ٹھکانہ ڈائریہ بی بی؟“ اس نے
سینے سے ٹھٹھکی سانس خارج کرتے ہوئے خود کو
دل میں مخاطب کرتے ہوئے ایک بار پھر عمارت
کی جانب نظر دوڑائی۔
یہ اوکل مارچ کی دوپہر تھی سنہری اور اجلی
جانی سردی اور آبی گرمی کا ملاپ لئے ہوئے اور
وہ خود جدید تراش کا سوٹ زیب تن کئے گورے
گودے پاؤں میں کالے لٹیکس چپل پہنے شولڈر کٹ
بالوں پر سن گلاسز لگائے چہرے پر گلابی اور سفیدی
کی ملاہیت لئے لڑکی اس ٹوٹی پھوٹی سڑک،
پرانے سے تائنگے اور آبادی سے قدرے دور
عمارت کے سامنے کھڑی اس ماحول کا قطعی حصہ
نہیں لگ رہی تھی اگر اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ

ڈالا تھا۔
اپنے شولڈر کٹ بالوں کو ہاتھ سے درست
کرتے ہوئے اور ان پر خوبصورت سن گلاسز
لگاتے ہوئے اس کی نظر سامنے سرخ اینٹوں والی

مکمل ناول



کبھی ادھر کا رخ نہ کرتی اگر کوئی اور چوڑا ہوتی چاہے کسٹر اور بدتر بھی تو وہ یقیناً اس کا انتخاب کرتی مگر زندگی بچے کے لیے در پے در پے حادثات نے اسے بالکل بے اختیار کر کے رکھ دیا تھا وہ کسی ٹپنگ کی مانند ہوئی تھی تقدیر کی ہوا ڈالتے ہوئے اسے جھڑے کے جارہی تھی اسے ادھر ہی جانا تھا وہ حیران سی دور سے آئی اور دور تک جانی نہیں لوٹی پھوٹی سرگ کے کنارے اس عمارت کا جائزہ لینے لڑی ہوئی تھی، اگر گردیساوے کھیتوں کے اسے کوئی خاص بیڑ نظر نہ آئی تھی البتہ قدرت نے دور آبادی اور مکانات کے سلسلے نظر آ رہے تھے مگر اس عمارت کو ان سے قدرے فاصلے پر تعمیر کیا گیا تھا نہ جانے کیوں تعمیر کرنے کے یا کروانے والا کافی آدم بیزا رطبت کا مالک معلوم ہوتا تھا عمارت کا گیٹ رنگ لکڑا اور کھڑے ہوئے سرخی پیٹ کا حال تھا سرخ رنگ کی چار دیواری کے اندر تین کمروں کی مختصر عمارت جس کے کھن میں برگد اور سفیدے کے درخت اس عمارت کے افراد خانہ کی دھوئی دار کی صورت میں سر اٹھائے کھٹی چھانڈی بھلائے کھڑے نظر آ رہے تھے۔

”آ جاؤ لی بی جی بی بی سے جی وہ جگہ۔“ کوچوان جو اس کا بھاری بگ اٹھائے گیٹ تک پہنچ چکا تھا اور اسے تنگے کے قریب کم کم کھڑی دیکھ کر اپنی جانب متوجہ کرنا چاہا جس میں وہ کامیاب رہا تھا۔

”آں..... ہاں..... آ رہی ہوں۔“ کوچوان کے بول پکارنے پر وہ بے اختیار چوکی تھی پھر اپنا بیڈ کمرل واٹر کی بوتل اور ایک چھوٹا سا بیگ سمیٹا لے کر کوچوان کی تھلید میں اس عمارت میں داخل ہوئی تھی۔

عمارت میں داخل ہوتے ہی اس کو سب سے بڑا دھچکا کھن کے ایک کونے میں بندھی اس

خلق کو دیکھ کر لگا جس سے وہ ہمیشہ خوفزدہ رہتی تھی کم از کم اس عمارت میں اس کا موجود ہونے ڈانریہ کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا یہاں کے حالات اس کے لئے بدترین ثابت ہوں گے یہ تو پتا تھا لیکن اتنے بدترین.....!

”فعلو!..... اوئے فعلو!..... اوہ فعلو دیاں، وہ کدھر سوپا ڈا ہے دیکھو کون آیا ہے۔“ کوچوان نے بیک کو بچے بچے عمارت کے اندر کمروں کی جانب منہ کر کے کسی کو آواز دیں دینا شروع کر دی اور ڈانریہ نے ایک ملازنہ نظر کوکت بھرے انداز میں اور گرد و دوانی شروع کی۔

بڑا سامعین جس میں جا بجا خشک پتے بکھرے ہوئے تھے کھن کے جنوبی کونے میں ایک بیڈ پٹ لگا ہوا تھا جس کے ارد گرد پیٹ کا فرش کر دیا گیا تھا، درختوں پر پرندوں کا عجیب سا شور جو خاموشی عمارت کے ساتھ میل نہ کھا رہا تھا شامی کونے پر ایک چھوٹا سا داش روم بنا ہوا تھا اور مشرق کی جانب تین کمرے تھے جن کا رخ مغرب کی جانب تھا دو کمرے سامنے اور ایک کمرہ دائیں جانب اور ان کے آگے برآمدہ تھا اور اس برآمدے پر جانے کے لئے تین سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں تمام عمارت پر سرخ بچھرا گیا تھا چار پارشوں کی وجہ سے پچھلا پر چکا تھا کمروں کے پیچھے کچھ جگہ خالی نظر آ رہی تھی جس میں خود چھانڈیوں کی بہتات تھی چھپا ہونے کی وجہ سے اس پر کسی قسم کی کوئی توجہ نہیں دی گئی تھی بول اس اگلے حصے پہنچی قابل ذکر توجہ نہیں دی گئی تھی مگر کم از کم چھانڈیوں سے اسے صاف دکھایا تھا۔

”اوہ کون آ گیا ہے پچھا ریاں سویرے سویرے؟“ دائیں جانب بے کمرے کا دروازہ کھول کر ایک دیہاتی علیے میں تھلا بسا دروازہ

لگا کر آدمی برآمد ہوا یقیناً وہ اس وقت دوپہر کی نیند کا لطف لے رہا تھا، پچھا ریاں کی آواز نے اس کے آرام میں خلل ڈالا تھا اس کا اندازہ اس کی دلر صورت سے لگایا جا سکتا تھا اور نوارد کے پوتی ہاں کا اندازہ ڈانریہ کو باخوبی ہو گیا تھا جو پھری ادا ہو کر کوئی سویرے سویرے کھڑا تھا۔

”دفعہ ہو جاؤ جیلے اپنا جلد تو خف۔“ پچھا ریاں نے کھنوں تک کی ہوئی تھند اور ادا بنیان پہنچتے ہوئے دیکھ کر ٹوٹے اور گھورتے آئے کہا اس کے آرام وہ بلکہ فری سٹائل کے علیے اور سامنے کھڑی ڈانریہ کے زمانہ وجود کا احساس دلانے چاہا جس کے چہرے پر بیزاریت کے ساتھ اب نگار ہیست کی شکل بھی گئی۔

ڈانریہ پر نظر پڑتی ہی وہ ہلکھلایا سا اور کھان سا دایکس پلٹ گیا اور چند ہی لمحوں میں طبع کرتا پہنچے خود وار ہوا۔

”تے بیک پھڑ (چلا) تے اندر ڈاکٹر جی دیکھ کرے میں جا کر رکھ، نیوی ڈاکٹر جی تے اب دفعہ کو گورنٹ (گورنمنٹ) نے ہمارے لئے کمرے ڈاکٹر جی بھیجے ہے چل جلدی سے ڈاکٹر جی سامان اندر لے چل۔“ پچھا ریاں نے فعلو کی لڑائی دور کرتے ہوئے کہا اور سامان اندر لے جانے کی تاکید یوں کی جیسے اسے ڈاکٹر جی کا بھی سامان لوٹ جانے کا خدشہ ہو۔

”اوہ جی بے فعلو دینے سے یہاں کا چوکیدار بھڑ (کپاڈٹر) اور سبھی کچھ جی۔“ پچھا ریاں نے دونوں لفٹینن کا آپس میں تعارف کر لیا اور ادا ایسی کے لئے مڑا۔

”او پتر جی میں اب چلا ہو ڈا ہے پر دایکس کا دیکھا ہے میں آؤں گا شام کو کھانسی الی ہوئی سے دوایا لینے اور آپ کا حال چال دیکھ، اوہ فعلو اپنی سوانی (چوکی) کو بلا سے صفائی

سفراتی کرنے اور ڈاکٹر جی کے ہاٹی روٹی کا انتظام کرنے، آپ بے فکر ہو کے رہو جی یہاں ہم سب آپ کا بڑا خیال رکھیں گے، کھتے رہو یں (ساروں) بعد اس عمارت نے ڈاکٹر..... ڈاکٹر جی شکل دیکھی ہے رب آپ کو یہاں رہنے کی تو قی دے رب راکھا پتر جی۔“ پچھا ریاں، فعلو کو ہدایت دے تا اور اپنی بات کو ایکٹ سے باہر نکل گیا۔

”رب راکھا۔“ اس کے لبوں نے جگہ سی جنش کی اور سرے سرے قدم اٹھائی وہ برآمدے کی جانب بڑھی۔

”قسم کھاتی تھی میں نے کبھی زندگی میں دوبارہ ایسے ماحول اور ایسے لوگوں کے سچ جانے کا سوچوں کی بھی نہیں مگر میری تقدیر ہی میری دشمن بن گئی جس پر مان تھا وہ جین لیا اور بے حد تنگ اور برے تجربے کی بناء پر میں جن لوگوں اور ماحول سے متفق ہو گئی تھی پھر وہیں لا چناب یہاں پر رہنے کے سو سویرے پاس کوئی چارہ نہیں یہی واحد اور آخری ٹھکانہ ہے میرا جسے میں اس قیامت پر کوششیں کتنی شدید کرتے رہے ہوں۔“

اپنی ہی سوچوں میں الجھی وہ برآمدے تک چلی آئی ایک بار پھر اس کا دل چاہا تھا کہ وہ کھانڈیوں مار مار کے رونا شروع کر دے رات بکلت میں بیٹنگ کرتے ہوئے بھی اس پر بڑبڑانہ حملہ چلی تھا اور سب کچھ وہیں چھوڑ چھا کر اس نے فرش پر بیٹھ کر رونا شروع کر دیا تھا وہ تو لی جان ہی تھی جنہوں نے بشکل اسے چپ کر دیا تھا اپنی باتوں سے حوصلہ دیا تھا تمام بندھائی کی اور ایک بار پھر حالات سے لڑنے کے لئے کمر بستہ کیا تھا۔

”آپ جی ادھر کرسی پر بیٹھئے جی میں اپنی چوکی کو بلا کر لاتا ہوں وہ کمرے کی صفائی کر دے گی اور کھانے پینے کا انتظام بھی کس میں رہا ابھی

گیا اور ابھی آیا۔“ فضلو نے جلدی سے سامنے کمرے میں سے کرسی لا کر اس کے قریب رکھی اور موڈ بانہ انداز میں اسے مخاطب کیا اس کی خاموشی کو راضی مندی جان کر اس نے باہر جانے کے لئے قدم بڑھا۔

”فضل دین!“ عجیب سا اہل اٹھا تھا سامنے نظر پڑی یہ فضلو پشت پر ڈاکڑنی کی آواز سن کر صُحک گیا اور جلدی سے سڑا۔

”کیا یہ جانوروں کا ہسپتال ہے؟“ سوال حیرت سے نہیں بلکہ طنزیہ انداز میں پوچھا گیا تھا اور فضل دین لڑباز کر رہا تھا۔

”اوہ جی میں وہ اصل میں یہ میرے سالے کی بیٹھن ہے جی وہ سامنے سوک پارکیت میں کام کر رہا تھا تو جی ادھر چھاؤں کی وجہ سے باندھ گیا میں نے بوائسنگ کیا تھا جی برا ہوا اس رشتے داری کا سامنے کو تو نال لیتا پر پھر گھر والی نے نہیں ملنا تھا خواجواہ دماغ پولا (خالی) کر دیتی بول

بول کر میں جی ابھی اسے بلوا کر باہر نکلتا ہوتا ہے اسے آپ جی بس مجھے دس پندرہ منٹ ڈاکٹر صلیب دے میں سب کچھ ٹھیک ٹھاک کر دیتا ہوں جی۔“ فضلو نے قدرے بولکھائے اور گھبرائے کوٹنے میں ہندی بیٹھن کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا جسے گیت میں داخل ہوتے دیکھ کر ہی

ڈاکٹر کو یک وقت خوف اور غصہ آتا تھا اور اسے اس ہاتھ پوٹ کے بارے میں بھی باخوبی اندازہ ہو گیا تھا جس جگہ کو لوگ اپنے جانوروں کے استعمال کی جگہ سمجھتے خود اس کے بارے میں اور اس کی سہولیات کے بارے میں کیا خیال رکھتے ہوں گے وہ شخص سر جھٹک کر وہ فضلو کے چلے جانے کے بعد اس نے سر کرسی کی پشت سے نکا کر

آنکھیں نمونہ لیں اور بیٹی یادوں کے در پیچے پھر سے وا ہو کر بند پلکوں میں سے آنسو کی صورت

پہ لکھ وہ آخری بار رو کر اپنا پیٹکا کر لیتا چلا گیا کسی ہر بار وہ یہی سوچ کر رو پڑتی کی کہ یہ آخری بار ہے اسے باہر بننا ہے، ہمت دکھانی ہے اور بزدلوں کی طرح رونا نہیں اور ہر بار خود سے عہد بھلا کر وہ یوں رونے بیٹھ جاتی تھی ہر چیز جیسے دیوانی اور تنہائی کی عکرائی تھی اس کے دل پر سمیت۔

☆☆☆

”لیکن فضلو یہ سب تو بہت ناگانی ہے۔“ اگلے روز جب اس نے خراب ساری تہ لینے کے بعد ٹیکٹ کے نام پر اس مختصر سی عمارت کا جائزہ لینا چاہا تو یہ بیکل سہولیات کی سی دیکھ کر حیران پریشان ہو گئی، فضلو اسے گائیڈ کرنے کے لئے ساتھ ساتھ تھا اور اس کی پیروی باہر سائیڈ کے دیوار کے ایک کونے کے ساتھ مٹی کے چولہے ڈانرے کے لئے ناشتہ بناتی تھی۔

کل دوپہر سے وہ اس ماحول سے عجیب کی آکٹاہٹ اور بیزاریت محسوس کر رہی تھی رات کی ٹھیک طرح سے سو نہ پائی ایک تو دیران باپنڈیہ ابھی جگہ اکیلے ہونے کا خوف حالانکہ فضلو دوسرے کمرے میں اور اس کی پیروی اسی کے خیال سے اس کے کمرے میں سوئی تھی چاہے

بھی تھا کہ رن بھر کی کوفت اور ڈنڈی تھکاوٹ کے باعث تیندی کی پری اس پر مہربان ہو جاتی مگر مہربان چیز تو گویا اس سے روٹھ چکی تھی اس نے تقدیر کی طرح۔

یہ گوجرانوالہ سے آگے ایک پسماندہ گاؤں تھا لاہور سے گوجرانوالہ کا فاصلہ اس نے بس پر طے کیا تھا جو کہانی تھکا دینے والا تھا اور پھر تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تاگے کا سفر جو اس کے کلائی دھشت ناک اور تکلیف دہ ثابت ہوا جانوروں سے وہ فطرتاً مانوس نہیں تھی عجیب سا

گلتا تھا اس لئے اگلوٹا ہونے کے باوجود ابھی تنہائی کا سدباب اس نے بھی کوئی باتو جانور رکھ نہیں کیا تھا، سارے راستے وہ تاگے کی نشست کو اتنی مضبوطی سے پکڑے رہی تھی کہ اس کی دائیں ہتھیلی سرخ ہو گئی تھی اور درد ہونے لگا تھا تاگے پر بیٹھنے کا یہ اس کا پہلا تجربہ تھا، اسے لگتا تھا کہ تاگے کے پنجکوں کے باعث وہ گر ہی جائے گی اوپر سے گھوڑے کے چلتے ہوئے تنھنوں میں سے آتی آواز وہ خوفزدہ رہی کہ گراؤں مل گھوڑے نے اگلی دو ٹائیس اٹھا دیں (جیسے فلوں میں دوڑتا گھوڑا کرتا ہے) تو یقیناً وہ اس ناچنے سوک پر گھر کر آتی بڑی پہلی تڑاویٹھے گی صد افسوس کہ کوئی رکشہ یا

دیکھ کر بہت کم اس گاؤں کا رخ کرتے تھے کوئی بھی رکشہ والا اسے اس کے مطلوبہ ایڈریس پر پہنچانے کے لئے رضا مند نہیں ہوا تھا مٹی چچا ریشیاں نے آگے بڑھ کر اپنی خدمات پیش کر دی تھیں اور وہ اس بات پر بے تحاشا خوش تھا کہ اس کے گاؤں میں ایک عدد ڈاکڑنی آ رہی ہے اور

سارے راستے وہ گاؤں کے لوگوں کی مجبور یوں کا رونا روتا آیا تھا جسے ڈاکڑی نے سن کر بھیجی نہیں پائی تھی وہ اپنے احساسات اور خیالات میں ہی الجھی رہی تھی۔

رات اس کا جوڑ جھڑ رہا تھا مگر تیند آٹھکوں سے کھوں دور اس کی چار پائی باہر کھٹنے والی کھڑکی کے قریب تھی اور باہر دیکھنے پر ہر طرف ہولناک سیاہ تاریکی نظر آتی تھی اور یہی تاریکی اب اس کی زندگی کا بھی حصہ تھی۔

”ما، بابا آئی ص، میں آپ کے بغیر رہ نہیں پاؤں گی، بہت مشکل ہے آپ دونوں نے مجھے یہ کیا سزا سنائی ڈاکڑی اپنی ڈاکڑی پر رحم نہ آیا، ما، بابا آپ دونوں تو بہت محبت کرتے تھے مجھ سے، تو پھر یہ سب کیوں، میری ہلکی سی چوٹ

اور تکلیف پر پریشان ہو جاتے تھے آج دیکھے ڈاکڑی یہ کتنی تکلیف میں ہے کتنے درد میں ہے میں سہ نہیں با رہی یہ تکلیف میں بہت کمزور ہوں پلیر مجھے اپنے پاس بلا لیں پلیر بابا مجھ پر رحم کرے مجھے اپنے پاس بلا لیں یہ سزا بہت بوی سزا ہے اور میرا تو کوئی قصور بھی نہیں تھا میری سزا کیوں؟ آخر کیوں..... آئی ص بڑھ آف پو (میں آپ دونوں کو بہت یاد کرتی ہوں) آئی ص پو..... خود سے زہر پو لے ہوئے اور دھبی ہتھکڑوں کے ساتھ روئے ہوئے وہ لٹکی نہ جانے کب گھونگی کی پینڈ پو ڈاکڑی سو لی پر بھی آئی ص سے سو

اسے بھی آئی ص بھی وہ دن چڑے تک سوئی رہی اور اب منہ ہاتھ دھو کر جب وہ فریٹ ہو چکی تھی اور اپنی براگنڈہ سوچوں سے نجات چاہتی تھی بھی فضلو کے ساتھ سامنے بنے کمروں کا جائزہ لینے اٹھ کھڑی ہوئی سائیڈ کا کمرہ تو اب اس کی رہائش گاہ تھا ایک کمرہ ڈاکڑی کے بیٹھنے اور مریضوں کو دیکھنے وغیرہ کا تھا اس کمرے میں ایک عدد میز

کرسی اور لمبے سے بیچ کے علاوہ کوئی قابل ذکر اشیاء موجود نہیں تھی پیلے رنگ کی فلفلی فرش کے قریب سے جا بجا کھڑکی ہوئی تھی اور بیچے سے جھانکنا پلستر پو بھی تھا جیسے پھٹے پرانے کپڑے تن ڈھانپنے کو بھانکا ہوئے اور راز عیاں کرتے جاتے ہیں۔

دوسرا کمرہ ایک طرح سے وارڈ روم تھا یا پھر آپریشن روم بھی وہ عدد بند تھے اور سامنے چھوٹی سے الماری میں دو ادویات رکھی ہوئی تھیں دو ادویات کتبہ قبس بس پنی وغیرہ کا سامان اور کچھ پین کمرز وغیرہ وہ یہ صورت حال دیکھ کر حقیقی معنوں میں پریشان اور حیران ہو کر رہ گئی تھی اتنی ناگانی طبی سہولیات کے ساتھ وہ دیکھ کر کسی مریض کا علاج

کربائے کی تقدیر اسے کوئی بھی تو سرا لکھتا نہ جانتے ہیں۔

دوسرا کمرہ ایک طرح سے وارڈ روم تھا یا پھر آپریشن روم بھی وہ عدد بند تھے اور سامنے چھوٹی سے الماری میں دو ادویات رکھی ہوئی تھیں دو ادویات کتبہ قبس بس پنی وغیرہ کا سامان اور کچھ پین کمرز وغیرہ وہ یہ صورت حال دیکھ کر حقیقی معنوں میں پریشان اور حیران ہو کر رہ گئی تھی اتنی ناگانی طبی سہولیات کے ساتھ وہ دیکھ کر کسی مریض کا علاج کربائے کی تقدیر اسے کوئی بھی تو سرا لکھتا نہ جانتے ہیں۔

”لیکن فضلو یہ سب تو واقعی بہت ناکافی ہے۔“ پہلی دفعہ جب اس نے یہ جملہ بولا تھا تو اس میں حیرانی پنہاں تھی اور اب پریشانی عیاں تھی۔

”آج ہو وہ اصل میں ڈاکٹر صاحبہ کافی عرصے سے کوئی ڈاکٹر ادھر نہیں آیا نہ جی، تو وہ انہیں وغیرہ غم ہو گئیں کچھ کی تاریخ زیادہ ہو گئی تھی تو میں نے چھینک دیں آپ فکر نہ کرائے جی آپ ایک درخواست لکھ کر اوپر بھیجئے کہ بھوجاویں کچھ دواں آتے ہیں وہ پہلے ہی کام کر لیتے ہیں۔“

ڈاکٹر کی جانب سے اس قدر ساری بخشش جواب موصول ہوا اس وقت وہ ڈاکٹر کے بے شخص کمرے میں کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی اور میز کی دوسری جانب فنکلو کھڑا تھا۔

”درخواست! لیکن وہ پوسٹ کیسے ہوگی میرا
 نہیں خیال یہاں کوئی پوسٹ آفس ہوگا اور میں
 کیسے جاؤں گی اتنی دور شہر میں پوسٹ کرنے۔“
 وہ ایک بار پھر تانگے کی سواری کا تصور کر کے
 پریشان ہوئی۔

”اودھ نہیں جی آپ کیوں جانے کی آپ مجھے لکھ کر دے دیں میں شہر پوسٹ کر آؤں گا، میں جی یہاں کا سبھی کچھ ہوں سوائے ڈاکٹر کے چچا اسی، جو کیا در، نرس، کمپاؤنڈر سبھی کچھ جی۔“

”اوہ ہاں یہ ٹھیک ہے بلکہ میں سربراہِ اہم کو فون کر دیتی ہوں اور تمام ضروری اشیاء کے بارے میں بتا دیتی ہوں مجھے یقین ہے کہ وہ اس مسئلے کو جلد از جلد حل کر دیاں گے۔“ اس نے خود گامی کے سے انداز میں فستلو سے کہا تھا۔

”ڈاکٹر نی جی ناشتہ تیار ہو گیا ہے جی، ادھر
ہی لے آؤں یا کمرے میں کر رہی، رات آپ

نے کچھ بھی نہیں کھایا تھا اس لئے میں نے دل
(بل) والے پراٹھے اور دیکھی انڈے مرچوں
(نمک مرچوں) والے بنائے ہیں جس کی کھالی
پٹ پٹ ہے جسی طرح تو آپ خود بیمار پڑ جائیں
گی تو آپ کا علاج کون کرے گا۔ بخیر
بیوی نے دروازے میں سے جھانکتے ہوئے بان
شاپ بولتے ہوئے کہا ڈاڑھیہ کو اس کا ہاتھ
ہونے کا احساس کبھی مل جائے ملاقات میں ہی ہو گیا تھا
اور فضا کو بھی اسے بولنے میں اپنی بیوی سے کم نہیں
گنا تھا۔

”اوہ اصرہ بی لے آئیں پر لاکے رکھ دے اور بولا کہ ہر وقت ٹھٹھرتی رہتی ہے یہ تو ایک میں ہی نمنا ہو جو تجھے ستنا رہتا ہوں ڈائٹر صاحبہ کو اپنی ٹھٹھرتی سے پریشان نہ کر۔“ ڈائٹر نے ہاں مان کہنے سے پہلے ہی مضبوطی لیا اٹھا تھا اور ڈائٹر نے پہلی بار دیر سے دلچسپی سے دونوں سال ہوئی کی گفتگو کی۔

”اچھا ٹھیک ہے ادھر ہی ناشتہ لے آتی ہوں اور یہ ٹرڈ والی بات کا جواب میں فارغ ہو کر دوں گی۔“

”سلا ماں لکیم ڈاکٹر نی صلیہ!“ زائر یہ ابھی
 شستہ کر کے فارغ ہوئی تھی کہ چچا رحیاں نے
 کمرے میں آکر سلام جھاڑا۔

”وَلَيْكُمُ السَّلَامُ كَيْفَ هِيَ؟“
جو فضلو کی بیوی چو کاگلے دن اتنا ہوی ناشتہ
نانے سے منع کر رہی تھی چچا رحمان کو کچھ خوش
خلاق سے سلام کا جواب دیتے ہوئے مخاطب
ہوئی حالانکہ وہ دن میں تہیہ کر کے آئی تھی کہ
یہاں کے لوگوں سے ملے دیئے والا اعزاز قائم
کرنا ہے اور اپنی عادت کے مطابق زیادہ خوش
خلاق بننے کی کوشش نہیں کریں لیکن براہِ اس
ادت کا جو اس سے چھوٹ نہیں رہا ہے یہی اس

خوش اخلاقی نے ہی تو اسے بہت بری طرح پھنسا
ڈالا تھا۔

”میں ٹھیک ہوں جی۔“
 ”اوہ چاچا اتنے سویرے سویرے خیر تو
 ہے۔“ فضلونے چچا جہاں کو ٹوکا۔

”مت ماری گئی تیری سورج سر پہ آ
گیا ہے اور تیری سورج چل رہی ہے ایک سواری
گاؤں چھوڑے آیا تھا اصر قریب ہی سوچا
لاکڑی بیٹا کی خیریت معلوم کرنا جاؤں کل آنے
کا کیا تھا پریم (نامہ) ہی نہیں ملا شام کو شانی کو
بولی سے لانا ملا بس پھر رات ہوئی۔“ چچا
رحمان نے فاصلہ کو گھوڑے ہوئے بیک وقت
دونوں کی جانب دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

”کیوں کیا ہوا شانی کو؟“ فضلو نے
 قدرے حیرانگی لہجے میں سائے پوچھا۔

”اوہ حج (پچھ) تمہیں پیغام آیا تھا کہ شام کو
اب مجھے آکر لے جانا سر میں درد اور بخار تھا اسی وجہ
سے ماں تو اس کی کوثر کے پاس گئی ہوئی ہے اس
وجہ سے مجھے ہی جانا پڑا ورنہ تجھے پتہ ہے وہ بھی
خوبی میں ہی سوئی ہے خود ہی دیکھ بھال کر لیتی آ
جائے سا یا میری مکی (اسلمی) جان کو۔“

”تو بھی خوب ہے چاچا پھلا شانی دھی کو
ادھر لے آتا ڈاکٹر نی صلیبہ چیک اپ کر کے کوئی
دوا وغیرہ دے دیتی۔“

”ہاں..... واپسی سمجھو تو خیال ہی نہیں ہے
ہو جا تجھے شادی کی طبیعت کا بابتا کر دوانی وغیرہ لے
جاؤں گا اور دماغ سے یہ بات بالکل نکل گئی کہ
اب تو ڈاکٹری کی صلیب یہاں پر موجود ہے کچھ کچھ
مت ماری گئی ہے میری چل پھر میں ابھی جا کر
لے کر آتا ہوں دوانی دلاؤ کہ مجھے پھر اڈے پر بھیجی
جاتا ہے سواریاں ڈھونڈنے کے لئے۔“ پچھڑجیاں
نے اسے سر پر موجود چند سفید بالوں پر ہاتھ

پھیرتے ہوئے افسوس بھرے لہجے میں کہا اور
عجلت سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اذاریہ اس تمام گفتگو میں
خاموش سامع بنی غیر دلچسپی سے! دھرا دھرا نظریں
بھونکاتی رہی۔

”اوہ یہ تو بتاتا جاؤ ے چوہدری جی آگئے ہیں۔“ فضلو نے بھی پیچھے سے چچا رحیاں کو جلدی سے روکتے ہوئے استفسار کیا۔

”اودھ میں وہ ہوتے تو کیا میں شانی دہی کو لے کر آتا وڈی بی بی نے خود ہی اس کا خیال کر لیا تھا وہ تو چوہدری سکندر نے سنیا (بیٹا) بھیجا تھا تو مجھے جانا پڑا۔“ چچا رحیمان نے بھی جاتے جاتے تفصیلاً جواب دیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

”ہوں بخارتو ہے لیکن جلد ات جائے کا فکر
مت کرو، فضل دین یہ دوائی سوچو ہے تو دودن
کی خوراک بنا کر دے دو انہیں۔“ دانی نے
سائولی اور پتلی کی شاہینہ کا مکمل چیک اپ کرنے
کے بعد لکھ کر پاس کھڑے فضولی کی جانب
پوچھتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی شاہینہ کو لپی دی۔
”اوہ نہیں جی ڈاکٹر نی صاحبہ میں نے کل

میں نے اپنے فضل اور میری فکر
 والی کوچہ نہ کر بلانا ہے جب آپ مجھے فضل دین
 یہی ہیں تو میں بھولنے لگتا ہوں کہ میں یہاں کا
 چکیدار، پتھر اور کیاؤں پر ہوں جی ڈاکٹر
 ڈاکٹر محسوس کرنے لگتا ہوں جی، میں خود کو پھر
 کام کرنے مشکل ہو جانے کے فضل کو پورے
 جاسوں کا فضل ہو، فضل ہو، فضل چاہا اور پھر
 فضل صرف فضل ہو کہ میں ناں میں کلمے میں
 آپ سے برا ہوں پر عہدے میں تو نہیں نہ جی
 مجھے براؤں پر لگتا ہے فضل دین نام۔
 ”میں چاہا اچھا فضل، فضل بھائی دیکھے اگر یہ

دوا موجود ہے تو لادیں پلینز۔“ فضلو کی چلتی زبان کو بمشکل روکنے ہوئے ڈائریہ نے جلدی سے کہا۔

”ڈاکٹری صلیبہ آپ کچی مچھی یہاں رہے گی جی؟“ شاہینہ نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں کو مصصوبیت سے مزید پھیلاتے ہوئے پوچھا۔

ڈائریہ کو اس کے بولنے کی ادب اور اعتبار بھاگنی اور مسکراتے ہوئے اس کا سر ثابت میں مل گیا۔

”جج میں جی یہ تو بہت اچھا ہو جائے گا ورنہ یہاں پر تو کوئی ڈاکٹر آتا نہیں اور آجائے تو کتنا نہیں بس دس پندرہ دن کا کہاں بن کر آتا ہے ہمارے لئے اور آپ یہاں ہمیشہ کے لئے رہیں گی میں گاؤں میں کوئی تو بتاؤں گی جو ڈاکٹر کو چیک کرانے سے گھبرائی نہیں آپ اب کو آرام سے چیک کروالے گی کچی میں بڑا مسئلہ ہوتا ہے عورتوں کو پیاری میں سسک کر مر جاتی ہیں بے چاریاں بس جی آپ ہمیشہ کے لئے یہاں رہوں گی تو سب ٹھیک رہے گی جی جی۔“

”ہمیشہ کے لئے؟“ ڈائریہ نے زیر لب دہرایا۔

”ہمیشہ کے لئے تو کیا میں ایک دن بھی یہاں پر رہنے کی روادار نہیں لیکن میری مجبوری میری بے بسی نے مجھے ہاندھ رکھا ہے ورنہ اس ماحول اور بظاہر سادہ نظر آنے والے چالاک لوگوں کے بیچ میں جی نہ رہوں پہلے جی دھوکا کھا چکی ہوں گاؤں کے سادہ ماحول اور بظاہر سادہ لوگوں سے۔“ ڈائریہ نے دل میں زہر خند لہجے میں شاہینہ کو مخاطب کیا۔

”تم پرچی کھسی ہو؟ کیا یہاں پر سکول ہے؟“ ڈائریہ کو شاہینہ کے انداز گفتگو سے اس کے پڑھ لکھے ہونے کا احساس ہوا تھا چونکہ فی

الحال اسے کوئی مصروفیت نہیں تھی اور اکیلے بیکار بیٹھ کر یادوں میں جھلنے سے بہتر تھا کہ وہ اپنا دھیان ادھر ادھر کی باتوں میں لگا کر شاہینہ کو گچھا رہیاں چھوڑ کر اپنے کام پر جا چکا تھا کہ خود ہی کچھ چلی جائے گی لہذا ڈائریہ شاہینہ سے مصروف گفتگو ہو گئی۔

”ہاں جی پرانہری پاس ہوں ہمارے گاؤں میں لڑکیوں کے لئے پرانہری تک سکول ہے جی بن تو وہ نڈل بھی سکتا ہے پر جی چوہدری۔“ شاہینہ نے پہلے فخریہ انداز میں پھر افسردہ لہجے میں جواب دیا۔

”اوہ تو یہاں پر بھی فرسودہ چوہدری سسٹم চল رہا ہے غریبوں کے لئے ترقی کے ہر دروازے کو بند کر کے خود کو ہر حال میں انہیں اپنا محکوم بناتے رکھنا۔“ ڈائریہ نے تلخ لہجے سے شاہینہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا شاہینہ کو ڈائریہ کی بات زیادہ سمجھ تو نہ مگر فطرتاً ہوشیار ہونے کے باعث وہ فہم قدرے سمجھ گئی۔

”ہمارے دوسے چوہدری بڑے اچھے ہی جی بڑا خیال کرتے ہیں ہم غریبوں کا وہ تو چوہدری سکندر ذرا افسرے ہیں جی۔“ شاہینہ نے فوراً کہا، وہ ڈاکٹر ڈائریہ کی شخصیت اور حسن سے بے حد متاثر ہو چکی تھی اتنی گلائی سفیدی رنگت والی اور دل مو لینے والی نقوش کی مالک نازک سی ڈاکٹر کسی کا بھی دل پہلی ملاقات میں موم کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی اوپر سے اس کا سادہ اور

پر خلوص سا انداز، شاہینہ اسے نہ جانے کیوں چوہدری سکندر کے بارے میں پہلی ملاقات میں ہی بدگمان کرنے بیٹھ گئی تھی، شاہینہ حویلی کی خاص اور پرانی ملازمہ جی اس کی ماں بھی شروع سے حویلی میں کام کر رہی تھی بعد میں وہ بھی ماں کے ساتھ حویلی جانے لگی اور اب تو ڈوڈی بی بی کی

شاہینہ کی اتنی عادت ہو چکی تھی کہ شاہینہ مستقل وہیں رہتی تھی شام کو اس کی ماں گھر واپس چلی جاتی تھی۔

”اچھا شاہینہ تم مجھے اپنے گاؤں اور گاؤں کے لوگوں کے بارے میں بتاؤ تاکہ میرا یہاں سے تعارف ہو سکے۔“ ڈائریہ نے شاہینہ سے کہا۔ ”ہاں جی۔۔۔۔۔ جی گاؤں تو دیبا ہی ہے جیسے ہوتے ہیں گندے مندرے، کچے کچے گھر گروں میں چائو اور انسان اٹھتے رہتے ہوئے اسی لئے چائو روں جیسی زندگی گزارتے لوگ آپ کے پاس جب چیک آپ کے لئے آئیں گے تو اندازہ ہو جائے گا جی، غریب اور جاہل لوگ ہیں سارے، ویسے آپ کے ماں باپ نے اکیلے گاؤں میں ڈاکٹری کی نوکری کرنے کے لئے بیچ لایا کی ذات ہے جی اور پھر اتنی دور سے یہاں تو سب شہر جانے کے لئے بھاگے ہیں اور آپ شہر کی اتنی اچھی چھوڑ کر یہاں آن لہیں؟“ شاہینہ نے گاؤں کے متعلق اپنی ذاتی رائے کا اظہار کرتے کب سے ذہن میں آئے سوال کو ڈائریہ سے پوچھا۔

”ہوں مجھے گاؤں میں غریب لوگوں کی خدمت کرنے کا شوق تھا اور پھر سرکاری نوکری میں کہیں پر بھی پوسٹ کر دیا جاتا ہے اسی لئے، باتوں سے تم پرانہری پاس پرچی نہیں لگتی۔“ ڈائریہ نے شاہینہ کے سوال کا پہلا حصہ نظر انداز کرتے ہوئے گول مول جواب دیا اور اس کا دھیان ہٹانے کے لئے پوچھا۔

”نہیں جی ہوں تو پرانہری پاس مگر بچپن سے ہی حویلی رہی ہوں اور سویرا بی بی کے قریب زیادہ تو اس لئے اس طرح کی باتیں کر لیتی ہوں سویرا بی بی کہا کرتی تھیں کہ ”شانی تو بڑی سیانی“ آپ بھی مجھے شانی کہہ کر بلا دیجی، سب مجھے شانی

ہی کہتے ہیں جی سوائے چوہدری سکندر کے وہی مجھے کلک دار انداز میں شاہینہ کہہ کر بلا تے ہوتے ہیں ”شاہینہ یانی پلاؤ ٹھنڈا“ شاہینہ میرے جوتے لاکر دو وغیرہ وغیرہ جی بس جی آپ بھی مجھے اب شانی ہی کہنا جی۔“

”اچھا بابا ٹھیک ہے شانی یہ سویرا بی بی اور چوہدری سکندر کون ہیں تمہاری باتوں سے یہ تو اندازہ ہو گیا ہے کہ یہ حویلی کے باسی ہیں مگر مکمل غائبانہ تعارف نہیں ہوا ابھی۔“ ڈائریہ نے دھیمے سے مسکراتے ہوئے ریلیکس انداز میں کرسی سے ٹیک لگاتے ہوئے پوچھا، شانی کو ایک بار پھر ڈائریہ کے مشکل الفاظ سمجھ نہ آئے مگر فہم سے اسے پھر یاد آگئی ہو چکی تھی۔

”سویرا بی بی تو دے چوہدری کی بیٹی اور چوہدری سکندر ان کے بیٹے ہے جی۔“ ”واہ خوب تعارف کروایا ہے جی ذرا مکمل کر بتاؤ ان کو چوہدری کون ہیں؟“

”وڈے چوہدری، چوہدری رب نواز ہے جی بڑے اچھے ہیں جی یہ سارا گاؤں ان کی ملکیت ہے ان کے دو بیٹے ہیں سویرا اور سکندر، سویرا بی بی کی شادی ہو گئی پچھلے سال وہ بیاہ کر سعودی عرب چل گئی ان کی بچپن و زاد سے شادی ہوئی ہے ان کی وہ شروع سے ہی سارے سعودی عرب رہتے ہیں۔“

”اور دوسرے نمبر پر چوہدری سکندر ہیں جی بڑے سوئے، اونچے لمبے گھرو جوان سولہ جہاتیں بڑھے ہوئے جی پر بڑے بڑے افسرے، غصیلے اور بد دماغ غریبوں کو تو مجھتے ہیں انہیں خیال ہے جو زری سے بات کر جائے وہ وقت غصے میں بھرے رہتے ہیں۔“ شانی کو کل دو پہر والی بات پھر یاد آ گئی اور اس نے اپنے خیالات کا اظہار چوہدری سکندر کے بارے میں ڈائریہ کے

آگے منہ نہاتے ہوئے کہا۔

”اوہ کیا باتیں کیے جارہی ہے ڈاکٹر صاحبہ کا سر کھانگی ہوگی اس وقت سے بھڑا اپنی بڑیاں منج، دوپہر، شام کھالینا۔“ فغلو اندر آتے ہوئے بولا اور شانی فغلو کو دیکھ کر جلدی سے چپ کر گئی ڈاکٹر یہ کی دیکھی شانی کی باتوں سے ختم ہو چکی تھی اسے اندازہ تھا گاؤں کے چوہدریوں کے درویشوں کے بارے میں خود کو حاکم اعلیٰ سمجھتے تھے گاؤں کا عام اور غرب طبقہ تو بس مجبور اور بے بس تھا ان کے آگے وہ بے چارے تو ان کی زیادتی پر احتجاج تو کیا ان تک نہیں کر سکتے ایک بار پھر وہ اکٹھا ٹ کا شکار ہوئے کسی گئی اس نے شانی کو بھی جانے سے نہ روکا۔

”ڈوے چوہدری نے کب آتا ہے؟“ فغلو نے شانی سے پوچھا جو اٹھ کر میز پر بھی بڑیاں اٹھا رہی تھی۔

”پتہ نہیں پس درندہ دل لگ جائیں گے یا اس سے زیادہ، کیا نہیں پتہ تو کیوں پوچھ رہا ہے فغلو چاہا؟“ شانی کے کندھے اچکا تے ہوئے جواب دیا اور ساتھ ہی ہی پوچھا۔

”کام تھا ایک چوہدری سکندر ہے حویلی پر۔“ اس نے پھر پوچھا۔

”کل تک تو تھے پر شکاری تیار کر رہے تھے ایک دو دوست آئے ہوئے ہیں شہر سے ان کے آج تو شکار پر نکل گئے ہوں گے۔“

”بڑا ہی اصرار کبھو ہے باز نہیں آتا۔“ فغلو نے دھیرے سے تہرہ کیا اور شانی بے نیازی سے کندھے اچکا تے ڈاکٹر ڈاکٹر بے سلام کرنی باہر نکلی چلا گئی۔

”فغلو میں اپنے کمرے میں جارہی ہوں اگر کوئی مریض نہ آئے تو مجھے ڈسٹرب مت کرنا تھا کاٹ کافی ہے میں ذرا آرام کروں گی اور پتو

پائی کہا ہے؟“ ڈاکٹر یہ نہ کرسی سے اٹھتے ہوئے فغلو کو ہدایت جاری کی اور ساتھ ہی اس کے بھری کے بارے میں استفسار کیا جو اسے نہیں نظر نہیں آ رہی ورنہ اتنی دیر میں تو وہ ضرور دو تین چکر اس کے کمرے سے لگا جاتی۔

”دو بجی ذرا حرکت گئی ہے، ابھی آ جاتی ہے آپ آرام کو بھی وہ آ کر کھانا وغیرہ پکائے گی جی۔“ فغلو نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

اور ڈاکٹر نے اپنے کمرے میں آ کر دوواڑے کی کنڈی چڑھا دی اور دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی چارپائی پر گر اپنے بچھے و جو کو اس پر گراتے ہوئے پیچھے اگر انسان جسمانی طور پر تھکا ہو تو آرام کر کے ٹھکانا لیتا ہے لیکن جب تھکن روح میں سرایت کر جائے تو اس سے چھٹکارا حاصل کرنا آسان نہیں رہتا ہے

دریے حالات کی سمجھ اس کی روح میں سرایت کر گئی تھی وہ یونہی بڑھ حال ہی بس چپ چاپ کی بیٹھ گئی، اس کو ارادہ ڈاکٹر ابراہیم کوٹوں کر کے یہاں کی صورت حال سے آگاہ کرنے کا تھا پرس میں سے اپنا موبائل نکالا بھی لیکن موبائل کے ساتھ موبائل گوگٹ کے طور پر دیے والی شخصیت اس بری طرح سے یاد آئی کہ کانپنے ہاتھوں سے اس نے سہل چارپائی پر لیٹی جھپک دیا اور اپنا سر ہاتھوں میں گرا کر یونہی بیٹھ گئی ہاتھوں میں ہلی کی ٹیکپا بٹ ابھی موجودی۔

☆☆☆

آج چوتھا روز تھا اسے یہاں پر مقیم ہوئے ایک دو دن تو کمرے اور اپنی چیزوں کی سیٹنگ کرنے میں ہی گزار گئے تھے پتو اس کی بدگوہی پر پل ہو چوری رہی کی اور اس نے فغلو کو انہی پانچ ہزار کی رقم بھی کل حمادی ہی کھانے پکانے کا انتظام کرنے کے لئے ایک دو روز سے تو وہ

غریب اپنے پلے سے ہی پکا کر ڈاکٹر صاحبہ کی مہمان نوازی سر انجام دے رہے تھے فغلو تو رقم لینے کو تیار نہیں تھا مگر ڈاکٹر نے اسے اصرار پر اسے مانا ہوا تھا اب البتہ رقم زیادہ ہونے کی بناء پر اس نے کچھ پیسے نکال کر لوٹانے چاہے تھے جو ڈاکٹر نے یہ کہہ کر لوٹا دیے کہ بوجھ جائے دو پیسے کہ ہیں بھڑے۔ اسے کوئی سر دکا نہیں میں بس مرہینے پانچ ہزار میں دیکھ یہ کچھ نہیں تھا گاؤں میں رہتے ہوئے اور دو شہر ایڈوائس اس نے پیسوں کو اس کے کمرے کی صفائی کپڑے برتن دھونے وغیرہ کے بھی دے دیئے تھے کافی اصرار کے بعد وہ لینے کو تیار ہوئی تھی وہ دو دنوں ہی ڈاکٹر صاحبہ کے نرم رویے اور دریا دلی پر بہت زیادہ خوش تھے۔

ڈاکٹر ابراہیم نے آج ادویات کا اسٹاک ایک جانے والے کے توسط سے بھجوا دیا تھا جسے فغلو نے سویرے جا کر لے آیا تھا یہ سب کچھ ان کی این جی او کے توسط سے بھجوا دیا تھا وہ چاہتے تو کرکٹ کی طرف سے بھی سب کچھ بھجوا سکتے تھے ان کا عملہ ایوبیس لوہن میں آکر پہنچا جاتا مگر وہ ڈاکٹر نے اس نے منادہ سے گاؤں میں قیام کو بحال اور ہر صورت پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے بھی انہوں نے اپنی این جی او کے توسط سے سامان بھجوا دیا تھا اور اپنے اعتماد کے آدی کو بھی پورا ایڈریس نہیں دیا تھا ڈاکٹر نے ڈاکٹر ابراہیم کے کہنے پر فغلو کو اچھی طرح سے تاکید کر دی تھی کہ وہ اپنے گاؤں کا نام بس سناپ پر سامان سبست فغلو کا انتظار کرتے فرد کو ہرگز نہ بتائے اور ڈاکٹر یہ کو اس بات نے کافی پرسکون اور مطمئن پیشہ تھا کہ فغلو نے بغیر کسی کرید اور تحس کے یہ بات مان لی تھی اور ڈاکٹر یہ کو ڈاکٹر ابراہیم کی اعتبار پسندی پر جہاں اطمینان حاصل ہوا تھا وہاں یہی اندازہ ہو

گیا تھا کہ حالات ابھی اس کے موافق نہیں ہوئے وہ لوگ چین سے نہیں بیٹھے تھے اب بھی اس کی بوسہ سمجھتے پھر رہے تھے اور یقیناً ڈاکٹر ابراہیم کی بھی گمانی کی جارہی تھی جو انہوں نے اتنی احتیاط برتی تھی اور ڈاکٹر یہ کے لئے یہ خیال ہی سو ان روح تھا کہ اگر وہ اس کی تلاش میں یہاں تک پہنچ گئے تو؟

”یہ ڈر نہیں اور انجشن دوسرے خانے میں رکھ دوں نا ہی۔“ فغلو کی آواز نے ڈاکٹر یہ کو چونکا بلکہ ڈر تھا وہ اپنے خیالات میں اس قدر غوصی کہ فغلو کے مخاطب کرنے پر اچھی خاصی ہڑبوا کر رہ گئی۔

”آں..... ہاں ٹھیک ہے لیکن فغلو میں سوچ رہی ہوں یہ ادویات کا یہ اسٹاک کافی نہیں اگر دو تین اور بھی اکٹھی ہو گئی تو بعد میں بڑی مشکل ہو جائے گی۔“ ڈاکٹر یہ نے اسے خوف پر قابو پاتے ہوئے اور فغلو پر کچھ ظاہر کرنے کے لئے بات کی۔

”اوہ تمیں جی نہیں ایک مہینے کے لئے بہت ہے جی یہاں کے لوگ زیادہ تر ان پڑھ اور غریب لوگ ہیں جی چھوٹے موٹے علاج تو وہ گھر کے ٹوکوں سے کر لیتے ہیں اور اگر کوئی خدا نخواست بڑی بیماری لگ جائے تو تیرہ فیروز سے تعویذ گننے کرا کر کے جان چھڑا لیتے ہیں بیماری سے بس زیادہ سے زیادہ سر درد، بخار اور ہلکی ہلکی بیماری کے لئے کوئی ادھر آ جاتا ہے یا پھر کوئی پکا کھانڈا ٹکی ہولوائی دیتی میں یا پھر کسی حادثے کی وجہ سے تو پتی وغیرہ کے لئے بھاگتے ہیں ادھر ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ آپ کا سر کر لی بیویوں کی تعداد بڑھ جائے یا چاریاں صحت اور علاج کے معاملے میں سب سے آخر میں آتی ہیں اور پھر اگر علاج بڑھ دھکے کا ستر کر کے کسی

شہری ڈاکٹر کو دکھا کر روانے کا ہوتا ان کے مرد اور وہ خود گر رہی کرتے ہیں آپ اب گاؤں میں ہو اور لیڈری ڈاکٹر ہو تو ہو سکتا ہے وہ اپنی جگہ دور کر کے آپ کو چیک کروانے آ جائے اس کے بعد پھر حساب لگائیں گے کیا کرتا ہے۔“ فضلو کی جانب سے حسب دستور فضلو جواب موصول کرنے کے بعد ڈائریہ سامنے رحیمی الماری میں ادویات کا یونی اٹھ کر جائزہ لینے لگی کہ بیرونی گیت پر عجیب سی افرائقی کی آواز بلند ہوئی۔
 ”یا اللہ خبر!“ فضلو اتنا کہہ کر دروازے کی جانب بڑھا۔

”اوہ اوہ لے آؤ جلدی سے اسی کرے میں۔“ فضلو کی آمد سے آئی آواز پر ڈائریہ جو دروازے کی جانب ہی دیکھ رہی تھی اٹھ کر آگے بڑھی۔
 ”لگتا ہے کوئی ایمر جیسی ہے۔“ اس نے دل میں اندازہ لگایا جو کدورت ثابت ہوا۔

چار آدمی ایک زخمی کو اٹھائے چہرے پر ہوائیاں اڑائے تیزی سے کمرے میں داخل ہوئے تھے اور ایک کونے میں رکھے بیڈ پر اس زخمی کو آرام سے لٹانے لگے۔

”اوئے بڑے ہو ڈاکٹر صاحبہ کو چیک کرنے دو۔“ فضلو نے ان چاروں کو اصرار دہنایا ڈائریہ جلدی سے آگے بڑھتے ہوئے ہوئی۔
 ”کیا ہوے انہیں؟“ اور اوچے سوال کا جواب بارہو ایک بل ٹھٹھک گئی۔

”بھولی لگی ہے۔“ وہ بیسن کر اندر سے گھبرا اٹھی فضلو جلدی سے آگے بڑھا۔

”اوئے کم بختوں تم لوگ کدھر مرے ہوئے تھے جو اسے کوئی لگ گئی۔“ فضلو کا انداز اس زخم کے خاص ہستی ہونے کا واضح پتہ دے رہا تھا، لیکن وہ چاروں جواب میں سر جھکائے

خاموش رہے تھے اور ڈائریہ شش و پنج کا شکار ہوئی تھی یہ تو پولیس کس تھا اور ایسا کس بینڈل کرنے کا اس کا پہلا چال تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کیا کرے۔

”ڈاکٹر صاحبہ! بازو سے بہت خون بہہ رہا ہے۔“ فضلو نے ڈائریہ کو متوجہ کیا اور ڈائریہ تمام سوچیں کو پس پشت ڈال کر آگے بڑھی وہ ایک ڈاکٹر کی ایک سیمائی اور فی الحال سب سے اہم زخمی کی زندگی بچانا تھا گو وہ کسی مسئلہ یا مصیبت کو محول لینے کی محنت نہیں ہو سکتی تھی مگر وہ زخمی کو یوں چھو رہی تھیں کہ جیسی ہی اس کے پیشہ ورانہ تربیت کے خلاف تھی۔ کوئی شہر تو تھا نہیں اس کے اطلاع پر پولیس فوراً آ جاتی۔

”فضلو! کوئی وغیرہ لٹکائے اور پٹی کرنے کا تمام سامان لے آؤ جلدی سے۔“ ڈائریہ نے بیڈ کے قریب آتے ہوئے جلدی سے فضلو کو ہدایت دی اور خود وہ زخمی کی جانب متوجہ ہوئی ایک بار وہ پھر بھٹکی تھی۔

وہ جو کوئی بھی تھا بے حد حیرانگیز شخصیت کا مالک تھا، تکلف کے باعث اپنے عنائی ہونٹوں کو جھینے اور لمبی پکوں والی گہری آنکھوں کو موندنے میں اتر جانے کی اہلیت رکھتا تھا ڈائریہ نے اس سے پہلے بھی اتنا پھر پھر مراد نہ جاہت کا حال تو جان نہیں دیکھا تھا یہ احساس بس ایک سنکڑو جاگا تھا جس نے ڈائریہ نے دوسرے ہی بل جھٹک دیا تھا اور تیزی سے اس کے دائیں بازو کا معائنہ کرنے کے لئے اس پر بھٹی گئی۔

خون واقعی بہت بہہ چکا تھا اور بہہ رہا تھا زخمی کا سفید سوپ اس کے خون سے جا بجا داغ دار ہو چکا تھا اور پیش کا دائیں بازو تو سارا ہی سرخ ہوتا جا رہا تھا۔

ڈائریہ نے پرفیشل انداز میں قبضی کی مدد

کے قہقہے کا دائیں بازو چاک کیا اور روٹی بہرت میں جھک کر زخم صاف کرنے شروع کیا تے کر زخموں کی نوعیت کا اندازہ ہو سکے خاص طور پر کھنٹی سے اوپر جہاں پر کالی گہرا زخم تھا یقیناً گولی لگنے کے باعث، ڈائریہ کے ہاتھ تیزی سے نوجوان کے بازو پر بہتے اور تھے خون کو صاف کرنے لگے۔

ڈائریہ نے قدرے ترچھی نظروں سے ایک بار زخمی نوجوان کے چہرے کی جانب دیکھا جس کی فراخ پیشانی پر اب پینے کے قطرے نمودار ہونے لگے تھے شدید تکلیف کے باعث اس نے اپنا تھلا ہونٹ دانتوں تلے دبا رکھا تھا اور منہ قدرے دوسری جانب موڑے آنکھیں جھینچے وہ شدید درد کو نہ جانے کیسے سہہ رہا تھا ابھی تک ڈائریہ نے اس کے منہ سے آہی تک کی آواز نہیں سنی تھی وہ دیا تو بے حد بہادر تھا یا پھر حساس سے عاری۔

زخم صرف اس کے بازو پر نہیں تھے گردن اور چہرے پر بھی خراشیں اور ماتھے کے قریب سے خون کی پٹی لکیر نظر آ رہی تھی۔

”ہوئے زخم کالی گہرا ہے مگر گولی بازو کو چیرتی ہوئی نکل گئی ہے اتنا شکر ہے ہڈی کا بچ جانے کے البتہ ششے کی کچھ کر چپیاں بازو چہرے اور گردن میں پیوست ہوئی ہیں انہیں کاٹنا ہو گا۔“ ڈائریہ نے بازو کا معائنہ اور زخمی کے چہرے اور گردن پر نظر دوڑاتے ہوئے ان پانچ نفوس کو بتایا جن کے چہروں پر بیٹانی ہو رہی تھی۔

”ہاں جی وہ فائر سامنے سے ہوا تھا گولی گاڑی کی سکرین توڑی ہوئی بازو کو پھیل چلی بیٹ میں پیوست ہو گئی تھی ششے سکرین ٹوٹ جانے کی وجہ سے لگے ہیں جی۔“ ان چاروں میں سے ایک نے جلدی سے بتایا۔

”فضلو! بے ہوشی کا ابکشن بناؤ جلدی سے

بھلی انہیں بے ہوش کر کے یہ چپیاں نکالی ہوں گی اور بازو پر بھی ٹانگے لگائے ہوں گے۔“ ہر گز نہیں اب میں ایک زرنائی کے ہاتھوں بے ہوش ہو کر ششے نکلاؤں گا اتنا بڑل نہیں ہوں میں مجھے بے ہوشی کا ٹیکہ مت لگانا۔“ اسی بل زخمی بولا تھا، یوں کیا تھا غبار تھا، اتنی گھبراہٹ آواز ڈائریہ اس کی آواز پر نہیں بلکہ اس کی بات پر حیران رہ گئی تھی۔

”واٹ۔“ احساس تو ہیں سے اس کے گال گلابی ہو گئے تھے بے ساختہ اس کے لبوں سے یہ لفظ برآمد ہوا تھا۔

”میں ایک ڈاکٹر ہوں اور تم سے بہتر جانتی ہوں مجھے تمہارا علاج کیسے کرنا ہے تمہارے لئے بہتر ہو گا کہ تم خاموشی سے اپنا علاج کرواؤ۔“ ڈائریہ کو اس کی بات سن کر پہلے تو احساس تو چین ہوا اور پھر غصہ آ گیا ابھی وہ قدرے سخت لہجے میں زخمی سے مخاطب ہوئی اس کے ساتھ ساتھ وہ بازو پر اور گردن پر جتنے خون کو روٹی کے ساتھ نرمی کے ساتھ صاف بھی کر رہی جا رہی تھی۔

”ایک ہی جگہ پر نکلے فضلو کو اس نے قدرے سخت لہجے میں ٹوکا تھا۔

”اور آپ سب لوگ بھی باہر برآمدے میں کھڑے ہو یہاں کوئی تماشہ نہیں ہو رہا ہے جمع لگا کر دیکھا جا رہا ہے مجھے یہ کام آرام سے کرنے دیں۔“ ڈائریہ نے ایک بل کھڑے ہوئے ان چاروں فیمین آدمیوں کو غصے میں مخاطب کرتے ہوئے کہا جنہیں فضلو نے جلدی سے کمرے سے باہر نکالا اور خود ابکشن بنا کر لے آیا۔

”بشیرے! اوہ بشیرے اندر آ۔“ زخمی چلایا تھا ڈائریہ نے ناگواری سے اس کی جانب دیکھا مگر کہا کچھ نہیں۔

”جی..... جی چوہدری صاحب!“
 ”برا بازو مضبوطی سے پکڑ کر رکھو اور فضلو
 چاچا آپ کو دوسرا بازو پکڑیں تاکہ میں مذاحمت
 نہ کروں نکلیں اب آپ کو چپاں۔“ زخمی نے
 قدرے بیڑے سے اٹھتے اور بیڑی کو بے کسلاخوں
 والی بیک سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا بشیرا زخمی
 کے زخمی کندھے کو مضبوطی سے پکڑ چکا تھا اور فضلو
 چاچا نے دوسرا بازو اپنے ہاتھوں میں جکڑ لیا تھا
 گویا وہ بھی اس کے ساتھ تھے۔

ڈانڑیہ کو اس کی ہٹ دھرمی پر بے حد غصہ آیا
 تھا ایک لمبے لمبے کو اس کا جی چاچا کہ اس پر سخت بیعتی
 کرے سے بارےٹھلے سے یہ کہتی ہوئی کہ خود ہی
 نکال لو اگر تارے ہی پیچھے خان ہو مگر کیا بار پھر
 اس کی پیشہ دار نہ اخلائی تربیت آڑے آگئی گی،
 لیکن شدید غصے سے اٹھتے اپنے اندر کے ہال کو
 وہ روک نہیں پاتی تھی اسنے دونوں کی فرسٹ بین
 مقابل ہستی نے اسے نکالنے کا سہری جواز پیش کر
 دیا تھا۔

”اوکے تمہارے بازو پر ٹانگے بھی لگانے
 ہیں وہ بھی اب ہوش میں رہ کر لوگوانا کیونکہ تم ایک
 جاہل گنوار، بد نیز اور احساس برتری کے مارے
 انسان ہو اور کیوں نہ ہو گاؤں کے جاہلانہ ماحول
 میں تم جیسے اسی قسم کی سرکیش کر سکتے ہیں ابھی
 طرح جانتی ہوں میں تم جیسے تہذیب کی آڑ میں بد
 تہذیب اور پڑے کھسے جاہل گنوار لوگوں کو فروغ
 اور احساس برتری کا خناس اٹا تم لوگوں کے
 دماغوں میں بھرا ہوا ہے کہ اچھے برے کی نیونٹک
 بھول گئی ہے، تمہیں حساس ہے کہ تم ایک ڈانڑیہ کو
 اس کا کام پر پیش طریقے سے سر انجام دینے
 میں رکاوٹ پیدا کر رہے ہو میں چاہوں تو
 تمہارے اس بد نیز اور جاہل رویے سے تمہیں کوئی
 تڑپا چھوڑ کر جاسکتی ہوں لیکن اب مجھے بھی دیکھنا

ہے کہ تم کتنے بے ہادو ہو اور ہوش میں رہ کر کیسے اس
 تکلف کو سہتے ہو“ ڈانڑیہ نے شدید غصے میں
 روٹی کو پکڑی ہوئی چنگی کو میز پر پھینکے اور غصے کی
 کر چپاں نکالنے والے طبی اوزار پکڑے زخمی کی
 جانب بڑھی۔

ڈانڑیہ کا اتنا شدید رد عمل دیکھ کر زخمی کی
 فصول خیر آفتوں میں ایک لمبے کو میز کی لہر ابھری
 اور دوسرے پہلی اس کی کنٹینڈوں کی ریش تن
 گنگیں اور زخمی پیشانی پر سلوشن ابھریں اور اس
 نے ایک بار پھر جی سے اپنے لیوں کو کھینچ لیا جیسے
 ڈانڑیہ کو کچھ کہنے سے بمشکل اس نے روکا ہو فضلو
 اور بشیرا ابھی حیرت کے باعث قدرے منہ
 کھولے ڈانڑیہ کی جانب دیکھتے رہ گئے۔

”اوں ہوں، پچھلے چہرے اور گردن میں
 سے کر چپاں نکال کر زخم صاف کریں پھر بازو کو
 کیجئے گا۔“

”Look Mr. i am
 a doctor, i better know
 what to aw first, just shut
 your mouth now“
 ”(دیکھو مسٹر میں ایک ڈانڑیہ ہوں اور بہتر
 جانتی ہوں کہ مجھے پہلے کیا کرنا ہے تم اب اپنا منہ
 بند رکھو۔“ ڈانڑیہ نے غصے میں بنا خیال کیلئے
 انگریزی میں کہا۔

”Look lady do first“
 what i said, its better for
 you“
 ”(دیکھو خاتون پہلے وہی کر دو جی میں نے تم
 سے کہا ہے تمہارے لئے بہتر ہے۔)“ زخمی اور
 برہم سے نوجوان نے فضلو سے اپنا بازو چھڑاتے
 اور ڈانڑیہ کا ہاتھ روکتے ہوئے اسی کے انداز میں
 سر دلچے میں کہا۔

ڈانڑیہ صرف ایک لمبے کو اس کے منہ سے
 انگریزی سن کر حیران ہوئی اور دوسرے لمبے وہ
 واسطی طرح سے جان چلی گئی کہ ایک بار پھر اس کا
 واسطی ایک پڑے کھسے جاہل سے پڑ گیا ہے، زخمی
 کے چہرے کے پتھر لے لے تاثرات اور دوپٹے نے
 ڈانڑیہ کی ریزہ کی ہڈی میں سنسناہٹ کی پیدا کر
 دی گئی کوئی جید نہیں تھا کہ اس کا کہنا ماننے پر وہ
 اس کا گلا ہی کھونٹ ڈالنا، چاروہ ناچار اس کی بات
 مانتے ہوئے اس نے زخمی کی گردن پر جو مزید ایک
 کر چکی کی واضح ٹوک کو طبی اوزار سے کھینچ کر باہر
 نکالا تھا کرچی کے نکلنے ہی خون تیزی سے زخم
 سے رونے لگا تھا جسے ڈانڑیہ نے جلدی سے ہینکل
 روٹی زخم کے اوپر رکھ کر روکا تھا اور ساتھ ہی
 بیڑی تھکادی تھی۔

زخمی نوجوان نے کرچی کے نکلنے پر تکلیف
 پر صرف اپنی آنکھیں یکدم زور سے پٹی چپکیں اس
 کے علاوہ اس نے کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا تھا۔

”اؤنہر، یہ Superior complex
 (احساس برتری)۔“ ڈانڑیہ نے تنقیر سے دل میں
 سوچا اور اب اس نے زخمی کے چہرے پر پیشانی
 کے دائیں جانب اور دائیں جڑے سے قدرے
 اوپر جو دھڑک چپاں نکالی جس میں جن کو نوکس نمایاں
 نظر آرہی تھیں۔

اتنی شدید تکلیف وہ نہ جانے کتنی دیر سے
 سہہ رہا تھا اور ہانے والے تو چھوڑا فٹ تک منہ
 سے نہیں نکالا تھا اور اب کر چپاں نکالنے کی تکلیف
 بھی وہ سہہ رہا تھا بلاشبہ وہ ایک مضبوط اعصاب کا
 مالک تھا، ڈانڑیہ کو چاچا کا احساس ہوا اور اسے
 دل میں اعتراض کرنا پڑا۔

چہرے کی کر چپاں نکالنے کے لئے اسے
 زخمی کے کافی قریب ہونا پڑا اور اس کی کھلی رگت
 پر قدرے سیاہ برہمی ہوئی شید چہرے کو ہاتھوں

سے تھامتے ہوئے وہ ابھی خاصی نروس ہو چکی تھی
 اور بے بسی کیلکوں سے مزین بھرپور بے حد بولتی
 روشن خواب آکس آنکھیں اس کے چہرے کے
 گزری ہوئی تھیں، اس کی منفر سے کھڑی ناک
 سے آتی گرم سانس اسے اپنے چہرے پر پڑتی
 محسوس ہو رہی تھیں، اس کی پریشانی لائف میں
 ایسی تھینک کا سامنا اسے پہلی بار تھا وہ اندر سے
 خاصی نروس ہو چکی تھی گال اپکا کمرخ ہو گئے
 تھے اور اسے اچھے خاصے تش دینے محسوس ہوئے
 تھے۔

مقابل اس منظر سے کافی معظوظ ہوا تھا اپنی
 بے ساختہ اندلی ڈی والی سکرابٹ کو ہینکل دانتوں
 تلے لیوں کو دبا کر روکا تھا۔

اپنا ک ہاں نروس ہو جانے پر ڈانڑیہ کے
 ہاتھ کرچی نکالنے ہوئے ہلکے سے کانپے تھے جس
 کی بناء پر کرچی ایک ہینکل سے نکلنے کی بجائے زخم کو
 مزید کھرا کرئی گئی تھی۔

”سی!“ زخمی کے منہ سے بے ساختہ
 سسکاری بلند ہوئی تھی لیکن دوسرے ہی لمبے اس
 نے اپنے منہ کو کھتی سے بند کر لیا تھا۔

ڈانڑیہ نے دل میں دل میں شکر ادا کیا تھا کہ
 بد نیز، منہ پھٹ نے اس کچھ نہیں کہا تھا ساتھ ہی
 اس نے اپنے آپ کو اچھی خاصی سرش کی جی تھی وہ
 ایک ڈانڑیہ کی اور مقابل ایک مریض کھن مریض
 اور اسے اس کو زخمی طبی امداد مہیا کرئی گئی اس
 خیال کے ساتھ ہی ہر احساس اور سوچ کو بھٹک کر
 ڈانڑیہ ہمارت کے ساتھ ہانی کے زخموں کو صاف
 کرئی بیڑی تھک کرتی چلی گئی تھی کچھ جگہوں پر
 کر چپاں جلد میں پوست تھیں تو کچھ جگہوں پر
 معض خراشیں اور جب ڈانڑیہ نے بازو کے اس
 حصے کی ٹریٹمنٹ کا شروع کیا جہاں پر بے کوئی
 گوشت کو چربی نکلنے چلی گئی تھی تو آخر کار زخمی کے

مضبوط اعصاب جواب دے گئے کافی دیر سے اس کے اعصاب اس کی قوت ارادی کی بناء پر اتنی شدید تکلیف کھینے کی کوشش کر رہے تھے اب ان کی بہت جواب دے گئی تھی کسی دیر میں اس کی گردن ہلکے سے بائیں جانب ڈھلک گئی وہ بے ہوش ہو چکا تھا، ڈائریہ کو اب اپنا کام سرانجام دیتا حیرت آسان ہو گیا تھا اور وہ آسانی سے ٹانگے لگانے لگی۔

”فضلو! ان فیض کو قہقہے کی مدد سے بھادو کر اتار دو تاکہ میں جسم کے باقی حصے کا بھی معائنہ کر لو کہیں اور ششے کی کڑبیاں یا خراشیں موجود نہ ہوں۔“ ڈائریہ نے مصروف سے انداز میں بازو کے ذمہ پر ہنسی کرتے ہوئے فضلو کو ہدایت جاری کی۔

”آپ انہیں آرام سے لٹا دے اب یہ بے ہوش ہو چکے ہیں اور بازو کو اوپر نیچے سے پڑے تاکہ میں پنج طرح سے کرسکوں۔“ کندھے کو ابھی تک تھا سے بشیر نے کو دیکھتے ہوئے ڈائریہ نے اسے بھی ہدایت جاری کی جس پر اس نے جلدی سے عمل درآمد کیا، ڈی سیٹے کا معائنہ کرتے ہوئے ڈائریہ کو محسوس ہوا کہ ڈی تا صرف قدرتی طور پر کسرتی جسم کا مالک ہے بلکہ ودفش کے ذریعے بھی اس نے اپنے جسم کو اچھا خاصا بنا کر رکھا تھا یہ بالوں سے گھرا چوڑا چمکا سینہ ابھرے ہوئے مسکڑے بازو اور گردن کے پاس کندھوں کی ابھری ہوئی ہڈیاں یقیناً وہ ایک مضبوط ورزشی جسم کا مالک تھا اور شاید ایسی مضبوطی کی وجہ سے وہ درد سہہ گیا تھا، سینے پر اور دائیں کندھے پر چند ایک خراشیں موجود تھیں۔

”میں نے انہیں فوری طور پر طبی امداد فراہم کر دی ہے اب آپ انہیں شہر کی بڑے ہسپتال میں لے جائیں۔“ ڈائریہ نے سینے میں

سے لمبی سانس خارج کرتے ہوئے اور ہاتھوں پر سے پلاسٹک کے دستانے اتارتے ہوئے پاس کھڑے بشیر سے کہا۔

”وہ ڈاکٹر صلیبہ مرہم بھی تو ہو گئی ہے کیا ضروری ہے ہسپتال جانا کوئی بھی بازو کو اللہ کا شکر ہے چھری نکل گئی ہے دیے کوئی خطرے والی بات تو نہیں۔“ بشیر نے غصیل ڈاکٹر سے قدرے ہچکچاہٹ آمیز لہجے میں پوچھا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا ہسپتال جانا ضروری ہے کہ نہیں خون اچھا خاصا بہہ چکا ہے اسے خاص طبی ٹرینٹمنٹ کی ضرورت ہے کوئی بازو چھری نکل گئی ہے اور یہ بھی شکر ہے کہ ہڈی میں نہیں گئی لیکن زخم کا نیکر ہے اور پھر یہاں پر عمل طبی سہولیات موجود نہیں ہے تو جو کوئی سہولت ہمارے پاس موجود تھی اس کے مطابق ٹرینٹمنٹ دے دیا ہے تم لوگ فوراً اسے شہر کے ہسپتال لے کر جاؤ ابھی ایک ڈیڑھ گھنٹہ تو شہر پہنچنے میں لگ جائے گا اور وہ یہ بھی تم اگر پولیس سے پہنچنے کے لئے انہیں ہسپتال نہیں لے کر جا رہے ہو تو یہ تمہاری بھول میں خود کوں کر کے پولیس کو اطلاع دینے والی ہوں۔“

”اوہ نہیں جی ڈاکٹر صلیبہ آپ کو یہ سب کرنے کی ضرورت نہیں ان کے زکن شہر میں ڈی ایس بی لگے ہیں وہ بشیر سے پتر کے موبائل میں شہر چیک کر کے انہیں شہر پہنچ کر فوراً اطلاع کر دینا باقی کا معاملہ خود سنہیل لیں گے اور ڈاکٹر صلیبہ ٹھیک کی رہی ہے ہم نے ذہنی طور پر سنہیل کو دے دیا ہے وہ علاج شہر ہسپتال جا کر ہو گا اب تم لوگ دردمت کو روانہ کر جاؤ اور سنو او اس کا بہت خیال رکھنا۔“ فضلو نے جلدی سے مدافعت کرتے ہوئے پہلے ڈائریہ کو بتایا اور پھر بشیر سے کو ہدایت جاری کی یوں معلوم ہوتا تھا کہ فضلو نا

صرف زخمی سے باخبر ہی واقف بلکہ اس کے ساتھ خاص مرام بھی تھے اس کے۔

”میں نے انہیں نیند کا انجکشن لگا دیا ہے جس سے زخموں کی تکلیف بھی کم محسوس ہو گئی کم لوگ اب انہیں فوراً لے کر روانہ ہو جاؤ۔“ ڈائریہ نے بے ہوش زخمی کی کلائی میں سے سرخ نکالتے ہوئے کہا اور زیر لب آتی طنز یہ مسکراہٹ کو بخندیدہ لہجے میں دہایا اگر یہ ہوش میں ہوتا تو ایک زخمی کے ہاتھوں ممکن آور انجکشن لینے پر یقیناً ہنگامہ کھڑا کر ڈالتا ڈائریہ نے دل میں سوچا۔

بشیرا جلدی سے باقی تینوں کو اندر بلا لایا اور اس کے اشارے پر انہوں نے بے ہوش زخمی کو اٹھایا اور چاروں باہر کی جانب بڑھتے چلے گئے فضلو بھی ان کے ساتھ گیا اور پھر کچھ دیر بعد اندر آیا۔

”چلے گئے جی ریب خیر کرے۔“ فضلو نے کمرے میں آتے ہوئے ڈائریہ کو اطلاع فراہم کی وہ کافی پریشان نظر آ رہا تھا۔

”ہوں فضلو میں ذرا تھک گئی ہوں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں اگر کوئی مریض آ گیا تو مجھے اطلاع کر دینا اور پیو باجی آجائے تو انہیں کہنا مجھے جائے کالیکپ بنا کر میرے کمرے میں لے جائے۔“ ڈائریہ نے باہر کی جانب قدم بڑھاتے فضلو کو ہدایت جاری کی اور تیزی سے بائیں جانب سے کمرے کی جانب بڑھ گئی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ فضلو ابھی بہت تھکا ہوا چاہتا ہے اور ایک دفعہ اگر اس کی زبان چلی پڑتی تو کمرے کا نام نہ نہیں اور ڈائریہ واقعی جسمانی اور ذہنی طور پر محسوس کر رہی تھی دوسرا مرزا ایم کو کچھ دیر پہلے گزری سیورت حال سے آگاہ کر کے مشورہ لینا چاہ رہی تھی۔

کمرے کو لاک کر کے اس نے تیل فون پر

مرزا ایم کا نمبر لایا لیکن کمپیوٹر نے آگے ”آپ کا مطلوبہ نمبر فی الحال بند ہے۔“ کا رکارڈ چلا دیا۔

”یقیناً کسی سٹینک یا آپریشن میں مصروف ہوں گے جو سیل آف کر رکھا ہے۔“ ڈائریہ نے سوچا اور چار بائی پر محسوس سے اکھٹس موند لیں اور یکدم کھول بھی لی کہ نہ جانے بند آنکھوں کے چھپے اس کی شبیر کیوں لہرائی تھی جس نے اس کی زندگی اپن کر ڈالی تھی اس نے غصے سے اس تصور کو سر ہلا کر جھکا اور پھر اس کا دھیان یو پی اس زخمی تو جوان کی جانب چلا گیا۔

”اوہ! احساس برتری کا مارا ہوا نہ جانے کون ہے لیکن یہ بھی دیکھ لیتا ہے جیسا وہ ہے جس نے مجھے میری زندگی کا کچھ لپکا کچھ جیتن چھین لیا ہے کاش وہ سب نہ ہوتا جو ہو گیا ہے اسے میرے اللہ تو نے مجھے کس آزمائش میں ڈال دیا بظاہر میں مٹتی بھی بہادر ہوں، مضبوطی ظاہر کروں، ہوں تو وہی اندر سے ڈر پوک اور جلد بھرا جانے والی ڈائریہ کیا تو مجھے جانتا نہیں جوتانی بڑی آزمائش میں ڈال دیا ہے اندھوں کی طرح بس مجھ پاؤں مار رہی ہوں شانہ جبر اور ہوتا ہے اور تمہیں سے کوئی ملکی رشتہ مندار ہوتی ہے تم کہ مجھ پر مالک رحم کر۔“ سینے سے آہنا سراسر خارج کرتے ہوئے ڈی سیٹے سے بڑبڑاتی چلی گئی تھی۔

☆☆☆

شام کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے ڈائریہ کو اس گاؤں میں آئے چوتھارو دن تھا وہ یو پی برآمدے میں کرسی رکھ کر بیٹھ گئی ابھی تک اس نے گاؤں کا چکر نہیں لگایا تھا اور نہ ہی اس کا ایسا کوئی ارادہ تھا اسے اس گاؤں سے اور یہاں کے لوگوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی سلتھہ فونٹ اگر بے گاؤں کے آغاز میں بنا ہوا تھا آبادی کا آغاز چندرا لاکھ کے فاصلے سے شروع ہوتا تھا مگر ڈائریہ کو شام

ڈھٹلے اپنے گھروں کی جانب لوٹنے لوگوں کا احساس باہر مرکز پر موجود آوازوں سے ہو رہا تھا کبھی ٹریکٹر ٹرائی کی آواز کبھی کسی تیل گاڑی میں جتنے تیل کی گردن میں بندھی گھنٹی کی ٹن ٹن کی آواز سے اور کبھی پیدل ٹولپوں کی آوازوں سے جن میں سے فکرے آزاد کو جوان کے بلند قہقہے اور سیل فونز پر گاؤں کی آوازیں نمایاں تھیں ڈائری نے پوچھی مچن میں لگے گھٹے درختوں کی جانب نگاہ دوڑائی جی پی غندے سارا دن مختلف مقامات سے دانہ دکانا چلتے کے بعد اپنے اپنے آشیانوں کو لوٹ رہے تھے ابھی کچھ دیر میں رات ہو جاتی تھی پورے پونٹ پر عجیب خاموشی طاری ہو جاتی تھی برآمدے میں لگا سوڈا کا بلب اپنی پہلی اور بیمار روشنی سے پورے مچن کو سیراب کرنے کی ناکام کوشش کرتا آن ہونے والا تھا چوہ اور ڈائری اپنے کمرے میں جا کر کرفٹ کرسو چائیں اور فٹو جو کر دیا کہ چوکیداری کے فرائض سر انجام دینا تھا سامنے کمرے میں جا کر سو جاتا تھا لیکن باہر گیٹ کوٹا لگا دیتا تھا اور داتا کو بھی برآمدہ کا چکر لگا جاتا تھا لیکن ڈائری کی ساری رات باہر کے ہولناک سانے اور عجیب سے موسموں میں گھرے جاتے سوئے گزر جاتی تھی لیکن وہ اس غیر محفوظ جگہ پر کچھ خالم اور خود غرض سوچ کے حامل افراد سے کافی محفوظ تھی اور اسی وجہ سے یہاں پر رہنے پر مجبور تھی۔

ایسا سوچتے ہوئے وہ یہ بھول رہی تھی کہ اس وقت وہ خود بھی ایک خود غرض سوچ میں گھری ہوئی تھی صرف اپنے مفاد کی خاطر وہ اس جگہ پر اپنے فرائض سر انجام دینے چلی آئی تھی عام حالات میں وہ ادھر کا رخ بھی نہ کرتی غریب اور پسماندہ لوگوں کی مجبور اور پریشانیوں سے اسے کوئی سروکار نہ تھا۔

☆☆☆

”بھئی ڈائری یہ اتن ہاؤس جاب مکمل کر کے کیا کر دگی؟“ کاسن روم میں بیٹھی ڈاکٹر سفینہ نے گرم چائے سے لطف اندوز ہوتے ڈائری سے پوچھا تھا۔

”کسی گاؤں میں جا کر اپنے بیٹے کا اصل مقاصد کو پورا کرنے کی اور کیا کرے گی۔“ جواب ڈاکٹر رجم کی جانب سے موصول ہوا تھا۔ ڈائری جنوڈ خاموش چائے سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ ”یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟“ ڈاکٹر سفینہ نے پوچھا۔

”بھئی بچپن سے ہم لوگ ڈاکٹر بننے کا خواب دیکھتے ہیں اور ذرا بڑے ہوتے ہیں تو نہایت جذباتی پن سے ڈاکٹر بننے کے ساتھ یہ سوچتے ہیں کہ ضرور کسی غریب پسماندہ علاقے یا گاؤں میں جا کر غربی نادار اور دلچسپ لوگوں کی اپنے بیٹے کے ذریعے پر غلوں اور بچہ کی لائٹ کے خدمت کر کے اپنے بیٹے کے فرائض اصل طریقے سے نبھائے گئے اور ڈائری چونکہ کافی جذباتی خاتون، میرا مطلب لڑکی ہے تو یقیناً وہ مستقبل میں ایسا ہی کچھ کرنے کا ارادہ رکھتی ہوگی کیوں تک دل، جذباتی خاتون!“ ڈاکٹر رجم نے مسکراتے ہوئے اور ڈائری پر تہہہ کرتے ہوئے ڈائری سے پوچھا۔

”آف کورس، میرا ایسا ہی جذباتی ارادہ ہے، شہر میں تو جی جی کیا ڈاکٹر بننے کے کلینک کھول دگی ہیں کو؟“ نعم حکیم خطرہ جان“ ہیں وہ لوگ تو جی طبی ہولت تو فراہم کر دیتے ہیں ناں پریش کو خدا خواستہ کوئی حادثہ ہوتا ہے بچہ چھتے سے گر کر ٹانگ تروا بیٹھتا ہے جیسا کہ دو بچہ دو کھلا ہو کھتی بری طرح سے اس کی ٹانگ ڈھکی میری آنکھوں میں دھکی پانی آ گیا تھا اس کی تکلیف

دیکھ کر جس کی بناء پر آپ مجھے جذباتی خاتون کا خطاب دے رہے ہیں لیکن اگر ابھی حادثہ کسی پسماندہ دور افتادہ گاؤں میں ہوتا تو شریک بننے کو لانے کا کتنا مسئلہ ہوتا وہ تو پھر کسی ترقی پسند کلینک سے ٹانگ پر پٹی بندھوا کر لایا گیا تھا جی تو بچت ہو گئی بس شروع سے ہی میرا ارادہ ہے کسی گاؤں میں جا کر اپنی خدمت سر انجام دینے کا اور یہ کوئی دینی یا جذباتی فیصلہ نہیں میں نے میڈیکل تعلیم حاصل ہی نہیں کی ہے کہ مجھے کبھی غریب لوگوں کی خدمت کرنی ہے اور اس پیشے سے بہتر کوئی اور ذریعہ ہو نہیں سکتا لیکن ہاؤس جاب مکمل کرنے کے بعد میرا پہلا ارادہ اسپیشل سزیشن کے لئے باہر جانے کا ہے۔“ ڈائری نے تفصیلاً جواب دیا۔

”واہ..... واہ کیا ذریعہ خالات ہے جذباتی خاتون آپ کے لیکن مجھے سو فیصد یقین ہے کہ اسٹیٹ جاکر اس فیلڈ میں مزید تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ وہیں پیٹ ہو جائیں گی کیا باہر کی جدید خوبصورت خرائیڈز دینا اور کہاں کی پسماندہ گاؤں کی ”خاندان“ ڈاکٹر رجم نے ہلکی سی تالی بجاتے ہوئے ایک باہر چڑھ کر کچھ بکھیرا تھا۔

”ناٹ اے اینڈ ایڈیٹس با یا اور مرادھی ہو گئے تو یہ سب سے بہتر ہو گا وہ اپنے ملک کوئی الحال چھوڑنے کا ارادہ نہیں اور نہ ہی میں یہ تو Depend کرتا ہے وہاں جا کر رہنے پر۔“

ڈائری نے کندھے اچکاتے ہوئے لاپرواہی سے جواب دیا۔ ڈاکٹر رجم کی شرارت کا جواب اس نے بھی شرارت سے دیا تھا روم وہ اپنے ارادے پر قائم تھی۔

”تو کیا دس پندرہ سالوں بعد ہم منتظر رہے تمہارے کلینک پر شاندار سبکی پر چاب کرنے کے لئے۔“ ڈاکٹر رجم نے پوچھا۔

”آف کورس کیا تک آپ ناراض ہیں گے مجھے امید ہے کہ آپ بھی دوسرے ڈاکٹروں کی طرح جو صرف اور صرف خدمت ملتی ہی نہیں بلکہ خدمت خود کا جذبہ لے کر اس پرویشن میں آئے ہیں کسی نہ کسی شاندار پوسٹ پر پہنچ چکے ہوں گے خواہ سرکاری طور پر یا سہولت طور پر۔“ آپ کا دفعہ ڈائری نے ڈاکٹر رجم کو گھیرا تھا اور سفینہ دھیرے سے کبھی ان دونوں کی لوک چھوک معمول کا کام تھا اور ڈاکٹر سفینہ جب معمول ان کی لوک چھوک سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

”ارے سرکاری کہاں اتنی آسانی سے اب گورنمنٹ کی جاب حاصل نہیں ہوتی اور اگر ہونے کا امکان روشن ہو تو شہروں کے سرکاری ہسپتال رشوت اور بھکاری سفارش کے بل بوتے پر پہلے ہی ڈاکٹروں سے بھرے پڑے ہیں لہذا ہم جیسوں کو تو دور دراز کے گاؤں میں پوسٹ کر دیا جاتا ہے اور شہری سہولتیں چھوڑ کر ناکی طبی سہولتوں میں جا کر میرا رہنے کا کوئی ارادہ نہیں پرائیوٹ کلینک والوں سے ہی اپنا خونا چلائیں گے اور پھر کبھی نہ کسی خود بھی جسنے کے لائق ہو ہی جائیں گے ڈاکٹری چالاکیاں مار کر۔“ ڈاکٹر رجم نے نیچے نیچے میں در پردہ بہت سی باتیں عیاں کی تھیں ڈاکٹر سفینہ اور ڈائری ڈاکٹر رجم کے جذبہ بھدردی اور حب الوطنی سے اچھی طرح آگاہ تھیں وہ جانتی تھیں کہ ڈاکٹر رجم صرف اور صرف جذبہ خدمت خلق کی بناء پر اس فیلڈ میں آیا اور مستقبل خریب میں کسی پسماندہ علاقے میں جا کر وہی مجبور اور دلچسپ لوگوں کی خدمت کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو یہی وہ اپنے اندر کا زہر نکال رہا تھا جو وہ کچھ اس پیشے میں موجود کی بیخیزوں کو دیکھ کر اس کے اندر بھر جاتا تھا۔

”اور ڈاکٹر سفینہ آپ کیا کریں گی؟“
 ”شادی اور کیا؟“ سفینہ نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے جواب دیا تھا اور تینوں کا بے ساختہ ہنسنے کا سن روم میں بلند ہوا تھا۔
 ☆☆☆
 ”ڈاکٹر صاحبہ چائے۔“ پیو نے کب کی خاموش اور کھوئی سی برآمدے میں بیٹھی ڈائریہ کو متوجہ کیا تھا۔

”آں ہاں تھک پو پو باجی۔“ ڈائریہ نے آنکھوں میں آنی کی کوٹھڑیں جھکانے پیو سے چھپاتے ہوئے چائے کا کپ تمام کیا تھا۔
 ”کھانا بناؤ گی۔“ پیو نے پوچھا۔
 ”میں مجھے بھوک نہیں تم لوگوں نے کھا لیا؟“

”میں جی دل نہیں کر رہا بس اب شہر سے خیر کی اطلاع لے کر کوئی آئے تو سکون ہو۔“ پیو نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔
 ”اندھرا بڑے لگے اور پھر بھی یہاں کافی بے اندر کرے میں چلتے ہیں۔“ ڈائریہ نے اپنے دائیں بازو پر جلدی سے ہاتھ مارتے ہوئے اور پھر کواڑتے ہوئے کہا اور چائے کا کپ لے کر اندر کرے میں چل آئی۔

”ہاں تو کھانا کیوں نہیں کھایا کیا ہوا؟“ ڈائریہ نے یونہی سے تو بھئی سے پیو کی بات کی تھی اور دوبارہ اس سے پوچھا۔
 ”بس لی جی دل ہی نہیں چاہا یہاں آئی تو فضلو نے بتایا کہ چھوٹے صاحب کو کوئی لگی ہے بس دل اس وقت کا پریشان ہے نہ اس نے ردی کھائی اور نہ پیرا کچھ بنائے کول چاہا بس شہر سے کوئی آئے ابی خبر لائے تو حوصلہ ہو نہ گی۔“ پیو نے سنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔
 ”کون ہے وہ مجھے معلوم کی گئی؟ آپ کا کوئی

رشتے دار ہے؟“ ڈائریہ کو دوپہر والا لڑکی یاد آگیا اور پیو فضلو کی پریشانی دیکھ کر فطری جسس کے تحت اس نے پوچھا کم از کم ان دونوں کی پریشانی یہ تو ظاہر کر رہی تھی کہ وہ ان کا کوئی قریبی رشتہ دار تھا ساتھ ہی اسے اس کی بدتریاں بھی یاد آگئیں اور کشادہ روشن پیشانی پر ہلکی سی ناگواری کی لکیریں ابھریں۔

”میں جی رشتے دار تو نہیں پر رشتے داروں سے بڑھ کر ہے جی بڑے احسان ہے ان کے ہم پر اور اس کا بچپن تو وہی ہے فضلو کے ساتھ چلتے گزرتا ہے ہم نے اس کا بچپن سے بڑا خیال رکھا ہے اسی لئے ہمیں وہ اولاد کی طرف پکارا ہے اور وہی اسی ہماری بڑی عزت کرتا ہے فضلو کو یہاں پر بھی کوئی انہوں نے ہی دلائی تھی جی۔“

”لیکن وہ ہے کون؟“ پیو کی باتوں کی نال ٹاپ گاڑی چل نکلی تھی ڈائریہ کے سوال کے پہلے بھے کھڑے انداز کے وہ اس انہی کے بارے میں رعب المان ہو چکی اور ڈائریہ کو اس منہ پھٹ جھنگی کی تعریفیں سننے کو قطعی حق نہیں تھا کسی بدتریاں سے اس نے کہا تھا کہ اب وہ زانی سے انجمن کھوانے گا۔

”انہنہ جاہل۔“ اسی لئے پیو کو کوسنے ہوئے اس نے پھر اپنے سوال کا پہلا حصہ دہرایا۔
 ”چوہدری سکندر کی اپنے دڑے چوہدری کا بیٹا۔“ پیو نے بتایا۔

”واٹ؟“ چوہدری سکندر، ہوں مجھے پہلی سبھ لیا جاے تھا شانی بتا کر تو گئی تھی اتنا چوہاں کے بارے میں انہنہ دولت اور حاکمیت کے لئے سے چور بڑا کھسا جاہل مغرور انسان نہ جانے گا گاؤں کے چوہدری حاکم ٹاپ لوگ اسی طرح کے کیوں ہوتے ہیں تعلیم بھی ان کی جاہلانہ

کو بدلنے سے قاصر رہتی ہے۔“ ڈائریہ بری طرح حیران ہوئی تھی بانی کی بات اس نے دل میں سوچ لی۔
 ”وہ تو جی دڑے چوہدری بھی یہاں نہیں تھی تو دشمن نے ہمت کی ہے، ہے بھی تو بڑا لاپرواہی دشمنیاں پال کر یونہی آرام سے ہر جگہ کھوتا پھرتا ہے شکار سے واپس آ رہا تھا جب کسی خبیثیت نے اپنا کردہ (بھض) نکالا اپنے کا وہ بھی نہیں ٹھیک ہو جائے چھوڑے گا نہیں اسے بس اللہ اسے آرام دے دے۔“

”پیو باجی مجھے نیند آ رہی ہے لائٹ آف کر دو اور بائیلز میں ایل کی کرے سو جاؤں گی تمہارے خزانے مجھے رات بھر سونے نہیں دیتے بس لائٹ آف کرتی جاؤ۔“ ڈائریہ نے اکتاے انداز میں ایک بار پھر پیو کو بولتے ہوئے ٹوکا تھا اسے سکندر تانے کو سننے سے کوئی دیکھی نہیں تھی اور دوسرا وہ رات اپنے کمرے میں تنہائی چاہتی تھی پیو کی سوچوں کی اور خزانوں میں وہ سوچ طرح سے نہ سوچ بانی تھی اور نہ مکمل کر رہی تھی اس لئے اس نے دو ٹوک انداز اختیار کیا تھا۔

پیو ایک دم سے چپ ہو گئی کی وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر کھلی اور صلیبی کی نازکی ڈاکٹر کا دو ٹوک انداز دیکھ کر چپ سی رہ گئی تھی اور پھر دیر سے بے لائٹ آف کر کے وہ کمرے کا دروازہ بند کر کے باہر فضلو کے پاس چل آئی تھی، فضلو ابھی برآمدے میں بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔
 ”اوہ تو ادھر کدھر؟“ فضلو نے پیو کو اپنے پاس بیٹھنے دیکھ کر حیرانی سے پوچھا اور سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”وہ ڈاکٹر صاحبہ کہتی ہیں کہ میرے خزانوں سے انہیں نیند نہیں آئی لہذا وہ ایل کی کرے میں سویا کرے گی۔“ پیو نے گویا سہوتے ہوئے

جواب دیا۔

”ہات تو بھئی ہے تیرے خزانے بھی تو ایسے ہوتے ہیں جیسے وہ ہانسی چکھڑاتے ہوئے لڑے ہوں لیکن ہاں میں خود کراٹھ جاتا ہوں وہ تو پھر شہری ہے اور شہری بڑے نازک مزاج ہوتے ہیں پو پو اپنی ڈاکٹر صاحبہ سے بڑی غصے والی آج چوہدری سکندر کو اچھا خاصا ڈاٹ کر رکھ دیا نہ جانے غصے میں کیا کچھ بول ڈالا وہ تو میں اس کا کٹھکانہ دہاتا تو کوئی نہیں تھا وہ انٹانٹھے میں کیا کر ڈاٹا ضبط کر گیا بڑی مشکل سے۔“ پرینو کو اپنی جانب گھورتے دیکھ کر فضلو نے جلدی سے بات بدلی اور پھر پوری تفصیل کے ساتھ پیو کو دوپہر کا واقعہ سنا دیا۔

☆☆☆

رات ہے حد خاموشی تھی، رات میں شہر ہے رات کو دھکی اور نئے نئے دھم گئے انسان کو سوچیں تاریکی میں ڈولی آتی ہیں صبح کا اجالا ہر نشی سوچ کو دھو ڈالتا ہے مگر اس وقت تو رات کی خاموش تاریکی ہر سو چھائی ہوئی تھی اندر کرے میں لپٹی ڈائریہ اس تاریکی میں اپنی ماضی کی یادوں میں بری طرح سے گم ہو چکی تھی۔

”مما بائیلز مان جائے ناں، تاپا ابو کتنی اچھی آفرے کر آئے ہیں ہم تینوں جو چند لگے پریشان بیٹھے تھے اللہ نے ہماری پالیم کا کٹو اچھا سلوٹن بیچ دیا ہے آئی تھک ہیں ان کی بات مان لینی چاہیے۔“ لاپرواہ اور لا اہلی سی ڈائریہ نے بچن میں چائے بناتی ماما کے کندھے سے جھولتے ہوئے لاڈ بھرے انداز میں کہا ڈائریہ کی بات سنتے ہوئے اس کی ماما کمرٹی میں ایک دو بار ہلکا تھا۔

”مما آخر اس میں ہرج ہی کیا ہے؟“ ڈائریہ مسلسل انگاری ماسے زنج ہوتے ہوئے

”ذاتیہ تم ابھی بچی ہو ان معاملات کو نہیں سمجھتی بیٹھے میں سب مناسب نہیں لگتا تو اس کے پیچھے کوئی وجہ ہو گی خواہ خواہ ضد مت کرو۔“
 ذاتیہ کی ممانے اسے نرمی سے لگا تھا ساتھ ہی وہ فریڈا بین میں شادی کیا بھی تھی جاری تھی۔
 ”میکسیکو ذی لیلیڈ میں بچی پر نہیں ہوں ایک مکمل ڈاکٹر ہوں جس کا دو دن تک ہی ہاؤس چاب پورا ہوا ہے۔“ ذاتیہ نے گردن اٹھاتے ہوئے انہیں ٹوکا۔

”پاکل!“ مسز شانواز اپنی بیٹی کی ادا پر بس مسکراتے ہوئے اس کے سر پر ہلکی سی چپٹ لگائی۔

اور ذاتیہ خود کو یوں ٹالے جانے پر بس منہ بسور کر رہ گئی اب وہ مزید اپنی ممانے سے ضد یا بحث کر کے اپنی بات نہیں منواتی تھی ان کا دھوکہ انداز اسے اس کی حد پر لے آیا تھا اس حد کو پار کرنے کا مطلب ابھی خاصی ڈانٹ کھانا تھا، لیکن ذاتیہ اپنے دل کا کیا کرتی جو بری طرح سے اپنی بات منوانے کے لئے کج لگنا تھا زندگی میں پہلی بار اسے آج حیرت ناک اور خوش گوار حقیقت کا سامنا تھا اور پھر اس کے ساتھ ہی اس کی ایک دیرینہ خواہش بلکہ حسرت بھی پوری ہوئے جا رہی تھی جس پر فی الحال اس کے ممانا بابا بالکل رضامند تھے اور ایسا بھی شاید پہلی بار ہوا تھا کہ اس کی ممانے ذاتیہ کی خواہش اور ضد کو بالکل مسترد کر ڈالا تھا ذاتیہ کا منہ واقعی لنگ گیا تھا اور مین کور سے پانی سے بھرے گئے تھے اس بات نے اس کے دل کو کھینچ پھینچی تھی کہ اس کی ممانے اس کی خواہش رد کر دی تھی وہ اپنی بات ان سے منوانے کی تھی لیکن باہر ڈرائیونگ روم میں بیٹھے ملک عالم کے ساتھ ایسا کوئی مسئلہ نہیں تھا وہ

بڑے تھے بات منوانے کا مگر جانتے تھے اور شانواز کو مکمل انکاری دیکھ کر بھی اپنی بات پر اڑے ہوئے تھے اور شانواز کو اب بہت مشکل لگ رہا تھا اپنے بڑے بھائی کو مکمل انکار کرنا جو اتنے عرصے بعد اس کے گھر آئے تھے لیکن وہ حقیقت شناس تھے اور آنے والی صورت حال کے بارے میں بہت سے خدشات میں گھرے ہوئے تھے بھائی کی آفر قبول کرنا ان کے لئے ہر گز آسان بات نہ تھی اور سے کتنی نے انہیں مصیبت میں ڈال دیا تھا اگر کل کتنی ہی آؤ نہ کرتی تو آج صورت حال قدرے مختلف اور بہل طلب ہوتی۔

”تو اس کا مطلب ہے شانواز تم نے اور بھر جانی نے ہمیں معاف نہیں کیا میں ہر بار تمہاری راہ میں کھڑا ہو کر تمہارے اور اپنے خلیق کو جوڑے رکھنے کی کوشش کرتا ہوں اور تم ہر بار دامن جھٹک دیتے ہو تم اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور ہو اور میں اپنی فطرت کے ہاتھوں، خون، ہونم ہمارا شیتم سے لالچ نہیں ہو سکتا جبکہ میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ تم بے قصور تھے میں مدعا کرتا چاہتا ہوں اس سزا کا جو تمہارا قصور نہ ہونے کے باوجود سنا ڈالی گئی مگر شاید جو جذبات میں اپنے دل میں تمہارے لئے رکھتا ہوں تم میرے لئے نہیں رکھتے ورنہ بڑے بھائی کا مان بول نہ توڑے۔“

جب ذاتیہ نے اور مسز شانواز چائے کے ساتھ مختلف لوازمات سے بھی ٹرائی ڈرائیونگ روم میں لے کر داخل ہوئیں تو اندر کی صورت حال کافی کمبھور ہو چکی تھی ملک عالم کا سنجیدہ لہجہ انہیں حقیقت پریشان کر گیا تھا۔

”بھائی جی بیٹھے اس طرح سے ناراض ہو کر مت جائیں چائے تو پیئے۔“ ملک عالم کا اٹھنا

دیکھ کر مسز شانواز جلدی سے بولی تھیں شانواز بھی گھبرا کر کھڑے ہو گئے تھے۔

”یہ آپ کی بات کر رہے ہیں بھائی میں آپ کے جذبات سے بہت اچھی طرح واقف ہوں اس گھر میں سب سے زیادہ پیارا اور توجہ مجھے آپ ہی سے ملی ہے آپ ہمیشہ میرے آگے ڈھال بن کر کھڑے ہوتے ہیں میں آپ کے دامن جھٹکنے کے بارے میں تصور بھی نہیں کر سکتا بلکہ بیٹھے ہوں ناراض ہو کر مت جائے، ثمنینہ چائے بنا کر دو بھائی جی کو۔“ ملک شانواز نے جلدی سے ملک عالم کا کندھا تھام کر انہیں صوفے پر بٹھاتے ہوئے کہا اور اپنی نصف بھڑک چائے بنانے کا کہا ذاتیہ کے لئے یہ تمام باتیں عجیب اور کچھ تھیں وہ بھی صورت حال پر غور کر کے سب کے تاثرات کا جائزہ لے رہی تھی۔

”میرے خدشات بے جا نہیں ہے بھائی جی آپ جانتے ہیں میرے ساتھ جو شرواع سب کاروبار رہا مگر جسے ثمنینہ ایک دو بار بھی ہے تب اس کے ساتھ بھی کسی نہ نرم اور قابل احترام رویہ رہا نہیں رکھا اور اب پندرہ دن میری غیر موجودگی میں ان دونوں کے ساتھ کیا رویہ رکھے گے وہ لوگ؟ آپ مستقبل تو ان دونوں کے پاس نہیں رہے گے مگر اور ج میں مجھے واقعی سمجھ نہیں آ رہا کہ پندرہ دن کے لئے میں ان دونوں باقی ہو کیوں نہ تھا کہ میں کیسے چھوڑ کر جاؤں آج کل حالات اتنے اچھے نہیں رہے اور میں ترقی کا یہ چاہتی تھی میں نہیں کر سکتا خاص طور پر ذاتیہ کے مستقبل کے لئے۔“ شانواز دہشتی کشش میں مبتلا ہوئے تھے۔

”ہوں اب میں کچھ نہیں کہوں گا جو کہیں گے وہ لوگ کہیں گے۔“ ملک عالم نے اتنا کہہ کر اپنے سیل فون پر کسی کا نمبر ملا کر ان سے باتیں

کرنے لگے ثمنینہ اور شانواز نے نہایت چھپکھپ سے کون پر ان کی، کی جانے والی فکھو کی سی اور انہیں فکھو کی سی باتوں پر یقین نہیں آیا تھا مگر کہہ ہی دیر بعد گیت کی ڈور بتلے انہیں یقین کرنے پر مجبور کر دیا تھا جہاں ملک عالم دھمے سے شکر کرتے تھے وہیں ملک شانواز چہرے پر سنجیدگی اور حیرت چھائے بیرونی دروازے کے جانب بڑھے تھے۔

☆☆☆

”یہ ڈاکٹر صاحبہ چند بینا آپ سے ملنے آئی ہیں جی۔“ ذاتیہ فکھو کی آواز پر ہلکے سے چوکی گئی اور ماضی کی یادوں سے چپچہا چپچہا کر حال میں ان بیٹی تھی آج کل یہ بات اس کے ساتھ بڑی عجیب ہو رہی تھی بیٹھے بیٹھے وہ ماضی کی یاد میں کھوی جاتی تھی اور ماضی کی وہ بات پوری طرح واضح ہو کر اس کی یادداشت پر اُبلنے لگتی تھی وہ اس یاد میں یوں کھوئی تھی کہ اپنے وجود کو چال کی بجائے ماضی کی یاد میں محسوس کرنے لگتی تھی اب بھی اس کے ساتھ یہی ہوا تھا۔

”آ..... اندر بیچ دوں۔“ بیٹے نے ٹھنڈی سانس خارج کرتے اس نے فکھو سے کہا تھا اور بس یوں ہی میز سے اٹھا کر اپنے سیل نظر دوڑائی تھی کل سے اس کا سر ابراہیم سے رابطہ میں ہو پایا تھا اب بھی وہ ان کی کس کا لیں ایس ایم ایس چیک کرنے لگی تھی سیل پر ایسا کچھ نہیں تھا۔

”سلام ڈاکٹر صاحبہ جی۔“ چند عورتیں کمرے میں داخل ہوتے ہوئی بولیں تھیں۔
 ”وہم السلام آئیے بیٹھے۔“ ذاتیہ نے سامنے کھڑے آنچلوں عورتوں کی جانب دیکھتے ہوئے سامنے بڑے بچے کی جانب اشارہ کیا وہ سخت نقوش، گلچے صلیب اور سانولے چہروں والی عورتیں تھیں ذاتیہ نے ان کی جانب سوالیہ انداز

میں دیکھا وہ سب اس کے بات کرنے سے ہنسیا کھٹ کر شکار تھیں انداز بتا رہے تھے کہ وہ جس کے ہاتھوں مجبور ہو کر یہاں تک تو چلی آئی تھیں مگر اب سانسے پنی پھی پھی خوں صورت سی ڈاکٹر سے بات کرنے کی بہت نہ با رہی تھی۔

”اوہ آپ کا تھوڑی سی ہے ادھر اسٹول پر آ کر بیٹھیں میں چیک کر لیتی ہوں آپ شاید اسی لئے آئی ہیں۔“ ڈاکٹر نے اتنی گرمی میں رشتی کلکے نیلے لباس میں بیویں کھر دے نقوش کی حامل تیلی سی عورت کو مخاطب کیا جس کے بائیں ہاتھ کی پانچ انگلیوں پر مختلف رنگ کے پٹروں کی پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔

”وہ عورت بیکے سے ہنس پڑی گویا اسے ڈاکٹر یہ بات نہ دانی کے سوا کچھ نہ تھی کچھ ایک نے اس عورت کا اس کی ہنسی میں ساتھ دیا اور باقی خاموشی سے اسے یوں کھوڑے جا رہی تھیں جیسے چڑیا کھر میں آنے والے اسے اور عجیب جانور کو تماش بین آکر کھڑوتے ہیں۔

”اوہ ٹھیک جی میرا ہاتھ ڈھی نہیں وہ اصل میں آپ کے ہسپتال کے باہر پھیلی دیواری طرف بھینڈیاں لگی ہوئی ہیں ہم صبح سویرے انہیں توڑنے آئی ہیں اور بھینڈیوں کے اوپر سخت جینے والے کانٹے لگے ہوئے ہیں پٹیاں نہ باندھ تو بھینڈیاں ایک سکندھ میں انگلیاں چر کر کھ دیتی ہیں انگدہ دن بھینڈیاں توڑنے کے قابل ہاتھ نہ رہے ہمارے جی ابھی موسم ٹھیک ہے فصل جیہ اکیری (وقت سے پہلے کاشت کی جانے والی) ہے جی تو صبح سویرے آکر دس بارہ بجے تک فارغ ہو کر چلی جانی ہیں آپ کا پتہ چلا تو سوا کہ آپ سے مل آئے آج تک تو کوئی مرد ڈاکٹر ادھر آکر نہیں رہا اور آپ تو عورت ذات ہو کر ہمارے گاؤں اپنی ڈیوٹی دینے آئی ہوئی۔“ وہ

عورت جلدی ہوئی۔

”آہو جی ہم تو چوچیاں ہیں جی ایویں آپ سے ملنے چلی آئیں ہوی چلی بات ہوئی ہے جی جو آپ یہاں آئی ہو اب ہم زنا نیاں بھی آپ کو اپنا چیک اپ کر کے گی ہمیں تو بڑی سولت (سہولت) ہو گئی ہے جی۔“ ایک اور عورت بھی چٹائی لچھے میں ڈاکٹر سے مخاطب ہوئی۔

”لے چاچی ڈاکٹر فی صاحبہ کو کیا علوم (معلوم) ہو کر چوچیاں کیا ہوتا ہے۔“ قدرے شرع اور جوان سی عورت نے چلی عورت کو ٹوٹے ہوئے کہا۔

”وہ جی چوچنی کا مطلب خنے والی سبزی کو جیسے بھینڈی، کپا (کیاس) وغیرہ ہے جی۔“ ٹوٹے والی عورت نے آگئی تک خاموش ڈاکٹر کو وضاحت پیش کی اور ڈاکٹر اسے یہ بتا نہ سکی کہ وہ بہت اچھی طرح سے اس مطلب سے آشنائی رکھتی ہے وہ شہری ضرور ہے لیکن اس کی جڑیں ایک ایسے گاؤں میں پیوست ہے جس کی جانب اب وہ رخ کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔

”اچھا جی سورج چڑھتا آ رہا ہے اب ہم لوگ چلتی ہیں جی۔“ وہ عورتیں اٹھ کھڑی ہوئیں شاید ڈاکٹر یہ کی خاموشی سے اکتا کر یوں تو اپنے فطری جس کے ہاتھوں وہ ڈاکٹر سے بے تحاشا ذاتی نوعیت کے سوال کرنا چاہتی تھیں مگر ڈاکٹر کا خاموش اور ایسا دیا انداز دیکھ کر وہ اپنا سانس لے کر باہر کی جانب چلی پڑیں۔

ڈاکٹر نے انہیں جاتے ہوئے دیکھ کر ایک الوداعی مسکراہٹ سے نوازا تھا اور وہ بالترتیب اس کے کمرے سے نکلتی چلی گئی تھیں۔

”فعلو! یہاں کے لوگ بیمار نہیں ہوتے یا ڈاکٹر فی علاج پر یقین نہیں رکھتے۔“ کمرے کی

تہاڑا تو کچھ کرتے فعلو کو ڈاکٹر نے خاموش احوال سے تنگ آکر یونہی پوچھا تھا اگر سارا دن مریضوں میں کھر اکر جاتا تو یوں یادوں کے ناگ آکر اسے ڈسے نہیں۔

”ایہی بات نہیں ڈاکٹر صاحبہ اصل میں ابھی آپ کو آتے کچھ ہی دن ہوئے ہیں لوگ آہستہ آہستہ اپنی جھگ دور کرتے آتے جاتے گے انہیں اصل میں اس بات پر ابھی عمل یقین نہیں ہے ناں جی کہ آپ ادھر ہی رہوں گی یا دوسرے ڈاکٹروں کی طرح کبھی چھٹیاں لے کر واپس چلی جاؤ گی بس تنخواہ لینے کے لیے ہمیں میں ایک دو چکر لگائے یا وہ بھی نہیں وہ تو پھر مرد ذات ہو کر یہاں رہتے کھراتے ہیں اور آپ تو پھر لڑکی ذات ہو جی انہیں یقین ہے کہ آپ آج کل میں واپس چلی جاؤ گی تو پھر آپ کے پاس آکر علاج کروانے کا فائدہ۔“ فعلو نے متصل جواب موصول کر کے ڈاکٹر سے یونہی پیوست وینٹ کو میز پر گول گول گھما لے گی، جی میز پر رکھا اس کا سیل فون دھرو ٹوین کے ساتھ بچنے لگا۔

”Sir ibrahim calling“۔ سیل سکرین پر چمکنا دکھ کر اس نے جھٹ کال ریسیو کی۔

”السلام علیکم را“

”وعلیکم السلام! کمال ہے بھئی؟“ خیریت تمہاری کل شام مس کال کرتی ہوئی تھیں میں اسلام آباد ایک ضروری میٹنگ اٹینڈ کرنے گیا ہوا تھا اس لئے تمہیں جلدی کال بیک نہیں کر سکا ابھی کچھ دیر پہلے ہی لاہور واپس آیا ہوں اور اسنے آس آکر بیٹھا ہوں۔“ سربراہیم نے نرم لہجے سے ڈاکٹر کی خیریت دریافت کرتے ہوئے تفصیل بتائی۔

I am fine sir (میں ٹھیک ہوں)

سربراہیم بالکل خیریت ہے کل ایک ایمر جنسی آئی تھی اس کا آپ سے ذکر کرنا چاہ رہی تھی اور اسی سلسلے میں آپ سے مشورہ درکار تھا۔“ ڈاکٹر نے مودب لہجے میں جواب دیا۔

”اچھا اس قسم کی ایمر جنسی اور اس قسم کا مشورہ بھی۔“ سربراہیم عمل طور پر اس کی جانب متوجہ ہوئے تھے اور ڈاکٹر یہ فون پر انہیں کل چودہری سکندر کا ڈھی ہو کر یہاں آنے کے بارے میں بتانے لگی اور آخر میں پولیس کو افطار م کرنے کے بارے میں اس سے پوچھا۔

”اوہ! یہ تو ہوا، ہوں نہیں تمہیں پولیس وغیرہ کا سمجھتے میں پڑنے کی ضرورت نہیں وہ ہا رسوخ لوگ خود ہی اس مسئلے کو ہینڈل کر لے گئے تم سچ میں ان لوگوں کو ہ کی میں بات کر لوں گا تم اطمینان رکھو اور سکندر کی کوئی خبر آئی کیا وہ اب ٹھیک ہے؟“ سربراہیم نے ساری بات سن کر ڈاکٹر یہ کو لور مشورہ دیا تھا اور ساتھ ہی پوچھا۔

”تو سر مجھے اس کے بارے میں شک نہیں۔“ ڈاکٹر یہ نے نفی میں ملتا ہوتے ہوئے جواب دیا۔

”اوکے، اس کے او کے تم مجھے اطمینان سے یہاں رہو یہاں پر کوئی تمہارا سایہ بھی نہیں باکس، گاؤں میں کھروں وغیرہ کا ڈوٹ کم سے کم کرنا تمہاری راضی کا مسئلہ جی حل ہو جائے گا وہ ڈاکٹر یہ کچھ اہم و ڈیڑھ ڈاکٹر سے پھر بات ہوگی اللہ حافظ۔“ سربراہیم نے بات کرتے ہوئے جلدی سے کہا اور فون بند کر دیا۔

سربراہیم کی باتوں سے ڈاکٹر یہ کو کھوس ہوا جیسے وہ اس بدلیگر چودہری سکندر کو جانتے تھے ان کی آواز میں اس کو گو لگنے اور تشویش ناک حالت کا سن کر یہ بیانی ظاہر ہوئی تھی۔

”شاید سربراہیم اس گاؤں آئے ہوں، ہاں اپنی امین جی او کے سلسلے میں ضرور آئے ہوں گے

اسی لئے وہ چوہدری سکندر سے بھی واقف ہوں گے اگر ان کے یہاں کے چوہدری کے بارے میں مراسم ہوتے تو مجھے ضرور گاہ کرتے اور میری مدد کا بھی کہتے۔ ”ڈائری نے سوچا اور ساتھ ہی اس کے تصور میں کل کا کھڑا بدترین انداز لئے بھر پور سراپا در آیا۔

”خون تو واقعی بہت بہہ چکا تھا اور اپنی ہٹ دھرمی کی بناء پر اس نے ڈاکٹروں سے تعاون نہیں کیا ہو گا نہ جانے زندہ بھی ہے یا اپنی ضد اور Superior complex کی بجائیت چلے گیا۔“

اسی اثناء میں ایک بابا جی کھاتے ہوئے اپنا چپک اپ کرنے ڈائری سے کمرے میں داخل ہوئے اور ڈائری ہر سوچ و چمک کر ان کا چپک اپ کرنے میں مصروف ہو گئی۔

☆☆☆

ملک شائہ نواز اور شہینہ واقعی اپنے ڈرائیونگ روم میں اسٹے لوگوں کو پا کر حیران رہ گئے یہ کیا پلٹ آخر ہو کیسے گئی انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی اور ڈائری پہلے بار بار اینڈ کو دیکھ کر حیرت اور خوشی سے گنگ ہو کر رہ گئی۔

”شائہ نواز! تم مجھ سے چھوٹے ہو لیکن اس کے باوجود میں تم سے معافی مانگتی ہوں، مجھے کہہ لینے دو۔“ انہوں نے کچھ شائہ نواز کو کہنے سے پہلے نوکار اور گھر کو کیا ہو گئی۔

”مجھ سے واقعی بہت زیادتی ہوئی ہے جی کی تین سال قبل وفات پر تم آئے تھے میرے بچوں نے پہلی بار اپنے شہری چاچو سے تعارف حاصل کیا اور چونکہ یہ سب بھی شہر کے پڑھے ہوئے ہیں تمہاری طرح انہیں بھی شہری ہوا لگ گئی ہے لہذا ہم جاہل پنیز لوگوں کے فرسودہ خیالات کو نہیں مانتے بلکہ اپنے نظریات ہم سے

منوا لیتے ہیں اس روز سے ان سب نے بابا اور بی بی اور پھر میرے روئے کے بارے میں حاس دلائل شروع کر دیا آخر تک تک نہ میں ان کی مانقی اور ملک صاحبہ کو شروع سے ہی تمہاری طرف داری کرتے چلے آئے ہیں اسی دوران وہ سال پہلے یہ احسن کی شادی کا کارڈ لے کر آئے تھے بڑے ہان کے ساتھ تمہارا انتظار کرتے رہے مگر تم نہیں آئے اس دن ان کی چہرے کی افسردگی اور دکھ نے مجھے بہت تکلیف دی تھی اور آج جب یہ ہمارے آخری اور لاڈلے بیٹے حسین کا شادی کا کارڈ لے کر آئے تو میں نے خود کہا تھا کہ ہم سب جائیں گے میں اپنے کے کے کم سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ لوں گی اور تم سب کو منا کر ہم اپنی آنے والی خوشیوں میں ضرور شامل کر کے گے مجھ پر چھوٹ کر دیو سے باہر گاڑی میں بیٹھا کہ ہم سب کو کھلا ڈالے۔“ وہ سانس لینے لوری اور ڈائری اسے انکشافات پر بس چپ حیران کی بھیجی تھی البتہ پاس بیٹھی سادہ اور خاموش سی کرن کی جانب دوستانہ سی مسکراہٹ اسے پیش کی تھی جواب میں وہ اپنی ایسی ہی مسکراہٹ پر زبندی کی پہلی بار وہ اپنے رشتے دار اور کرزن دیکھ کر اندر سے بے حد خوش اور پر جوش تھی، آنے والوں میں اس کی تانی ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی شامل تھی، جلدی سے وہ اپنی تانی کی جانب متوجہ ہوئی جو خاموش بیٹھی اس کی ماما کے قریب آکر بیٹھ گئی تھیں۔

”شہینہ مجھے معاف کر دو اس گھر پر تمہارا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا میرا اور ابقی سب کا شائہ نواز معاف کر دو ہمیں بے جی کی روح کو معاف کر دو شائہ نواز۔“ آخر میں وہ آبدیدہ ہو گئی تھیں ماحول ایک دم سے فضا ہو گیا تھا۔

”کیسی باتیں کر رہی ہیں بھابی آپ، آپ

عمر اور رہتے ہیں مجھ سے بڑی ہیں آپ خود چل کر ہمارے گھر تک آگئی نہیں بہت ہے اسی طرح معافی مانگ کر ہمیں چھوٹا نہ کریں مجھے آپ کے ساتھ جانے پر کوئی اعتراض نہیں باقی جو ان کا فیصلہ۔“ شہینہ نے نم لہجے کے سمیت خدیجہ کے جڑے ہاتھوں کو جلدی سے تھامتے ہوئے گویا اپنا فیصلہ سنایا اور تجزیہ پیشے شوہر کی جانب دیکھا وہ بے حد صاف دل کی سادہ سی خاتون تھیں۔

”پلیز چاچا جی آپ بھی مان جائیے ہم سب بہت خوش ہوں گے اگر آپ سب رشتہیں بھلا کر ہمارے ساتھ چلیں آپ ہمارے خاندان کا حصہ ہیں اور ہم اتنے عرصے سے آپ سے بے خبر رہے جس طرح سے افضل اور فیصل چچا ہمارے ساتھ کر رہے ہیں آپ بھی ہم سے مل کر ہمارے ساتھ رہیے آپ کا بھی حق ہے اس خاندان پر ہم سب اپنے بڑوں کے روئے پر ہاتھ جوڑ کر آپ سے معافی مانگتے ہیں۔“ احسن جو ملک عام کا بڑا بیٹا تھا جلدی سے اٹھ کر شائہ نواز کے گھٹنوں کے قریب دو زانو ہو کر شہینہ بولا لکھے اور انداز سے وہ ایک پڑا حاکم انسان نظر آتا تھا شائہ نواز بھاننے کے ساتھ جھڑنے پر بھی تڑپ ہی اٹھے اور جلدی سے اس کے ہاتھ تھام کر اسے اٹھ کر اپنے گلے لگا لیا اور ان کے آنسوؤں میں انہوں کے دینے پھیلے سب دکھ دھلتے چلے گئے۔

☆☆☆

ملک سارنگ نواز گاؤں کی آدھی سے زیادہ راتیں ان کی ملکیت تھیں اور پرکھوں سے وارفت میں تھیں یہ ریزیزر نہیں انہیں عزیز بھی بہت تھیں اپنے والدین کی اطوئی اولاد تھے اور ان کے عقد والی سن کے چچا کی بڑی کم چڑھی بی بی لعل بی بی آئی تھیں وہ اسی ماحول کی پروردہ تھیں

چوہدری بن کر ملازموں پر علم چلانا گھر کے اندر باہر کا انتظام سنبھالنا انہیں عبور حاصل تھا۔ پانچ سال ہو گئے تھے ملک عالم کے علاوہ ابھی تک قدرت ان پر پھر یا نہیں ہوئی تھی ملک کی شہید خواہش تھی کہ اللہ سو ہٹا لیک بیٹا اور دے ان کے بیٹوں کی جوڑی بنا دے ایسی ہی آرزو سارنگ نواز کی ماں کی بھی تھی اب تو بخت بیروں فقیروں سے تعویذ لینے لگ گئی تھی۔

لیکن قدرت کیا اسے فیصلے تعویذ کنڈوں کے مان پر بدلتی ہے جولوہ قلم سے لکھا گیا سونک گیا اصرار بدلتی زور و شور سے مزاروں پر پھین چڑھانے، باباؤں سے تعویذ لے کر نذرانے چڑھانے پر مشغول تھیں ابھر ملک سارنگ نواز کو ایک شادی میں اپنی دور کی غریب رشتہ داروں کی لڑکی کوڑا سن قدر بھائی کہ انہوں نے اسے اپنی زوجہ بنانے کا مقصد ارادہ کر لیا ان کے فیصلے پر ایک طوفان سا اٹھا، خوب شور مچا لیکن کوڑا کا دل کا یوں اسے ہاتھ کیا کہ وہ طوفان سے ٹکراتے چلے گئے کوڑا جو تین مسکین تھی اور اپنے چچا کے کنڈوں پر پہلی گئی وہی چچی کے قلم و دستم تھی جوانی کی رانی پر آن بیٹھی کی قدرت نے اس کی قسمت بدل ڈالی اور وہ آخر کار چھوٹی ملکائی بن کر ملکوں کی حویلی میں آن بسی، نرس بی بی کو سونک کا دکھ سہنا پڑا اس خوبصورت سارہ نے اس کا چوہدری اپنی تھی میں کر لیا تھا یہ بات ناقابل برداشت تھی انہیں اس کا قابل معافی بھی تھی۔

کوڑے حد ڈر پوک، بزدل اور بھی ہوئی سی لڑکی تھی اس کے چچا نے دولت کے لالچ میں شادی شدہ چوہدری سے اس کا نکاح اس کی مرضی پوچھے بغیر کر دیا اور وہ اپنے حق کے لئے ایک لفظ تک نہ بول پائی چوہدری کی حویلی میں آخر بھی

اس کی حیثیت تقریباً وہی رہی جو بچپن کے گھر تھی بڑی لمبائی اس سے اس کے جینے کا حق تک چھین لینا چاہتی تھی ملک صاحب زیادہ تر زمینوں کے معاملات میں باہر دیر سے ہی رہتے تھے بس انہیں کا دو گھر کی کام تھا جو اسے حویلی میں ایک بسترین اور کتر زندگی گزارنے سے بچا گیا تھا مگر ملک کا ہر چیز پر قبضہ چلنے پھرتے ہٹنے کوئے شر بارگاہیں شاہراہ چلیں چل کرب میں کتر اور برائے رکھنا ان سب باتوں نے اسے اپنے کمرے تک محدود ہونے پر مجبور کر دیا تھا وہ پائندہ سلاسل کی اور اپنی آزادی کے حق میں کوئی لڑائی لڑنے کو تیار نہ تھا اس کے بکوں کی خاموشی جو ملک کے آنے پر بھی نہ ٹوٹتی تھی اسے اس کے اصل حق سے بھی محروم کر چکی تھی اگر وہ بڑی ملک تھی تو وہ چھوٹی ملک تھی مگر سب سے خیالات کی بناء پر وہ اس سوچ کو اپنا ہی نہ دیکھی تھی ملک اس خوبصورت شو بین کو اپنی زندگی کا کوئی ایک کوئے بخش کر مطمئن ہو چکا تھا جس چابک دستی اور مہارت سے بڑی ملک کی حویلی کی روایات اور امور سنبھالے ہوئے تھیں وہ کوثر کے بس کی بات ہی نہ تھا یہ خود ملک سارگ کا خیال تھا یہ سوئے بغیر کہ وہ جب کوثر کو اس کی اصل حیثیت کے مطابق صلاحیت آواز دے گا کہ ایک بھی سوچ نہیں دیا گیا تھا تو وہ بے چاری کس طرح اپنی صلاحیت اور حیثیت منوائے۔

شادی کے ایک سال بعد ملک شاہنواز کوثر کی گود میں تھا بڑی ملک کو قدرت نے حسد کی ایک اور آگ میں جھلنے کے لئے چھوڑ دیا تھا وہ جواہر بننے کی جڑ کی ملائے کی تک دور کوثر کی پھر رہی تھیں جوڑی بنی تو سون کی کوکھ سے جنم لینے والے لڑکے کی وجہ سے؟ شروع دن سے ہی انہیں شاہنواز سے ہیر اور نفرت تھی جو آخری دم تک رہی۔

ملک عالم کو اپنا گھلو سا خوبصورت بھائی بہت بھایا اس کی تنہائی دور ہو گئی تھی ماں کے منع کرنے کے باوجود چھوٹی ماں کے کمرے میں جا کر شاہو سے ٹھیکے لگا کر اس کی فلقا یاں اسے بہت بھائی تھیں۔

چھوٹی ملک کی اس کا خاموش دکھن کی طرح چاہ گیا شاہنواز جو ابھی محض پانچ سال کا تھا اس کی ممتا سے محروم ہو گیا موت نے کوثر کو ملکوں کی حویلی سے رہائی دلا دی تھی جو ملک ملک کی کوثر کے ساتھ روا رہا وہی شاہنواز کے ساتھ حافری اتنا تھا کہ ملک کی کوہیت کم ان کے چلاپے کی آگ کی پیش محسوس ہو پانی تھی اس کے بعد بے در پے قدرت نے بڑی ملک کی گود میں فیصل، رقیہ اور افضل کا اضافہ کیا تھا انہیں اپنے بچوں کے درمیان خاموش، معصوم ساسون کا بیٹا کیونکر نظر آتا شاہنواز بے حد حساس طبیعت کا مالک تھا سوائے باؤ جی کے اور بھائی عالم کے اسے حویلی میں سے کسی فرد سے محبت تو نہیں مل پائی تھی وہ وقت سے بہت پہلے بڑا ہو گیا تھی ملک نے اپنی دنیا نکالیں میں ڈھونڈ کر بھی اس کا سارگ کوثر کی اولاد میں کوئی بھی اتنا ذہین اور لائق نہیں لگتا تھا بنتا شاہنواز اور یوں وقت کی نرم گرم سہتا شاہنواز یونیورسٹی تک جا پہنچا اور اپنی ذہانت کے باعث فاضل انجینئر دیتے ہی اسے یونیورسٹی کی جانب سے لیچرار کی جاب آکر ہو گئی تھی جو اس نے بغیر کسی پس و پیش کی قبول کر لی تھی وہ شروع سے ہی کالج ہوٹل میں رہا تھا شہر اس کے لیے گاؤں میں موجود لوگوں کے رخ رویوں سے بچنے کے لئے پناہ گاہ ثابت ہوا تھا ملک عالم کی شادی اس کے ماموں کی بیٹی خدیجہ سے انجام پائی تھی اور خدیجہ اپنی چھپو کا پر کوٹھی اور پھر ملک کی اور خدیجہ کو اپنی ملن اپنا حسد

لانے کا واضح اور سنہرا موقع شاہنواز کا ایک غریب خاندان کی لڑکی سے شادی کرنے کی خواہش پر خوب ہار لگا جس نے ملک سارگ کی آنکھوں پر بھی بی ہاندہ ہی دی اپنے روایات اپنے اعلیٰ نسب کے خلاف وہ ہرگز نہیں جاسکتے تھے انہوں نے تو دوسری شادی اپنے ہی خاندان کی لڑکی سے کی تھی چاہے وہ خاندان مالی حیثیت میں ان سے کتر تھا لیکن ان کے لئے ان کے شہلہ جھکا دیا تھا لوگ کیا کہیں گے ملک کی دوسری بہونا صرف غریب اور غیر خاندان سے تعلق رکھتی بلکہ ذات میں بھی ان سے بے حد کتر تھی۔

شمینہ، شاہنواز کی یونیورسٹی فیلوگی اور ان کی معصوم اور پاکیزہ محبت ان دنوں سالوں میں بڑھ کر جوان ہوئی تھی شمینہ سے مل کر شاہنواز کو لگا تھا اس کا ادھورا وجود مل ہو گیا ہے یہ وہ ہستی ہے جو اس کی شخصیت کو مکمل کر ڈالے گی وہ بھلا اپنے وجود کے آدھے سے کیونکر دست بردار ہو جاتے جب کہ دوسری جانب خدیجہ اپنی پڑ بھان بزمزاع اور عاشق سے چوٹ کھا چکی تھی کوثر کو شاہنواز کے لیے ہاندہ سے منع ہونے سے بے محبت تھی بلکہ شاہنواز سے پوچھتے بغیر کسی تک کر ڈالی گئی تھی اور ملک سارگ کو اپنے صلح جو خاموش بیٹے پر اتنا مان تھا کہ انہوں نے اس سے پوچھنے کی کبھی زحمت کو ارا نہ کی تھی وہ تو جب شاہنواز اس خوشخبری کے ساتھ گاؤں آیا کہ اسے یونیورسٹی میں لیچرار کی جاب مل گئی ہے گاؤں کے زمین دار باپ کو یہ معمولی سی نوکری کچھ خاص بھائی نہ تھی اب ملکوں کا بیٹا دوسروں کی نوکری کرنے کا اس آگے اس کی سوچ جاتی نہ سکتی تھی لیکن جو خوشخبری جواب میں اس کے باپ نے سنائی وہ شاہنواز کے بہروں سے زمین ٹکا لے کر کوثر کی تھی ان کے لئے باپ کی بات ماننا ہر ممکن نہ تھا

کسی کے سے وعدے انہیں بکڑے ہوئے تھے یہ سچ ہے کہ شمینہ کے خاندان کا پیڑگانا بھانا تھا خود شمینہ کے والد بہت اچھے طلبہ نواز تھے اچھی محفلوں میں انہیں طلبہ بنانے کے لئے بلایا جاتا تھا شمینہ ان کی اگلی اولاد بھی اور بیوی کے مرنے کے بعد انہوں نے بہت پیار سے پالا تھا شمینہ کا تعلیم حاصل کرنے کا شوق اور لکھن انہوں نے لکھن کی آمدنی میں زیادہ پریمی لکھی تھی انہیں اس پر بہت فخر تھا اس لیے انہیں بچوں کو پانا بھانا جاتے ہیں جیسے وہ خود ہیں بن پاتے مگر ان کی تعلیم کے بعد ان کے خاندان میں کوئی ایسا لڑکا ان کی شمینہ کے لائق نہ تھا جو ان کے بھدرارہ لائق فائق بنی کو بیاہ کر لے جاتا اور معاشرہ انہیں بھرائی کا غم نہ لگا کر جو ان کے ساتھ سلوک روا رکھے ہوئے تھا انہیں اس کا بخوبی احساس تھا انہیں سوچوں نے انہیں شدید پیار کر ڈالا تھا دل اتنا بوجھ سہہ نہ پایا تھا اور انہیں بارش ایک ہو گیا تھا، پھٹاں لگی تھی شاہنواز نے ان کی خدمت لینے کی طرح کی تھی انہوں نے اس کی آنکھوں میں اپنی بیٹی کے لئے محبت کے رنگ احرام پہلی نظر میں ہی پڑھ لئے تھے یہاری سے گھبرا کر انہوں نے خود شاہنواز کی بات کی تھی اور شاہنواز کا ان کی بیٹی کے لئے ساری خوشیاں خرید کر لانے کا وعدہ اس قدر بھایا تھا کہ باضابطہ طور پر انہوں نے شاہنواز اور شمینہ کے رشتے کی بات بکلی کر دی تھی باقی کی کاروائی شاہنواز کے والدین کا گاؤں سے آکر رکی رشتہ مانگنا بجا تھا مگر گاؤں آکر شاہنواز کو اور یہ صورت حال کا سامنا تھا خدیجہ اور ملک مستقل شاہنواز کے اقدام پر ملک کو بکڑا گئے کا کام سراسیمہ دے رہی تھیں اور شاہنواز جو ایک مرد کا وعدہ کی سے کر کے آئے تھے باپ کی محبت سے سمجھانے اور آخر

میں جلال میں آنے سے بھی ایک اچانچ اپنی جگہ سے نہ ہلا تھا تو پھر شادی طبیعت کے مالک سارنگ نواز کو وہی فیصلہ کرنا پڑا تھا جو اس کے خاندان کی ناموس کے لئے بے حد ضروری تھا انہوں نے بیٹے کو عاق کر کے اپنے خاندان کو لوگوں کی تھوڑے سے بجایا تھا ملک عالم نے دیے لفظوں میں باپ کو سمجھانا چاہا تھا مگر وہ اس قدر بھڑکے ہوئے تھے جس مان سے وہ بیٹے کی مٹنی کر کے آئے تھے اب ان لوگوں کو کیا جواب دیتے کہ ان کا بیٹا ایک میراث کو ان پر فوقیت دے رہا ہے حالانکہ شاہ نواز باپ سمجھتا تھا کہ شہینہ کا اس کے خاندانی بیٹے سے کوئی تعلق نہیں وہ تو پرچی بھی نہایت بھی لڑکی ہے مگر ملک سارنگ نواز کچھ بھی سمجھتے کو تیار نہ تھے اور ملکائی جی کا کوڑ کے خلاف اتفاق اس دن پورا ہو گیا تھا جس دن ملک کا عاق شدہ بیٹا سر جھکے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کی حویلی اور ان کے گاؤں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

شہینہ کے والد نے شاہ نواز کو صرف اپنی بیٹی کا ہاتھ تھا دیا تھا بلکہ اپنا جگہ بھی شاہ نواز کے نام کر ڈالا تھا شاہ نواز کو شہینہ سے اس قدر محبت اور توجہ ملی کہ واقعی بیٹے کے لئے کراہ تک کی تمام حسرتیں ان کی دور ہو گئیں گو باوجی کی اور بھائی عالم کی یادیں ستانی تھیں مگر اپنے آئین کا کھنکھ اور جین دیکھ کر یاد دہلی کی کسک بن کر رہ جاتی تھی ڈائریہ کی پیدائش کے بعد ان کی زندگی مکمل ہو گئی تھی آکٹا سونے ناپ گریڈ حاصل کر کے والے شاہ نواز کو ایک بیٹی میں بہت اچھے عہدے کی آفر ہوئی تھی اس بیٹی میں ان کے ایک سٹوڈنٹ کے والد بہت اچھے عہدے پر فائز تھے ایک تقریب میں شاہ نواز سے ملاقات ہوئی ان کی باتوں اور ذہانت سے بے حد متاثر ہوئے ان کی بیٹی کو

ایسے ہی ذہین اور وفادار لوگوں کی ضرورت تھی اسی وقت ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھی سیکری پر انہیں جاب کی آفر کر کے شاہ نواز کو حیران کر ڈالا اور انہوں نے بخوشی اس آفر کو قبول کر لیا، وقت کا کام مفید ہو گئے اس کے نام پر پندرہ سو روپے ملے پانچ سو روپے تھے اس کے پاس چھ روپے روٹا چلا جاتا ہے یہ ایک گھر دیکھنے کا اس کے پاس وقت کہاں ماسی بہت پیچھے رہ گیا تھا باوجی کی وفات پر دہری شاہ نواز، شہینہ کے ساتھ ایک باپ پر حویلی گئے تھے تب ڈائریہ کی عمر پانچ سال کی تھی لیکن وہاں پر خدیجہ سب بانی سب نے جس طرح شہینہ کو غلط فہم کرنا شروع کیا تھا شاہ نواز بھتیجی اس بات کو بھول نہیں پائے تھے خود بخود یگانہ کی بھی شاہ نواز کم کر ڈیل نہیں کیا تھا اس دن انہوں نے قسم کھائی تھی کہ ان سوتیلیوں شہینہ کے نفرت انگیز رویوں سے وہ اپنی بیوی اور بیٹی کو ہمیشہ محفوظ رکھے گے بھی انہوں نے اپنا ہر واسطہ اور تعلق حویلی والوں سے توڑ ڈالا تھا مگر بھی اچھے علاقے میں خرید لیا تھا اور گاؤں میں سے کسی کو شاہ نواز کے گھر کا کوئی اندر نہیں تھا، لیکن ملک عالم اپنے بھائی کو شاید بھول نہیں پائے تھے اور شہر میں ان کے کام کے سلسلے میں آتے جاتے انہوں نے شاہ نواز کو بڑی مشکل سے ڈھونڈ نکالا تھا، لیکن ان کے بے حد متانے اور اصرار پر بھی شاہ نواز نے اپنی قسم توڑ دی تھی ان دنوں ڈائریہ میڈیکل کے فوٹھ ایرے کے فاضل ایکٹرم کی تیاری میں بری طرح سے مصروف تھی ویسے بھی میڈیکل کی صفت پڑھانی میں وہ اپنے ارد گرد کے بھالوں سے اکثر بے خبر ہی رہتی تھی حتیٰ کہ تین سال قبل سے بھی وفات ہونے کی اطلاع پر بھی شاہ نواز حویلی نہ گئے عالم بھائی ناکام ہی لوٹ گئے پھر وہ اپنے بڑے بیٹے حسن کی شادی کا کارڈ لے کر آئے اور

ہی میں بھائی کی راہ دیکھتے رہے مگر انہیں نہ آتا اور وہ نہ آئے آج تیسری بار آخر کار وہ بھائی کا ہوس کر کے رہے تھے شاہ نواز کو اب اطمینان تھا کہ اپنی جو پندرہ دن کی ٹریک پر انہیں جاپان میں رہی ہے آرام سے جا سکیں گے اور شہینہ اور شہینہ اطمینان سے اپنے تباہ کے پاس جا کر حویلی لکھن آئیڈ کر کے گی اور خربہ بجوائے کرے

کچھ پر قبل انہوں نے شہینہ کے ہاتھ خط رقم کی تھی کہ بازار جا کر وہ لوگ نہ صرف اپنی اپنی کے فکشن کے لئے لحاظ سے کچھ کچھ کر بلکہ سب کے لئے کچھ خنڈ خنڈ بھی گاؤں لے کر جائے اور شہینہ ڈائریہ کے کمرے سے بھی لے آئی ہیں اور ساتھ ہی انہوں نے ڈائریہ کو حقیقت سے روشناس کرایا تھا ڈائریہ اپنے بابا ساری کہانی سکرغم آنکھوں سے اپنی ماں کے لاک کی تھی اسے اپنے والدین پر فخر اور پیار ت سے آیا تھا اور اس کے ساتھ ہی وہ یہ سوچ رہے تھے کہ جوش اور خوشی کی چند دنوں بعد وہ بابا کے گاؤں میں ان کی حویلی سب کے ہاں موجود ہوگی بابا نے ہمیشہ صبح جو روپے اپنا یا یہ بخولی انہیں اپنی بے ضرر کم گماں سے ت سے کچھ بھی اور اسی لئے مہما کی خاطر انہوں نے صبح کچھ خاموشی سے چھوڑ دیا تھا خواہ اس کی بھی اپنی پوری زندگی صرف اور صرف نواز اور ڈائریہ کے لئے مختص کر دی تھی ان کا اپنے رشتے داروں سے کوئی تعلق نہیں تھا بلکہ ان کے خود ہیں رکھا تھا ان کی سوچ اور رہنمائی ان کے خاندان سے نہیں ملتا تھا اور وہ بھی کم تعلیم یافتہ ہیں پیٹے پیچھے سے اپنے پیٹے ملک تھے انہیں اپنی ذات اور خاندانی پیٹے لوگوں کی قسم کی شرمندگی تھی جس ان کی ان

لوگوں کے ساتھ دینی ہم آہنگی نہ ہونے کے برابر تھی اس وجہ سے ڈائریہ کو تمام عمر حسرت رہی کہ اس کا تھنیاں اور دھنیاں وہ جہاں وہ جا کر کچھ دنوں کے لئے رہنے چاہا کرے اور آج اس کی یہ خواہش پوری ہو رہی تھی وہ بے حد خوش تھی ویسے بھی دو دن قبل ہی اس کی باؤس جاب مکمل ہوئی تھی اب اسے اپنے پیلا زینٹن کے لئے باہر جانا تھا یہ اس کے بابا کا وعدہ تھا جس کے لئے وہ کب سے پیٹے جمع کر رہے تھے لہذا وہ بالکل فارغ تھی گاؤں جا کر انجوائے کرنے کے لئے۔

☆☆☆

رات دیر تک جاگنے کے باعث ڈائریہ کے وجود پر عجیب سی کٹی چھائی ہوئی تھی یہاں پر رہتا اسے بہت مشکل نظر آ رہا تھا شہری ہجڑے شمار پر سکون بلکہ بیزار کن ست خاموش سا ماحول ڈائریہ کو ایڈجسٹ ہونے میں کافی وقت درپیش تھی، جلد ہی سکولوں سے آراستہ اپنا آرام دہ بیڈ روم اسے بھی بہت یاد آتا تھا۔

”پیارے باجی پلیز ایک اور کپ چائے بنا دیں۔“ ڈائریہ نے کرسی پر بیٹھ اپنی بھائی کو دیکھتے ہوئے پتھر کو مخاطب کیا تو جو اس کے ذاتی کمرے کی صفائی میں مصروف تھی۔

”اچھا جی ابھی بنا دیتی ہوں پر ڈاکٹر جی یہ تیسرا کپ ہے جو آپ خالی خالی پیٹ پی رہی ہیں خالی پیٹ چائے پینا اچھا نہیں جی اور ویسے بھی آپ اپنے کھانے کا کاشاں نہیں کھیں آگے جی آپ ٹازک جی ہیں کھایا یا کرے جی ناشتہ بنا لاؤں ساتھ میں۔“ پیو ہاتھ میں جھاڑ پونچھ کا کپڑا پکڑے برآمدے میں ڈائریہ کے قریب چلی آئی۔

”نہیں بس تم چائے بنا دو میرا پیرا کچھ بھی کھانے کا کوئی موڈ نہیں۔“ ڈائریہ نے غمی میں سر

ہلاتے ہوئے جواب دیا پھر اپنی صیحت کے یوں ضائع جانے پر منہ بانی چائے بنانے چل پڑی۔
 ڈائریہ کو یوں محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ یور
 سی پٹیاں گزرارہے ہیں۔ یہاں پر آتی ہوئی ہاؤس
 چاب کے دوران انہیں سرسجھانے کی فرصت میسر
 نہیں آتی تھی مریضوں کا مانتا بندھا رہتا تھا
 ہسپتال بھی تو شہر کے وسط میں تھا اور گدے سے کافی
 تعداد میں لوگ آتے چلتے رہتے تھے ہسپتال
 میں سارا دن خوب گہما گہما لگی رہتی تھی اور اسی
 ہسپتال میں ایک دن کو تو وہ بھلا بھی نہیں نکلتی تھی
 دن تو اس کے دماغ میں ایک تکلیف دہ احساس
 اور یاد کے طور پر چپک کر رہ گیا تھا ڈائریہ کی
 خوبصورت آنکھوں میں پانی بڑی تیزی سے اکٹھا
 ہونے لگا تھا جسے ٹپکیں چمپ کر وہ اندر ہی اندر
 اتارنے لگی تھی وہ چوکی میں موجود کسی خود کو کمزور
 ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی چوچنے ایک دو بار اس
 کے گھر کے متعلق اور ذاتی نوعیت کے سوال
 کرنے سے چاہے تھے لیکن جب ڈائریہ نے دو تین
 جملوں میں اپنی رکوس سے بھری داستان سہیت
 کرنا دی تو چوچر کے پاس مزید کچھ پاچھنے کو بچا چاہی
 نہ تھا اب البتہ اس دن کے بعد فضلہ اور چوچر کے
 دلوں میں اس خاموش دگنی اور بے خبری کی پیاری
 لڑکی کے لئے خاص بھردری کے جذبات پیدا ہو
 گئے تھے وہ اب اس کا پہلے سے زیادہ خیال رکھنے
 لگے تھے چوکی کی اندرونی خواہش تھی کہ وہ کاش وہ
 ڈائریہ کو گاؤں میں بنے اپنے گھر میں لے جا کر
 رکھ لیتی لیکن ایک کمرے کا بنا چھوٹا سا گھر ان کے
 اپنے لئے نا کافی تھا ڈائریہ کی کہاں رہتی بارش
 میں تو کمرے کی پوری چھت چھائی بن جاتی تھی
 واش روم کی سہولت بھی موجود نہ تھی بھلا ڈائریہ
 وہاں کیسے رہ سکتی تھی چوچر کا بھی زیادہ تر وقت یہیں
 ہی بیٹھ ستر میں ہی گزارتا تھا گھر تو بس وہ کسی کام

کے سلسلے میں دن میں ایک آدھ بار پچکر
 کرتی تھی اس پر ڈوس کی عورتیں چوچر سے ڈائریہ
 ڈائریہ کے متعلق باتیں سننے کو انکھی ہو جاتی تھیں
 اور چوچر کی بہت زیادہ تعریف کرنے کے سبب
 لوگ اپنی پیاری لے کر ڈائریہ کے پاس
 آنے کی تھیں خاص طور پر چوچر کی طرف سے
 گاہنیں سن کر کہ یہ ڈائریہ واقعی ان لوگوں
 خدمت کرنے کے خیال سے آئی ہے اپنے چچا
 نہیں کرانے کی اور سہیں رہے گی یہ سچے سچے
 چوچر کی ڈائریہ کے دل میں جھانک کر دیکھتی تھی
 یہ گارٹی بندیتی۔
 ”بائی تمہارے کتنے بچے ہیں؟“ چاہے
 کپ چکرتے ڈائریہ نے بچی اپنا دھیان ہٹا
 کے لئے چوچر سے پوچھ ڈالا اپنی موجودہ زندگی
 انجمنوں اور خوف میں گھر کر وہ اندر گدے کا
 حد تک بے نیاز ہو چکی تھی ورنہ یہ سوال تو اسے
 سے بہت پہلے کر لیتا چاہیے تھا۔
 ”اس معاملے میں مجھے رپ سوسنے
 پہلے ناشری اور بعد میں بوا شکر گزار بنانا
 پڑی۔“ چوچر چھٹ براؤم کے میز جیوں میں
 ہوتی ہوئی کہی۔
 ”کیا مطلب؟“ چوچر کا قلندر ڈائریہ کے
 پرے گزر گیا تھا اور اس نے استغناء سے لکھے میں
 سے استغناء کیا۔
 ”شادی کے پانچ سال تک میری
 اولاد نہیں ہوئی تھی اللہ بخشے میری ساس نے
 حرام کر ڈالا تھا میرا شتے بیٹھے اپنے اکلوتے
 فضلہ کے آگے میرے ہاتھ پین کا روٹا روٹی
 تھی فضلہ کی دوسری شادی کرانے کی دھمکی
 رہتی تھی جب میں اپنے رپ سوسنے کے
 بڑے شکر سے کرنی ہوئے گلے کرنی سب کو
 بے بھجمنائی کو دے گا تو کون سے اس

بڑے سسرال کا رول انہیں سر پر ساس نہیں
 اپنی سیکندہ بوی خوش ہے اختر کے ساتھ اب تو خیر
 سے دو بے جی کو بے آپ سے ملوانے اور چپک
 اپ کرانے لاؤں گی میں کسی دن اللہ خیر سے اس
 کا وقت تو ڈچڑ چڑھائے اور چاند سے پتر کا مندر چمنا
 نصیب کرے دو بے چوہدری نے سیکندہ کی شادی
 کرانی تھی جتنی بھی انہوں نے اپنی طرف سے دیا
 تھا بات کا کھانا بھی، پتر سکندر نے بھائی بن کر
 رخصت کیا تو کھانے کو۔“ چوچر نے مزید تفصیل سے
 خبر پر انداز میں آگاہ کیا۔
 ”کیوں؟“ سکندر کا ذکر سن کر ڈائریہ کا منہ
 کڑوا ہو گیا ادھر سے دار چائے یکدم بدھو لگنے
 لگی تھی کپ فرش پر رکتے ہوئے بے ساختہ اس
 کے منہ سے نکل گیا۔
 ”یہ چوہدری ٹائپ کے فرعونی لوگ کب
 اتنے مہربان اور نرم دل ہو گئے۔“ بائی کا جملہ اس
 نے دل میں ادا کیا۔
 ”فضلہ چوہدری جی کی حوٹلی میں کام کرتا رہا
 ہے جی چوہدری سکندر کو اس کے بچپن میں بڑا
 کھلایا ہے جی اور سکندر پتر نے فضلہ سے ہی
 پرندوں کا شکار کرنا سیکھا تھا جی، فضلہ بڑا ماہر
 گھلاڑی تھا ڈرتے ہوئے کو مارا کرتا تھا اساتذہ
 ماستے ہے چوہدری سکندر فضلہ کو اپنا۔“ چوچر کا
 دلچپ موضوع چمچ چکا تھا اور اس کی زبان نا
 شاپ چلنے کو تیار ہو چکی تھی جبکہ چوہدریوں کا ذکر
 آنے سے ڈائریہ کی تمام دلچسپی اس فضلہ میں سے
 نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔
 ”تو پھر نکال کیوں دیا اس کام سے؟“
 ڈائریہ نے جیسے لکھے میں پوچھا یہ لوگ تو فدا دار
 ملازموں کی ندر تک نہیں کرتے ڈائریہ کو کسی کی
 کہی بات یاد آتی تھی۔
 ”کون سے کام سے جی؟“ چوچر کو سمجھ نہ

”جیسی اپنی حوصلی سے چوہدریوں نے فضل کو کیوں نکال دیا۔“ ڈائری نے اکتانے ہوئے لپٹے میں پوچھا، یقیناً چوہدری سکندر کی اپنا پسند طبیعت کو بات نہ ناقص برداشت کی ہوگی ان کا ایک ادنیٰ سے ملازم اس سے کہیں گنا بہتر شکاری ہے وہ تو ایسے بھی احساس برتری کا کارہوا شخص ہے ڈائری نے سوچا۔

”میں جی نوکری سے نہیں نکالا جب یہ ہیلتھ سینٹر بنا تو اسے اعداد کے آدمی کو چوہدری صاحب نے رکھوا یا تو کرداروں وغیرہ کی چوہدری بندہ اور پھر فضلوانے وقت کا ٹٹل پاس تھا جی کیپڑی کا بھی کور کر رکھا تھا اس سے بہتر اس نوکری کے ہے کوئی اور بندہ ہو نہیں سکتا تھا اس لئے۔“ چوہدری نے جلدی سے تردید کرتے ہوئے جواب دیا۔

”ہاں یہ بڑے لوگ کوئی بھی قدم اپنے فائدے کے علاوہ اٹھاتے نہیں اس کرے کی بھی صفائی کر دوسری اش آنا شروع ہو جائیں گے کچھ ہی دیر میں۔“ ڈائری نے چوہدری کو اٹھانے کے لئے پشت پر موجود کرے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا اور اس کی وقت فضلوانے دی گئی سے اندر داخل ہوا چوہدری جانی مڑائی اور بے تابی سے آگے بڑھ کر بولی۔

”کیا خیر ہے فضلوانے؟“ فضلوجو سویرے ڈائری کو بتا کر نکلا تھا کہ وہ درگا گلوں جا رہا ہے جلدی واپس آ جائے گا ڈائری کو بھلا گیا اعتراض ہو سکتا تھا چوہدری نے جوابی دیکھ کر ڈائری یہ بھی فضلوانے جواب متوجہ ہوئی۔

”اوہ سانس تو لے اور مجھے بھی لینے دے حوصلی سے پھیل آ رہا ہوں۔“ فضلوجو پتھر پر آئے نہ یہ تو ممکن نہیں تھا ان کی آپس کی نوک جھوک ہی

ان کی محنت کا اظہار تھی۔

”ہاں تو حوصلی شہر میں ہے ناں جو سانس چھ گیا ہے دن میں نہ جانے پھیرے تو حوصلی اور کھر کے لگتا رہتا تھا۔“ ڈائری نے چوہدری صورت کو دیکھ کر دیکھنے نزلے گئے یہاں کر کے آیا ہوں اور دس منٹ بعد پھر تو ہوا گا تھا۔“ چوہدری نے پہلی بات چیتے اور دوسری بات شرماتے ہوئے ادنیٰ ڈائری کے کیوں پر لپٹی مسکراہٹ رکھ گئی۔

”اوہ معمولی لوگ اس وقت میں چوان اب پڑھا ہوگا ہوں اور تو بھی تو دیکھیں نہیں جس کے لئے بھاگا بھاگا آؤں سڑی ہوئی دل ہی جلانا ہے۔“ فضلوجو چلے کر ڈائری سے ساختہ میں پڑی تھی اور اب اسے یقین تھا دونوں جانب سے خوب حملوں کی گولہ شروع ہو جائے گی لہذا اس نے اٹھ کر اس کرے میں جانے کا سوچا۔

”سیری ان فالو ہاتوں کا جواب میں دے لوں گی پہلے جو میں نے پوچھا۔“

”رب سوہنے نے بوا کریم کے منہ سے لے کر آئے ہیں جاتے جاتے بھیرا بتا رہا تھا اسی لئے کیا تھا بڑا پلا زرد ہو گیا ہے کمزور گیا ہے بھیرا بتا رہا تھا کہ خون کی دو بوتلیں ڈاکٹر تو ابھی بھی فارغ نہیں کر رہے تھے

دعہ بڑا گہرا ہے پردہ کسی کی منتا کب ہے پردہ نہیں جس ایک ہی بھوت سوار ہے کہ ڈھونڈ کر مہرے تاک سزا دیتی ہے، بڑی سے خفا کر کے آیا ہوں پرچہ بھی نہیں لوئیں کے آگے جھوٹ بول دیا کہ ڈاکٹر کے دوران غلطی سے دوست کا فائز گئے ہے پولیس کے ہتھے وہ اسے چڑھنے نہیں

لو تیش کر کے خود سزا دے گا بوا ہی غصیلہ ہے اس کی نہیں باز آئے گا پتہ ہے مجھے۔“

فضلو یقیناً چوہدری سکندر کی بات کر رہا تھا ڈائری کو باخوبی اندازہ ہو گیا تھا اور پتہ بڑے اٹھاک سے فضلوانے بات سن رہی تھی۔

”نہ تو ڈے چوہدری کو اطلاع ہوگئی ہے کہ نہیں۔“ چوہدری نے پوچھا۔

”آج ہی ہوئی ہے سکندر نے منع کر دیا تھا کہ یہ خبر انہیں نہیں دینی وہ تو جب صبح تازہ دم کے ساتھ ریواریو نکال کر نکلے لگا تو بھیرے نے چوہدری کو فون کر دیا اس بھیرے شیر کو ان کے علاوہ کوئی روک بھی تو نہیں سکتا میں وہیں پر تھا بڑی مشکل سے انہوں نے فون پر سمجھا اور وعدہ کیا کہ ان کے آئے تک وہ حوصلی سے نہیں نکلے گا آج شام تک آجائیں گے۔“

”جالی آدمی!“ ڈائری نے دل میں سکندر کو خطاب دیا۔

”ڈاکٹر صاحبہ میں یہی بتانے آیا تھا کہ جی آج مجھے جو حوصلی میں رکنا پڑے گا ڈوے چوہدری کی کا حکم ہے فون پر کہا تھا جو انہوں نے مجھے سے آپ کے پاس پر دین رے گی اور رات کو پر دیکھاری کے لئے بھیرا آجائے گا۔“ فضلوانے باری بات سناتے ہوئے ڈائری کو بتایا۔

”مگر کیوں؟“ ڈائری نے حیران ہوئی۔

”وہ جی بتایا ناں کہ چوہدری سکندر مجھے میں ایک گا گولہ بنا ہوا ہے کسی کی نہیں ستانہ رہا ہے مجھے میں، چوہدری جی نے کہا کہ میں وہیں پر رہ کر اس کو لایا دیا کرنے سے ردگوں وہ آجائیں گے خود ہی سب سنبھال لے گئے بس جی ٹھوڑی بہت میری ماں لینے سے شام تک سمجھا کر غصہ لگنا رکھتا ہے جی اس کا ورنہ یہ نورے کوئیں لگوانے گا۔“ فضلوانے وضاحت دی۔

”ہاں آئے یہ اس کہ بخت کا کام ہے مرنا جو گجرات کیسے کر بٹھا۔“ چوہدری نے بولی۔

”بس گندری شامت جو آئی تھی چپا بیٹھا ہے اسی کے کہ جس نے گولی مارنے کا کہا تھا اور چوہدری سکندر اکیلا ہی جا رہا تھا صبح ان کے ڈیرے پر کہ نورے کو بھی لکھے گا اور نورے کے پیچھے چوہدری دلاور کو بھی چوہدری دلاور کا ایک بندہ جو اصل میں چوہدری سکندر کا بندہ ہے اس نے جی صبح صبح آ کر ساری بھری دی ہے نورے کا ٹھکانہ بھی اسی ہے بتایا ہے میں جا رہا ہوں بس یہی بتانے آیا تھا اور تو نہیں رہنا ڈاکٹر صاحبہ کو اکیلا چھوڑ کر ادھر ادھر چڑھنے میں نہ سیریں کرتی پھرنا۔“ فضلوجو بڑا آمدنی سے سڑیوں میں بیٹھا ہوا تھا یا صاف اٹھاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

”دفعہ در پندر بڑی سیر سائے کی جگہ ہے زیادہ سانا نہ بنا کر پتہ ہے مجھے ڈاکٹر صاحبہ کو اکیلا نہیں چھوڑنا تو جا کر گئی چوہدری سکندر کا خیال اور اس کا تجھ سے نہ سنبھلے تو ڈے چوہدری کو فون کر دینا بلکہ تو ایسا کر کے نیند والی دوائی دے دے اسے ڈوے چوہدری کے آئے تک سوتا رہے گا اس وقت غصہ چڑھا ہوا ہے اس کے دماغ کو کم لوگوں کے قابو میں آئے والا۔“ چوہدری نے تاک چڑھاتے نصیحت کی۔

”اوہ بات تو، تو نے پتہ کی کی ہے کیوں ڈاکٹر صاحبہ دے دوں جی میں ان کو نیند والی کوئی۔“ فضلوانے مڑ کر پوچھا۔

”ہاں دے دو لیکن مقدار زیادہ نہ ہو بلکہ خواب آور دوا کا انکشن لگا دینا اس سے اس کے اعصاب بھی پرسکون رہیں گے۔“ ڈائری نے جواب دیا۔

”میں جس وہ انکشن نہیں لگوانے گا سمجھ جائے گا بات کو۔“ فضلوانے لٹی میں سر ملاتے

ہوئے کہا۔

”اوکے تو پھر دوسرے کمرے میں گلابی رنگ کے پتے والی گولیاں رکھی ہیں الماری کے نیچے والے خانے وہ لے جاؤ ایک گولی دودھ میں گھول کر دے دینا پتے بے تان نہیں کھولیں ٹیبلٹس ہیں۔“ ڈائریہ نے فضل کو ہدایت دیتے ہوئے پوچھا۔

”جی ہاں ہے۔“ فضل دوسرے کمرے سے دوائی لے کر آیا۔

”دیوالی نہ تھی۔“ فضل نے پتہ دکھایا۔
 ”ہاں یہی دیوالی۔“ ڈائریہ نے اٹھتے ہوئے جواب دیا کیونکہ بیرونی گیت سے دو تین عورتیں داخل ہو رہی تھیں یقیناً وہ اپنا چیک اپ کروانے آئی تھیں ڈائریہ ڈاکٹر کو روم کی جانب بڑھ کر اور فضل کو باہر کی جانب۔

☆☆☆

انہوں نے جو دیسے زخم مجھ سے وہ بھرتے نہیں غیروں نے جو لگائی چوٹ اس سے تو میرے نہیں تیری یاد سے تنج ہوئی سینے سے شام شام سے رات دل بھلنے کو کہتے ہیں کہ نہیں با یاد کرتے نہیں ڈائریہ گاؤں آکر بہت زیادہ خوش ہوئی گی تاپا عالم کی ٹیلی نے ان کا پر تپاک استقبال کیا تھا خود اسن انہیں اپنی پیچیر و میں لینے گیا تھا پہلے انہوں نے شاہنواز کو اور پھر پورٹ چھوڑا اور پھر وہ گاؤں کی جانب روانہ ہو گئے شہر کی تیز رفتار ٹریفک کے شور و فضا کی آلودگی بلکہ مٹرائی آلودگی والے ماحول کی بجائے وہ اہلپت سے سرسبز پھتوں، صاف اور شفاف ماحول میں سفر گامزن کی اور گاؤں دیکھنے کا یہ اس کی زندگی کا پہلا اتفاق تھا جو کہ بے حد مستحسن تھا، ڈائریہ کی ایک کلاس ٹیلور دی جس کا تعلق گاؤں سے تھا اسے گاؤں کا ذکر بے حد خوبصورت انداز میں کیا کرتی تھی گاؤں کے

لوگ گم گم بڑھے لکھے ہوتے ہیں مگر مزاج کے بے حد سادہ اور مخلص ہوتے ہیں صاف گوئی ان پر قائم ہوتی ہے جودل میں محسوس کرتے ہیں وہی زبان پر لے آتے ہیں منافقت انہیں چھو کر نہیں بھیڑی لڑائی گاؤں کا ماحول بے حد سادہ اور محفوظ ہوتا ہے جس وقت چاہو سکھویں کے ساتھ کھتوں میں ملے جاؤ اردو کے باغات میں جا کر آگے بھڑکی لکھنا، ہر دیں میں جا کر ہموالی اور شامچ تو ذکر وہیں شہری سوچ میں بیٹھ کر کھانا، گرمیوں کی شام کو چلنے کیوب وٹل میں پیر لٹکا کر بیٹھنا اور جاگن کھانا مہمانوں کی خوب خاطر تواضع کرنا ان کی روایات میں شامل ہے گو بیزار غریب ہو یا امیر وہ اپنے گھر آئی رحمت کو اپنی حیثیت کے مطابق خوب خوش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، آپس میں رشتے اور ذات برادری کا بھرا پور احترام ساتھ دیا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ غرض جس طرح کا شفاف، بے ریا، آلودی سے پاک ماحول ہوتا ہے اسی طرح کے وہاں کے باسی ہوتے ہیں ڈائریہ گاؤں میں پہنچی سارے راستے روٹی کی بائیں پارکری اور سسرالی آئی تھی، اسن بھی اسے گاؤں کے متعلق پہلی پہچانی میں بتاتا آیا تھا اسن بھائی کا لہجہ بے حد نرم اور دوستانہ تھا۔

☆☆☆

”ارے اتنے چھیکو اور اتنے ہلکے کام والے سوٹ شہری تو بڑے شوخ اور بے شکے کپڑے پہنتے ہیں اور یہ کپڑے تم شادی پر پہن کر ہمارا مذاق اڑاؤں گی اور ہاسی جی قیمت سے بھی سستے نظر آتے ہیں کبھی کوئی دو ڈھائی ہزار سے زیادہ کے نہیں لگتے ایسا کرتے ہیں میری بری کے چند ان سلعے جوڑے بڑے چار پانچ ہزار کی قیمت کے تھے میں نے دینے دلانے کے لئے وہ کچھوڑے چلو آج کام آگئے۔“ ناک سکڑنے

اور تان شاپ تائی خدیجہ کی بڑی بہادر اسن کی بھی مریم نے بے لاگ ڈائریہ کے شادی پر پہنے جانے والے کپڑوں پر ہنجرہ کر ڈالا تھا غصینہ لگم باہر لاؤنگ میں کرسی دار خاتون سے مصروف گفتگو میں اور ڈائریہ سے مریم کے کہنے پر بڑی خوشی سے اپنے سوٹ دکھانے شروع کیے تھے جو بے حد نئیں رنگوں اور ہلکے ہلکے کام والے نہایت دیدہ زیب کپڑے تھے لیکن مریم کے سہرے نے تا صرف اس کے جوش اور خوشی کو ہما کی طرح بٹھا دیا تھا بلکہ احساس ان لوہین سے اس کے گال اشتعال تھے تائی جوداں سے گزر رہی تھیں وہ بھی کمرے میں یونی بیڈ پر بیٹھ کر ڈائریہ کے کپڑے دیکھنے کی تھیں۔

”اسن آئے والا ہے گا کمرے سے کہہ کے بخور پر گرم گرم روٹیاں لگائی شروع کر دے چھٹی باری کا مچولی تو نہیں ہوگی خندنی روٹی پر کیسے بے چاری کے بازو پر گرم لکڑی رکھ دی تھی فصر کا بوا ہی تیز بے جا شاپاش۔“ تائی جی نے مریم کو کمرے سے باہر کی راہ دکھائی تھی۔
 ”تو اس کی بات کا برائے نانا ان پڑھ ہی ہے شہری لوگوں کی طرح بات بنا کر نہیں کرنی آئی میں سمجھا دوں گی بہت اچھے کپڑے ہیں لوسنبال کر رکھو۔“ اتنا کہہ کر وہ گھر کا باہر چلی گئیں۔
 مریم تو مریم ڈائریہ کو تائی جی کی بات نے بھی چند لمحے ہلک کی کر ڈالا تھا سبائے اس کے سامنے مریم کو کمرش کرکٹس انہوں نے اس کے روئے کر دیا کہ اسے احساس تک نہیں دیا تھا قیام ڈائریہ اپنی جگہ پر بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

دودن ہو گئے تھے انہیں یہاں پر آئے ہوئی بے حد بڑی اور دیدہ زیب تھی ہر قسم کی شہری سہولتوں سے آراستہ پہلے دن اس کی فرسٹ کزن

ماربے نے پوری کوئی دکھائی تھی اور وہاں پر آباد مقیم کا سوجود لوگوں کا تعارف بھی کرانی کی تھی اور جو موجود تھیں وہاں کا تعارف بھی۔

”پہلے نمبر پر ہمارے ابو ہیں جن کے ہم تین بچے ہیں پہلے نمبر پر بھاسن، پھر میں اور آخر میں تین پھر دوسرے نمبر چچا فیصل ہیں ان کے دو ہی بیٹے طالب اور مطلوب ہیں پھر پچھو رتیہ ہیں دودن مار کے گاؤں میں بڑے اونچے خاندان میں بیجا کرنگی ہیں میں شادی اینڈ کر کے ایک دو دن میں آئے تھی وہی ہیں ان کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں بڑے بیٹے سعد سے میری محنت ہو چکی ہے (اتنا کہہ کر وہ شرمائی) آخر میں چچا افضل ہیں ان کا ایک بیٹا اور بیٹی ہے بیٹی بڑی منہ پھٹ اور سسرالی ہے خیر اور اس کوئی میں سب اپنے اپنے پورٹن اگ لگ کر رہتے ہیں اور سبھی کا کام زمینوں کی دیکھ بھال کر ہے، چچا افضل نے البتہ آڑھت وغیرہ کا بھی کاروبار کر رکھا ہے چچا فیصل کے دودنوں بیٹے اپنی زمین پر دودن تین مرغی خانے اور دھچکی فارم بخوار ہے ہیں آج کل اھر ہی مصروف ہوتے ہیں۔“ ماربے نے اسے خوب تفصیل سے تعارف کرایا تھا، کوئی کا چکر لگاتے ڈائریہ نے بڑے اشتیاق سے اپنے بابا کا رد دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔

”چچا شاہنواز کا یہاں پر کوئی کمرہ نہیں پہلے کا تو مجھے تم نہیں گھر مارا اب انہیں عاق کر کے بعد ان کا یہاں پر ہر چیز پر سے حق ختم ہو گیا ہے اس لئے دینے تم کو لوگوں کا سالان میرے کمرے میں سیٹ کر دیا گیا ہے۔“ ماربے کی بات ڈائریہ کو بے حد چھٹی کی گھرہ خاموش ہی رہی تھی چچا کی فہمیر نے اس کی آمد پر کوئی خاص رد عمل ظاہر نہیں کیا تھا ماربے کے تعارف کروانے کے باوجود دودن چچیاں بڑے روکے سے انداز میں تھیں

وہ تو ان دونوں کی آمد پر انہیں آکر ملے بھی نہیں تھے، شام کو جب سب اچھے بڑے سے من میں چار پائیاں اور کرسیاں بچھائے بیٹھے تھے تو دونوں چٹاؤں نے سرسری سا اس کے سر پر ہاتھ پھیر دیا تھا کسی ایک نے بھی خاص طور پر اس کے ابو کے بارے میں نہ پوچھا تھا ڈائری میں لکھا ہے کہ ان کے رو دیے میں ان کی توقعات کے الٹ تھے، تاپا عالم شادی بیاہ اور زمینوں وغیرہ کا کاموں میں بے حد مصروف ہوئے تھے ماں بچی کو اندر جو ملی اپنی خواہشیں کے ہی پرور کے مطمئن ہو چکے تھے۔ اگلے روز ماریہ بے عیبتوں پر جانے کی فرمائش کر کے بھی پچھتاہی تھی۔

”اے ہم گاؤں کے چودہری ہیں چودہویں کی بنیادیں شدویں کی طرح بھٹیوں میں گھونٹنے چاہیں گی تاہم بھائی لوگوں کو پتہ چل گیا تو ہمیں توڑ دیں گے ہماری ہم تو ریش زادیاں ہیں سینوں اور وچٹیوں کی طرح بھٹیوں پر جا کر گرمیوں یا کیڑوں کو توڑی کھا سکتی ہیں یہ تو چوٹیوں کا کام ہے ہماری تو حلی میں سوغاتیں آ جاتی ہیں تو ہم گاؤں کے لوگ دیکھے گئے تو کیا سوچیں گے ملکوں کی بنیادیں چوٹیوں کے ساتھ بھٹیوں پر، جن سے میں نے سیدھے منہ ہی بات کہیں کی۔“ ماریہ نے بڑے غرور اور نفخہ سے جواب دیا اور ڈائری کا جواب نے بغیر جھٹ سے اپنی بھائی کی بات سننے آگے بڑھ گئی۔

ڈائریہ منہ لٹکائے اپنے کمرے کی جانب پلٹ آئی تھیں شینہ تانی جی کے کچن میں سلنڈر کے چولہے پر چکن کڑی پکا رہی تھیں اور اس میں کافی مصروف تھیں ڈائریہ بیل پر سر جھکا کر بیٹھ گئی تھی اور پھر یوٹی کچن پر بعد اس پر تھے منات ان کے نگاہیں گھمیں ان ماں بچی کے لئے کمرے کے

ایک کونے میں بمشکل سنگل بیڈ لگا کر رکھے ہیں ان کے رہنے کے لئے گنجائش نکالی گئی تھی اور شاید اسی طرح سے دیوں میں بھی بمشکل ان کے لئے گنجائش نکالی گئی تھی ڈائریہ یہاں کے ماحول اور دیوں سے اکتا سی گئی تھی کیا اس کے بابا کے لئے آئی ہوئی حلی میں ایک کمرہ بھی نہیں تھا وہ لوگ واقعی انہیں عاقی کر چکے تھے دیوں سے بھی

اور جائیداد سے بھی ڈائریہ بہت مرہٹ ہوئی تھی جب سے آئی تھی سر ہوئی اس سے لیا دیا انداز اختیار کیے ہوئے تھے وہ ماریہ، چچا کی بیٹی ماہین اور مریم کے درمیان جا کر بیٹھتی تو کچھ دیر بعد وہ اصرار کھک جاتیں اس سے ملنے وہ جرات سے زور دھوئے شادی کے معاملات دسلس کر رہی تھیں خاموش ہو جاتیں، بچی تو نہیں تھی جو ان دیوں کو سمجھ نہ پائی مگر انہوں نے کچن میں مصروف کر ڈالا تھا ماریہ فرمائش کرتی تھی اسن اور بھی کوئی چچی آج یہ پکائے ناں شہری لوگ بہت اچھا کھانا پکاتے ہیں ہمیشہ ناں چائے والے ڈس بخت طلب اور زیادہ وقت طلب ہوتی اور شینہ بیگم کے پاس ان کی فرمائش پوری کرنے کے سوا کوئی اور چارہ بھی نہ تھا وہ یہ سب جوش کرتیں مگر ڈائریہ کی طرح وہ بھی ان کے بدلے روئے پھریں کر رہی تھیں اوپر سے ملک شاہجواز سے راپا نہیں ہو پا رہا تھا گاؤں میں بسل فون پر سنگل ہی نہیں آ رہے تھے یہ ایک عجیبہ سے پریشانی بنی ہوئی سی لینڈ لائن فون کی بولت بھی موجود نہیں تھی۔

اوپر سے وہ لوگ آپس میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ عجیب سا رویہ رکھتے تھے ایک ہی کمرہ میں رہتے ہوئے ان کے دل ایک دوسرے سے بہت فاصلوں پر تھے منات ان کے کے ایک ایک سے پھوٹی گئی آپس میں اکٹھے

ہوئے تو مسکرا مسکرا کر باتیں کرتے مگر جب کوئی ایک بھی اصرار دھرتا تو حد کے مارے اس کی ذات کے بچے ادھیڑ دیے جاتے ہیں جالی لڑکوں کا تھا اور لڑکیوں کا بھی اور بیٹیاں بڑوں کا بھی ڈائریہ اگر ماریہ کے پاس نہیں ہوتی تو کچھ دیر بعد مریم اس سے گفتگو کرنے پہنچ جاتی کر ماریہ جو ابھی یہاں سے اٹھ کر گئی ہے اس کے خلاف کیا باتیں کر رہی تھی اول سے تو کوئی بھی اس سے سیدھے منہ بات نہ کرتا اور اگر ان تینوں میں سے کوئی ایک بھی اس کے پاس بیٹھ کر دوسروں کی بدخوشی اور فحش کرنی تو یہ ڈائریہ کی فطرت ندرت تھی کہ وہ ادھر کی بات ادھر سنائی اسے تو بات تو سمجھ نہ کر سکتا دے دیئے بھی ابھرن ہوتی تھی مطلب کا بیان ڈائریہ سے ناپا کر وہ منہ بنا کر پلٹ جاتیں گھریلو معاملات چلانے کا انتظام یوں تو تانی جی کے ہاتھوں میں تھا مگر کھری دیکھ بھال اور ہر کم کا کام نوکر دیں پر تھا کوئی یہاں پر اٹھ کر پانی تک نہ پیتا چاہے کھانا سامنے ہی کیوں نہ پڑا ہو ماریہ۔

کل ڈائریہ نے معمولی سی غلطی پر ایک ملازم کو اسن بھائی کے ہاتھوں بری طرح سے پیٹنے دیکھا تھا اور اسن بھائی کا یہ روپ دیکھ کر وہ حیران ہی رہ گئی تھی ماریہ سے حاصل ہونے والی معلومات کے مطابق اسن پورے خاندان میں سب سے زیادہ بڑے ہوتے تھے پوری سولہ بھائیں بیٹیوں میں بڑے تھے اور ایک غریب ملازم کو اس لئے اتنی بری طرح سے مار رہے تھے کہ شخص انجانے میں وہ سامنے سے آتے اسن سے ٹکرا گیا اور ہمانوں کے لئے لے جانے والی چائے بالکل ٹھوڑی سی اسن پر چھلک گئی اس کے بعد اسن بھائی نے جو اپنا چھوٹا اتار کر اس کی دھانی کی ہے بے چارہ فوجی ملازم روتے ہوئے فرش پر بیٹھا ہوا جوڑ کر معافیاں مانگتا جا رہا تھا اور

کوئی بھی اس کی مدد کو آگے نہ بڑھ رہا تھا ڈائریہ سے یہ سب برداشت نہیں ہوا وہ اپنی جگہ سے روکنے کے لئے ابھی مگر شینہ بیگم نے اس کا ہاتھ ہلکے سے دبا یا اور اپنے کمرے میں لے آئیں اور ساتھ ہی جی سے بھجایا کہ اسے ان کے کسی معاملے میں نہیں ہونا یہ پندرہ دن انہیں جیسے تھے گزارنے تھے کیونکہ یوں اکیلے تو وہ لوگ انہیں جانے نہ دیتے اب تو شاہجواز آئیں گے تو وہ فوراً یہاں سے روانہ ہو جائیں گے یہ وقت انہیں حوصلے اور برداشت سے ہی گزارنا تھا کسی قسم کی ہمدردی ان کے لئے مشکل پیدا کر سکتی تھی، ڈائریہ کو مشکل پیدا کرنے والی بات تو سمجھ نہ آئی زیادہ تنگ کر دیں گے تو ہم لوگ تاپا جی سے صاف کہہ دے گے نہیں ہمارے گھر چھوڑ آئیں کیا یہاں پر ہمیں ذہنی تکلیف دینے کے لئے لے کر وہ آئے تھے تاپا عالم کل سے پچھوئی طرف گئے ہوئے تھے پچھوے کے چھوٹے بیٹے نے کسی جوان وچوٹی کو دن دیہاڑے افواہ کرایا تھا معاملہ خاصا پیچیدہ ہو گیا تھا غریب کی اور ہزارے سارے اس ظلم پر سراپا احتجاج بن گئے تھے پچھوے کے شوہر سے اکیلے یہ معاملہ نہیں پار پا تھا تانی جی نے پاپاں کیا تھا کہ لڑکی کا نکاح افواہ والی تاریخ سے پہلے کا عہد (پچھو کا چھوٹا بیٹا) سے کر دیتے ہیں اور پولیس کو غاہ کر دیں گے لڑکی چونکہ بالغ ہے تو اس نے اپنی مرضی سے نکاح کر لیا معاملہ رفع دفع ہونے کے بعد وہ لڑکی کو حلی لے آئیں گے یہ اطلاع بھی ڈائریہ کو رات ماریہ سے وصول ہوئی اور ماریہ کو اندر تک معاملے کی خبر حد کے توسط سے جی جس سے وہ گھٹنوں رات کو فون پر باتیں کرتی رہتی تھی اور جب وہ سحر کو جاں جی، جالو کہہ کر فون پر بات کرتی تو ڈائریہ کو یہ پچھوہو انداز ذرا اچھا نہ لگتا تھا مابین کا تھا جس کی

مگنی چچا افضل کے بیٹے طالب سے ہوئی تھی وہ جب بھی گھر آتا ہاہن السیدہ خاتون شین کے اس کے آگے پیچھے ہوتی اور طالب بھی اس کی اچھی حرکتوں پر خاصے پیچھے ہوتا تھا اسے دیکھتا ڈانریہ کو تو یہ سب دیکھ کر بہت الجھن ہوتی لیکن ڈانریہ کو تباہی کا فیصلہ پسند آیا چلو بے چاری مظلوم لڑکی کی بربادی ہوئی زندگی کا کچھ تو خسارہ پورا ہو جاتا لیکن ماریہ نے اس کی بات میں ہستے ہوئے یہ بتایا کہ اس لڑکی کو کچھ بھی حویلی لگا کر زہر دے کر دیا جائے گا تو وہ اپنی جگہ سہا سہا ہی بیٹھی رہ گئی تھی کہ وہ جو تھیں تھیں کہ گاؤں کے لوگ بڑے سادہ اور کم تعلیم کی وجہ سے کم شعور تھے جن ایسا نہیں تھا تو وہ سادہ تھے اور نہ ہی کم تعلیم کی وجہ سے کم شعور بلکہ قانون توڑنے کے اسنے کاسباب منصوبے تیار کرتے تھے کہ کوئی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا، لڑکی کے لواحقین کو خودی کا ہکر ڈرا دھمکا کر چپ کر لیا جائے گا۔

”واہ کتنا جامع پلان تھا۔“
کمرے میں کافی دیر اپنی اٹی سیڈی سوچوں میں الجھی آخر کار وہ اٹھ بیٹھی اور یوریت سے ایک بار پھر گھر آکر اس نے کچن میں اپنی ماما کا ہاتھ بٹانے کا سوچا اور کمرے سے نکل کر کچن کی جانب بوجھی سامنے سے آتے آسن ہاتھ جو سیل فون پر اوپنی اوپنی آواز میں آتے آتے سے بات کر رہے تھے ڈانریہ کی ان سے اچھی خاصی کھر ہو گئی اور ڈانریہ نے اپنے ہتھکھل اپنے وجود کو گرنے سے سنبھالا ساتھ ہی اس کے پورے وجود میں ایک ناگوار سی لہر زور کی نگاہ پر آجاک، انجانے میں ہو جانے والی مگر کے بارے میں اسے پورا یقین تھا کہ اسن بھائی جان کر اس سے مگرانے ہیں وہ جو اسنے کھر میں شائستہ لہجے میں بولتے اور گاؤں کے لڑکے انہیں آنے والے خاموش سلجھے ہوئے

اسن بھائی کے روپ سے واقف تھی یہ روپ دیکھ کر بے حدان سے ہیزا ہوئی چارہ ہی۔
”اودہ سوری جنتا ہی سوری، کہیں چوٹ تو نہیں لگی۔“ اسن نے مفتی خیز انداز میں دریافت کیا اور ڈانریہ نے نفی میں سر ہلاتے وہاں سے کھسک جانا چاہا سامنے ہی مریم کا کھانے والی نظروں سے انہیں گھور ہی تھی۔

”ایک منٹ ٹھہرو ڈانریہ، بھئی جب سے آئی ہو آرام سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملا شادی بیاہ کے کاموں میں ہی الجھا ہوا ہوں، مریم اودہ مریم!۔“ اسن نے ہاتھ اٹھا کر ڈانریہ کے بڑھتے دموں کو روکا اور ساتھ ہی اسے شکر کھرا چھوڑ کر مریم کو ڈانریہ کی طرف لے گیا۔
”بی!۔“ مریم تڑپ چلی آئی۔

”بھئی اپنے ہی کاموں میں مصروف رہتی ہو ڈانریہ کو کبھی وقت دینا تھا شادی وغیرہ کے لحاظ سے کوئی شاپنگ وغیرہ کل کرالانا، سمجھتی ناں آج تو رات مہندی کا رولائے تو وقت نہیں ملنا۔“ اسن نے اپنی جیب سے اچھی خاصی دم نکال کر مریم کے ہاتھ کسے ہوئے تاکیدی۔

”نہیں اسن بھائی اس کی ضرورت نہیں میری تمام شاپنگ مکمل ہے پہنچ رہے دے یہ سب۔“ ڈانریہ نے جلدی سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”اودہ نہیں جی کزن ہو آپ ہماری اور پہلی دفعہ ہمارے گھر آئی ہو یہ سب بہت کم ہے لیکن بہت ضروری ہے۔“ اسن نے اس کے انکار کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے جواب دیا، ان کے لہجے کا بلاڈا ڈانریہ کو حیران کر گیا تھا۔

”اور سن یاد کیا شام تک شہر سے ناچنے والیاں آ جائیں گی ڈیرے پر رہے گی ان کی خاطر میں کوئی کمی نہ آئے، خاص دھیان رکھنا

ساری رات فٹل چلتا ہے اور کل ڈانریہ کو ضرور نزدیکی بازار لے جائیں پھر رات کو تو بارات نے جانا ہے وقت نہیں ملے گا صبح صبح نکل جانا۔“ اسن نے جانی مریم کو بلا کر ایک اور ہدایت نامہ جاری کیا تھا اور ڈانریہ نے اس کی باتوں پر جوں کی توں کھڑی رہ گئی تھی اور حیرت سے وہ وہ شام کو بھی مگن رہی تھی جی جب سب لڑکے سفید کلفٹ لگے

دارشلوار ٹھنڈوں میں خوب بے سنورے ڈیرے پر فٹل لگانے کو تیار ہو رہے تھے اور گھر کی عورتیں ان کی تیاری میں ان کی مدد کر رہی تھیں لیکن وہ ان کے فٹل لگانے پر سرخس کر رہا تھا نہ کوئی بڑا روک ہا تھا، اننا مریم نے تو باہر نکلتے اسن کو روک کر اس کی کولڈ کی چین گلے میں ڈالنے کے لئے دلی اور نئے ٹوٹوں کی بھاری لکڑی تھمائی کہ ملک اسن کو ناچنے والیوں پر دل کھول کر پیسہ دارنا سے تاکہ سب جان کے ملک اسن تکتے دل والا اور کل جیب کا مالک سے بیوی کے منہ سے ادا ہونے والے ان بملوں نے ڈانریہ کو یورٹ میں ڈال دیا تھا وہ جب سے یہاں آئی تھی حیرت میں ہی مبتلا تھی۔

مہندی کے فنکشن کا پروگرام یوں تھا کہ حسین کو پہلے حویلی میں لایا جائے گا جہاں پر عورتیں وغیرہ اسے مہندی لگانے کی رسم ادا کرے گیں اور اس کے بعد وہ ڈیرے پر چلا جائے گا پیچھے سے خواتین ڈھولگی بجا کر اپنا شوق پورا کرتی رہے گیں اور مرد حضرات ڈیرے پر مہندی کے فنکشن کو گھر پور پرتے سے تسلیم بیٹ کریں گے یہ سب ماریہ نے شام کو تیار ہوئے ہوئے ڈانریہ کو بتایا۔

”ہمارے ہاں لڑکے والے لڑکوں کے گھر اور لڑکی والے دلہا کے گھر مہندی لگانے نہیں آتے بڑے اس بات کو اچھا نہیں سمجھتے کہ گھر کی

عورتیں تیار ہو کر دوسرے گھر رات کو چاکر مہندی لگاتی پھریں اور بھائی لوگ تو جان ہی نکال دیں بس پھر ہر لوگ اس طرح سے مہندی کی رسم ادا کرتے ہیں اصل فٹل تو ڈیرے پر لگے گا ناچنے والیاں خوب بیٹیاں بھر کر پیسہ لے کر جائیں گی۔“ ماریہ نے مزے سے ڈانریہ کو بتایا اسے حیرت سے ہوتی تھی ڈانریہ کی فٹل دیکھ کر بڑا حرا آتا تھا۔

”تم میں سے کوئی انہیں منع نہیں کرتا یہ تو بہت برا کام ہے۔“ ڈانریہ نے بالوں میں برش کرتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں ہمارے منع کرنے پر وہ ہمارا لگانا نہ دبا دیں گے اور پھر گاؤں میں سب امیر گھروں میں ایسی ہی مہندی مٹائی جاتی ہے یہ سب چھوڑ دو تاؤ میں کسی لگ رہی ہوں کہ بے نیکی قلم ہے ناں ایک گانے میں اس نے ایسی محض شلوار پہن رکھی تھی پائین سے چھپا کر میں نے یہ سوٹ سلوایا ہے ابھی کچھ دیر پہنچا اور مسعد وغیرہ بھی ایو کے ساتھ بیٹھنے والے ہے ناں۔“ ماریہ نے ڈانریہ کی جانب رخ موڑتے ہوئے پوچھا۔

”بہت اچھی لگ رہی ہو۔“ ڈانریہ نے دھستے سے کہہ کر نظر سنبھالیں۔

”چلو تم بھی جلدی سے تیار ہو جاؤ یہ اتنا بڑا جھولنا فرما کر ہی بس پہن لیا ہے اوپر سے بازو بھی فل اور پاچامہ بھی لہا تو بے بے بندہ کپڑے کے تھان میں ہی چکرنا پھرے۔“ ماریہ نے حسب معمول اس کی ذات پر تنقیدی بے لاگ تنبیہ ہجھاڑ اپنے آگے ان میں سے کسی کو کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا سارے احساس برتری کا شکار تھی۔

”میں تیار ہوں چلے باہر۔“ ڈانریہ جس نے گرسے طرک کیوں والا فرما کر پٹن رکھا تھا اور جس پر سلور مٹیوں کا کام بے حد خوبصورتی سے

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیں

(اپنی انشاء)

اردو کی آخری کتاب	135/-
خاندانِ محمد	200/-
دنیا گول ہے	225/-
آوارہ گرد کی ڈائری	200/-
ابن بطوطہ کے شہاد میں	200/-
پلٹے پلٹے بچپن کا طے	130/-
گرمی گرمی پھر اس سفر	175/-
خدا انشائی کے	200/-
بہتی کے ک کوپے میں	165/-
چاندگر	165/-
دل دشمنی	165/-
آپ سے کیا رہے	250/-
ڈاکٹر مولوی عبداللہ	
قواعد اردو	200/-
انتخابِ کلامِ سیر	60/-
ڈاکٹر سید عبداللہ	
طیفِ نثر	160/-
طیفِ غزل	120/-
طیفِ اقبال	120/-

لاہور ایکٹیو، چوک اردو بازار، لاہور

فون نمبر: 7321690-7310797

خواہ خواہ کی ذلت سہنے کے لئے نہیں آئے ہم
لوگ۔“ ڈائریہ دل میں ٹھان چکی تھی کچھ ہی دیر
بعد وہ ماں بچی خیند کا بہانہ کر کے وہاں سے اپنے
کمرے میں چلی آئیں اور ڈائریہ کی طرح خمینہ
بیکم نے بھی یہی بات کی کہ وہ حج ضرور بھائی عالم
سے ان سب کے رویوں کا ذکر کرے گی آخر وہ
اتنی قہر سے لے کر آئے تھے اور یہاں لاکر انہیں
بھول ہی گئے تھے اب جو شاہنواز کے آنے تک
جو چند دن انہیں گزارنے تھے وہ اس قسم کا چنگ
آئینہ طریہ اور دکھا رویہ برداشت کر کے ہرگز
نہیں رہے گی ورنہ انہیں گھر بھجوا دیا جائے وہ
آرام سے اپنے گھر جا کر رہ سکی ہیں ماں کے منہ
سے ایسی باتیں سن کر ڈائریہ کو کچھ ڈھارس ہوئی
اور دیکھتے دل اور کھولتے دماغ کے ساتھ آخر کا
ردہ سوہی گئی۔

☆☆☆

صبح ڈائریہ کے لئے دھماکا خیز انکشاف
لے کر طلوع ہوئی تھی پہلے تو صبح باہر آ کر سب
لوگوں کو عجیب سی افرا تری اور قدرے پریشانی
میں مبتلا دیکھ کر اسے عجیب لگا پھر ماریہ نے ہی
جلدی جلدی بتایا کہ رات نئے میں دھت طالب
نے کسی مہمان کو توئی ماریہ مارک بلاک کر دیا ہے بتائی
جا رہی تھی کہ منتول کسی نانچے والی کے ساتھ جد
سے زیادہ فری ہو رہا تھا جس پر طالب کی نظر تھی
اس نے ایک دو بار اس کی حرکتوں سے باز رہنے
کا کہا لیکن اس پر طالب کی باتوں کا اثر نہ ہوا تب
طالب نے غصے اور اشتعال میں اس کا سرے فائر مار
دیا اور وہ ہیں پر ڈھیر ہو گیا۔

اور اب سب لوگ منتول کے گھر والوں
سے صلہ نامہ کھوانے گئے ہوئے تھے منتول کا
گھر انہوں نے کھوانے کے خاندان کے آگے کٹر اور کمزور
تھا انہیں دہانہ کوئی خاص مشکل بھی نہ تھا اور پھر

چاہے وہ ڈاکٹر یہ کیوں نہ بن جائیں۔“ ڈائریہ
کی پچھونے مڑ کر طریہ انداز میں کہا اور بائی
خواتین کے چہروں پر طریہ مسکراہٹ نمودار
ہوئی۔

خمینہ بیکم نظر سے جھکائے خاموش رہیں وہ
ضبط کی کسی منزل سے گزر رہی تھیں وہی چاہتی
تھیں ڈائریہ کا غصے اور توہین کے مارے بری
حالت ہو رہی تھی وہ یا تو ان خواتین کا منہ بند کر
دینا چاہتی تھی یا پھر واک آؤٹ کر جانا چاہتی تھی
مگر ماں کے ہاتھ کے پیچھے دبا ہوا ہاتھ چڑھانے کی
ہمت نہیں تھی اس میں اور پھر وہ سب گانا گانے
میں مشغول ہو گئیں ڈائریہ کی آنکھیں پانی سے
لبریز تھیں۔

پوری محفل میں اتنا چنگ آئینہ رویہ اور تائی
جی کی ٹیلی نے بھی کچھ نہیں کہا تھا ڈائریہ کا پورا
وجود ایک ان دھیمی آگ کی لپیٹ میں تھا باہر
فائرنگ کا شور اور اندر ڈھونگی کی تھاپ اس کی
ساعت پر گولے برسا رہی تھی۔

”آخر زمانے اتنی بڑی بات چپ کر کے
سہہ کیوں لی ہم کوئی ان کے نوکر تو نہیں انہی کے
خاندان کا حصہ ہیں مگر خواہ وہ ہی خاموش رہ کر
ان جاہل عورتوں کو شہرہ درہی ہیں ایک بار مینہ
ٹوڑ دیا ہوتا تاکہ بات کرنے پر تو نہات نہ ہوئی
کسی کی بھی آخر مہم بھی تو سارنگ لوانہ کی بہو
ہیں۔“ ڈائریہ نے کھولے دماغ کے ساتھ یہی سوچے
جا رہی تھی۔

”بس بابا آج آئے تو ایک منٹ یہاں نہیں
رکوں گی البتہ جاتے ہوئے ان سب کو ان کے بد
صورت رویے کا احساس ضرور دلا کر جاؤں گی اور
مج بتائی ہے بھی بات کروں گی اگر تو ہمارے
ساتھ خیر اور طریقے سے ان لوگوں سے پیش آنا
ہے تو ٹھیک ہے ورنہ ہمیں ہمارے گھر چھوڑ آئے

کے کیا کیا تھا ساتھ ہی فراڈز اور بڑا سا دھپہ
اڑنے لگی کچھ سی میک اپ کے وہ بعد بھاری
نظر آ رہی تھی۔
”مرئی درخی نہیں لگائی۔“ ماریہ نے پیچھے
سے پکارا۔

”دیکھیں۔“ قطعی انداز میں جواب دیتی وہ
باہر نکل گئی اور برآمدے میں ایک کرسی پر بیٹھی
خمینہ بیکم کے پاس آن بیٹھی اور پھر تقریب کے
ایجنڈا تک وہی بیٹھی رہی طوفان بدخیزی دیکھ کر اس
کا دل ہی نہ چا بہا کہ وہ اس تقریب کا حصہ بن سکے
اور کیوں کہ اس کے ہونے نہ ہونے سے کیا فرق
پڑتا تھا جس ہندی لگانے کے لئے چند کھینٹ کے
لے خمینہ بیکم کراچی پر گئیں اور پھر وہ بھی واپس آ
کر بیٹھ گئیں۔

دلہا کے باہر جانے کے بعد رشتے دار
خواتین ڈھونگی لے کر بیٹھ گئیں پچھو بھی ان سے
پر سری آ کر لیں اور پھر اپنی بھابیوں کے پاس جا
بیٹھیں۔

”ارے خمینہ بھابی آپ آؤ ناں کوئی گانا
وغیرہ سا ڈاؤ ڈھونگی بجاؤ۔“ جھمکی چچی نے پیچھے
پیشے ڈھونگی سنبھالے ہوئے قدرے دور کرسی پر
بیٹھی خمینہ بیکم کو مخاطب کیا، بائی سب خواتین داڑھ
ہنا کر پیچھے ہی بیٹھی تھیں کچھ بڑی عمر کی کرسیوں پر
برجھان گئیں۔
”دیکھیں شکریہ مجھے گانا یا ڈھونگی بھابی بالکل
نہیں آتی۔“ خمینہ نے مسکراتے ہوئے ٹٹی میں
جواب دیا۔

”حیرت سے بھابی یہ تو آپ کا خاندانی
کام ہے اور آپ کو اتنا نہیں آپ کے بھابی تو
اسنے اچھے ڈھونگی تھے اور کیا ڈائریہ کو بھی اپنا
خاندانی کام نہیں سکھایا میں نے تو سن رکھا ہے کہ
یہ لوگ اپنا خاندانی کام بچوں کو ضرور سکھاتے ہیں

علاقے کی پولیس بھی تو ملکوں کی نوازشوں کے سامنے سر تسلیم خم کے علاوہ کچھ اور نہیں کر سکتی تھی لیکن میڈیا کے ڈر سے پولیس اس معاملے میں مکمل طور پر غیر جانب دار ہو کر بھی نہیں پیش قدمی تھی اس لئے ایس ایچ او کے کہنے پر کراگرودھ قتل کو حادثاتی صورت دے سکے اور مقتول کے لواحقین بھی اس بیان کی تائید کر دیں تو معاملہ رفع دفع ہو سکتا تھا۔

ڈائریہ کال دی تمام صورت حال دیکھ کر اس ماحول سے کٹھا ہو چکا تھا نہ جانے وہ کس جاہل جانور ٹائپ لوگوں میں آگئیں جس گاؤں کے لوگ اور گاؤں کا ماحول اگرایا ہوتا ہے تو شہر ایسی باتوں سے کئی گنا بہتر تھا اس کے دل میں گاؤں کے بارے میں نفرت بیجھتی تھی اس لئے تو یہ کہ لی جی کہ آئندہ وہ بھی کسی گاؤں جانے کا نام نہ لے گی اور بظاہر نظر آنے والے سارہ دیہاتیوں کے سے قسم کا رشتہ استوار کر سکے گی وہ جو سبھی تھی کہ ڈائریہ بن کر وہ کسی گاؤں میں جا کر اپنی خدمات سر انجام دے گی تو یہ کوئی لی جی اس نے اپنے اس خیال سے لیکن وہ یہ بیمول گئی تھی کہ پانچوں اگلیاں برآمد نہیں ہوتیں۔

کیا احساس برتری، غرور، دولت کا نشہ اور حاکمیت کا سرور انسان کو اس کی انسانیت کے درجے سے کرا کر استے کھرے پاتال میں پہنچا دیتا ہے جس سے وہ بھی انسان کے درجے تک پہنچ ہی نہیں پاتے اور ایسوں کے لئے ہی دوزخ کا سب سے ننلا درجہ رکھا گیا ہے اگر وہ سمجھے اور اعلیٰ لوگ ہر جگہ پائے جاتے تھے گاؤں وہ یا شہر خالم ہر جگہ خالم ہے مطلوب نے آکر اطلاع فراہم کی کہ معاملہ تقریباً رفع دفع ہو گیا ہے مقتول کے لواحقین چند روز لاکھ پرل نامہ کرنے کے لئے راضی ہو گئے ہیں اصل میں بھاء احسن نے مقتول

کے چھوٹے بھائی کی گردن پر پستول رکھ دیا تھا وہ بے چارے تو تھوڑی سی زمینوں کے مالک شریف لوگ تھے پستول کی شکل بھی نہیں دیکھ رکھی تھی جھٹ صلی نامے پر دستخط کر دیئے اور ان کی مرضی کے بیان پر دستخط کر دیئے، اس طرح معاملہ بالکل ختم ہو گیا ہے اور اس سے کسی دشمنی کا بھی اندیشہ نہیں ظلم ہی ظلم تھا سب کی صورتوں پر اطمینان آ کر دیکھ کر ڈائریہ نے انھوں سے سوچا۔

”چلو ہمیں رات کی بارات کے لئے تیاریاں پکڑو ایہیں فضول میں بیٹھیں بنی ہوئی تھی میرے احسن نے بھی تو یہی کر رکھی تھی، ہمیں اتنا افسوس ہے ہمارے نہیں ہوا اگر اتنے جو گئے تھے ہو تو ایسا کر دروگ میں بھگ ڈال کر رکھ دی۔“ تاہی جی کا کسی رشتے دار خاتون سے تبصرہ سن کر ڈائریہ کا ان سے حسد خفاک لوگوں کے درمیان میں سے ہمیشہ ہمیشہ نکل جانے کو بی جا پاس کی کے چہرے پر مرنے والے کے لئے انھوں کی روتی تک نہ تھی نشتے کے غمار نے ایک انسانی جان ختم کر ڈالی یہ کوئی بات ہی نہ تھی ڈائریہ دل پر بو بھو دھرے اپنے کمرے میں سے لیکن وہ یہ بیمول گئی تھی کہ بھی خاموشی آ کر بیٹھتی۔

”ہمارے قدر خالم اور بے حس لوگ ہیں کسی کے گھر آج صاف ماتم پیچھا بے انجی کی وجہ سے اور انہیں شادی کی خوشیاں سوچ رہی ہیں ناقابل یقین پیڑم ما بابا سے کسی طرح رابطہ کرنے کی کوشش کریں یہاں قریبی جو بازار ہے وہاں لی بی او ہوا گاؤں سے بابا کو کون کر کے بلوا لیں میں اب مزید اس ماحول میں نہیں رہ سکتی۔“ ڈائریہ نے اٹھتے ہوئے غصہ سے کہا۔

”ہوں سوچ تو میں بھی ایسا رہی ہوں لیکن یہ سب اتنا آسان بھی تو نہیں، خیر کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا کہہ دوں گی اتنے دنوں سے بات نہیں

دونوں بات کر کے تسلی ہو جائے گی لیکن اس کو کوئی دور پریشان کرنا مناسب نہیں اور ایک یوں درمیان میں چھوڑ کر آج بھی کو ان کے لئے نہیں بس کچھ دن ہیں مرحہ وصلے کے لئے گزار لیتے ہیں بس زیادہ تر اپنے کمرے میں رہ کر گزارے گا اللہ کریں خیریت سے وہ آس تو ہم اسی دن یہاں سے روانہ ہو جائیں گے غصہ پیغم نے کچھ سوچے ہوئے ڈائریہ کی تائید کرنے اور پھر اپنی خیال کی تردید سے ہونے کہا وہ بھی یہاں کے ماحول سے اٹھی نہیں شاہنواز تو کہیں سے بھی اس کا ان کا فرد نکلتے تھے بڑے لکے سمجھ خرم ماہوڑی پسند شاہنواز نہ جانے کس پر چلے گئے اور وہ اس ماحول میں پلے پڑے تھے اور میں رہ کر بھی کول کی طرح اچلے اور صیاف تھے غصہ نے جھکے سر کے ساتھ سوچا سبھی ام کے کمرے میں داخل ہوئی اور جلدی کر کے روانہ بند کر لیا اس کے انداز میں کوئی مایاں کی وہ جلدی سے غصہ سے قریب آنے کی اور اس کے منہ سے ادا ہوئے والے پہلے ہی ڈائریہ کے وجود کو گویا پتھر کی مانند رکھ دیا۔

”جی آج شام ڈائریہ اور احسن کا نکاح کیا جالے والا ہے۔“ ڈائریہ نے اپنی منہ سے برآمد والی چیخ کو دونوں ہاتھوں سے منہ پر رکھ کر قہار صدے سے اس کی آنکھیں پٹی کی کی پٹی کی میں اور دل کی دھڑکن جیسے ٹپ ٹپ کی اسے راحت پر شہر گزرا تھا اور خیال گزرا کہ مریم کے ساتھ کوئی بے ہودہ مذاق کر رہی ہے یہی غصہ پیغم کی بھی تھی۔

”ہمیں میں کوئی مذاق یا جھوٹ نہیں بول رہے ہیں اس وقت زیادہ نہیں اللہ کی قسم آج

شام وہ لوگ بارات لے جانے سے پہلے ڈائریہ اور احسن کا نکاح کر دیں گے آپ لوگوں کو یہاں لانے کا اصل مقصد یہی تھا یہ منصوبہ تو بہت پہلے تیار کیا جا چکا تھا اب تو پتچا جی ساتھ نہیں منصوبے پر عمل کرنا اور آسان ہو گیا ہے وہ زبردستی ڈائریہ سے نکاح کر دیا کریں گے اور نہ کرنے کی صورت میں جان نہیں لے گے بلکہ ڈائریہ کو کہیں منہ دکھانے کے لئے لائیں نہیں چھوڑے گے اسی دھمکی پر آپ انہیں ڈائریہ کا ہاتھ صدارت کی جوان بیٹی کی عزت سے تو بڑھ کر تو کچھ نہیں ناں جب ڈائریہ کسی اور کے لئے لائیں نہیں رہے گی تو پھر تو نکاح آپ کو احسن سے کرنا پڑے گا ویسے بھی وہ اس کی نوبت نہیں آئے دیں گے آپ کزرو ماں بیٹی سے نکاح نہیں آئے دیں گے آپ کزرو ماں بیٹی سے سب کی نظر بچا کر ادھر آئی ہوں ابھی سب مطلب والے معاملے میں اٹھے ہوئے ہیں بہت بڑی نادانی کی ہے آپ لوگوں نے ادھر آ کر بہت بڑی نادانی۔“ مریم سرگوشی کی صورت میں اتنا بڑا اندوہناک انکشاف کر کے باہر کسی کی آہٹ محسوس کر کے فوراً کمرے سے نکل گئی تھی اور وہ ماں بیٹی خوف اور صدے کی حالت میں اپنی جگہ پر بیٹھ رہ گئی تھیں وہ بہت بری طرح ان کے گلے میں جکڑی جا چکی تھیں اور جاتے پناہ کی کوئی صورت نہیں کی فرار ہونا ناممکن تھا ڈائریہ کو اپنے حواس ساتھ چھوڑتے ہوئے محسوس ہوئے جب کچھ ہی دیر بعد تاجی اور احسن ایک ساتھ ان کے کمرے میں داخل ہوئے۔

(باقی آئندہ ماہ)

نیلمہ اتفاقی و حادثاتی طور پہ جہان سے ٹکراتی ہے، مگر جہان اس کی حرکات و سکنات کی وہ سے پہلی ملاقات میں ہی اس سے بدمن ہو جاتا ہے۔

زنہب وادی میں تیمور خان کی حویلی میں مختلف رویوں کا سامنا کرتی ہے، پہلے تیمور کی ادبائش فطرت کا ایک رنگ اس پر آشکار ہوتا ہے پھر اس کی بہن شلالے ایک معمولی بات کو بنیاد بنا کر زنہب کی بے حد تذلیل کرتی ہے جس کے نتیجے میں زنہب حویلی سے باہر نکل کر حادثے کا شکار ہو جاتی ہے، تیمور ایسے لمحات میں اسے اپنی محبت اور ساتھ کا یقین دلا کر اس کی بدگمانی دور کرنے کی کوشش کرتا ہے جس میں وہ بہت حد تک کامیاب بھی رہتا ہے۔

پچا، جہان سے زنہب کی بستی اس سے کرنے کی بات کی مگر جہان یہ کہہ کر انہیں منع کر دیتا ہے کہ ایسا کوئی قدم اٹھانے سے پہلے وہ زنہب کی رائے کو اہمیت دیں۔

مسز آفریدی، جہان انڈسٹری کو ہر صورت میں خریدنا چاہتی ہیں وہ اس جگہ پہ فائینڈ اسٹار ہوئی بنانے کا ارادہ کر چکی ہیں مگر جہان ان کے سارے خوابوں میں مٹی میں ملا دیتا ہے، مسز آفریدی جہان سے دو بدو مقابلے کی بجائے اپنی مکاری سے شکست دینے کا ارادہ باندھ چکی ہے۔

زنہب فون پہ جہان سے جلدی واپس آنے کا کہتی ہے تو جہان پریشان ہو جاتا ہے۔

نیلمہ، جہان سے رابطہ کر کے جہان کو ششدر کر دیتی ہے۔

آٹھویں قسط

اب آپ آگے پڑھیے



”کون نیلما؟“

جہان نے کچھ اونچے میں گھر کر استفسار کیا تھا، دوسری جانب چند لمحوں کو سنا نا چھا گیا، پھر وہ ایک دم سے کھٹکائی تھی۔

”کم آن جہاں حسن شاہ اب یہ بے نیازی کو چلہ اتار بھی چھینکے حد ہوتی ہے کسی بات کی“ بے تکلفی کی حد میں پھلا نکلتا ہوا لب و لہجہ اور انداز جہان کے ماتھے پہ ناگواری کی کٹھنیں ڈال گیا، اسے ایک شیر انجان خاتون کا یوں خرافہ آ کر جاننا ایک آنکھ میں بھیا تھا۔

”واٹ ناں شخص! کون ہیں آپ؟ تیز سے بات کریں۔“ وہ اندھنہ غصے سے ٹوک کر بولا، تو دوسری سمت نیلما نے ٹھنڈا سانس بھر کے جیسے اس کے سامنے شکست تسلیم کر لی تھی۔

”آپ واقعی مجھے بھول گئے ہیں؟“ اس کے لہجے میں محسوس کی جانے والی غیر یقینی کو پا کر جہان کچھ اور بھی کوفت کا شکار ہو گیا۔

”بھترمہ اگر آپ اپنا تعارف کروادیں تو میرا نام بھی ہوگی، اپنے ساتھ آپ میرا نام بھی دیت کر رہی ہیں۔“ اس کی آواز سے بیک وقت سرد مہری اور پنی چمک پڑی تھی۔

”کیا تعارف کرواؤں، میں تو بس نیلما ہی ہوں، دن اس آپ کو دیکھا تھا نا..... کیا چیز ہیں آپ جہاں تیر صاحب قسم لے لیں جو ایک بل کو بھی آپ ذہن سے محو ہوتے ہوں، میں تو بڑی طرح سے عاشق ہوئی ہو آپ پہ۔“ الفاظ تھے یا سنگر بڑے، جہان کو اپنی سائیں بے کار ہوئی محسوس ہوئیں، محض ایک بل کھاتا اسے وہ ناگواری کا احساس بخشی ہوئی ملاقات یاد آنے میں، وہ اتنا بھینایا کر مزید کچھ سنے بغیر نون بند کر دیا۔

”برٹش! اسے میرا نمبر کس نے دے دیا اور نام بھی جان گئی۔“ وہ کوفت زدہ سانس جھٹک رہا تھا، اس کی ہل پھراس نمبر سے کال آگئی تھی، جہان نے نظر انداز کیا تھا اور خود پلٹ کر کمرے سے نکل گیا، اس کا موڈ چائے پینے کا ہو رہا تھا۔

☆☆☆

انگٹ گرتے ہیں میری سانس سنبھل جاتی ہے
دے کے اک ورد نیا شام نکل جاتی ہے
تجھ کو دیکھوں تو میرے ورد کو ملتا ہے سکوں
تجھ سے بچھڑوں تو میری جان نکل جاتی ہے
عشق کچھ ایسے مٹاتا ہے نشان، ہستی
جیسے ہر رات اجالے کو نکل جاتی ہے
رغم بھرتا ہی نہیں تیری جدائی کا مگر
پھر تیری یاد دیا ورد اگل جاتی ہے
تو اگر دل پہ میرے ہاتھ ہی رکھ دے فراز
لوتی سانس بھی کچھ دیر سنبھل جاتی ہے

اس نے تیور خان کی کبھی ہوئی غزل کو مستقیم نظروں سے پڑھا تھا اور بے نیازی سے شانے

بھٹک دینے وہ آج کل دانستہ اس سے تعارف برت رہی تھی تو تیور خان کا بڑھتا ہوا اصرار تھا۔
ایک وقت وہ کاناچ میں تھی اور کلاس بج کر کے کٹھنیں آئی تھی، مینڈوچ اور لوگ آرڈر کر رہی تھی جب اس کے سیل پہ پیپ ہونے لگی، اس نے بولکلا کر جلدی سے کال منقطع کی اور تیور کو ایک لکسٹ لکھا تھا۔

”کال پولیز تیور! میں کاناچ میں ہوں۔“
”میں تم کی بھی طرح مجھ سے بات کرو، بہت ضروری ہے۔“
انگلی ہی لئے اسے تیور کا کچھ موصول ہو گیا تھا، اس نے ٹھنڈا سانس بھرا اور اپنا آرڈر لے کر کال پک کی۔

”خبر یہ ہے نا تیور؟ اس امیر جنسی کی وجہ۔“
”اس سے بڑھ کر بھی کوئی امیر جنسی ہو سکتی ہے کہ میں تمہیں مس کر رہا ہوں۔“ وہ مزے سے بولا جبکہ زنبب کا موڈ خراب ہونے لگا تھا۔

”میں چاہے یہاں سب کی نظروں میں مشکوک ہو جاؤں، آپ کی میری ریپویشن کی پرواہ نہیں ہے۔“

”زبب! میں اسی وجہ سے چاہتا ہوں نا ہماری شادی ہو جانی چاہیے، ہر طرح کے خوف ختم ہو جائیں گے۔“ تیور کا لہجہ ایک دم بے حد چنیدگی سمیٹ لایا، زنبب نے ٹھنڈا سانس بھرا تھا۔

”اب بولتی کیوں نہیں ہو؟“ تیور اس کی طویل خاموشی پہ ٹھنچا ہوا۔
”کیا بولوں؟ آپ سمجھتے کہاں ہیں میری مجبوری۔“ وہ عاجز ہوئی اور تیور خان ہنسنے لگا۔

”تم سمجھتی ہو بھلا؟ کیسے بے قرار ہوں تمہاری خاطر، بھترمہ کو پرواہ تک نہیں۔“ اس کے بے باک اظہار پہ زنبب کا چہرہ اسر کر پڑنے لگا۔

”یاد تم بات کو سمجھتی نہیں ہو، بات تو چلتے دو، یہ نہیں تمہارے گھر والوں کو منانے کو مجھے کتنے پاپڑیلے پڑیں گے، اس کام میں بھی ہو سکتا ہے نام صرف ہو۔“

”پاپڑ کیوں بیلنے پڑیں گے؟ میں ساتھ دوں گی نا آپ کا۔“ زنبب چونک کر جیرانی سے بولی۔

”زنبب میں نے سنا ہے اکسپریڈ ٹیلی کے لوگ اپنی کاسٹ سے باہر رشتہ داری نہیں کرتے۔“ تیور کی وضاحت پہ زنبب ایک دم ریلیکس ہوئی تھی۔

”کم آن تیور ہمارے ہاں ایسی کوئی بات نہیں ہے، معاذ بھائی کی شادی ہوئی ہے نا، وہ لوگ بھی ہماری کاسٹ کے نہیں ہیں۔“

”گڈ یہ تو بچہ بہت اچھی بات ہے۔“ تیور واقعی مطمئن ہوا تھا۔

”تیور پلیز نون بند کریں، کچھ لوگ ایاں اسی ست آرہی ہیں، ہم پھر بات کریں گے، اللہ حافظ۔“ اس نے خود کلمات میں سلسلہ منقطع کر دیا تھا، تیور سے تو اس پہ بات کہہ دی تھی مگر یہ حقیقت تھی کہ تیور کے رشتے پھر میں ایک طوفان اٹھنے کے امکان تھے، خاص طور پہ اسے معاذ سے اختلاف کا غصہ لاحق تھا، اس نے اسی روز نوہرے کے ذریعے یہ بات ماما تک پہنچانے کا سوچا اور

کسی حد تک ہلکی پھلکی ہو گئی، مگر اسے بات کرنے کی نوبت نہیں آ سکتی تھی اس سے پہلے ہی ممانے خود اس سے بات چیت کر دینی جہاں کے حوالے سے۔
اس وقت وہ سو کر اٹھ گئی اور چائے بنانے کے ارادے سے کچن میں آئی تھی جب ممانے ڈھونڈتی ہوئی وہیں آ گئیں۔

”تمہارے انیکڑیم کم ہو رہے ہیں زینب!“

”ابھی ایک دو ماہ ہیں، مگر پڑھائی بہت گنت ہے ممانے آپ سے یہی کہنا تھا کہ اب ذرا کچن کے کاموں سے مجھے پھٹکارا دیں تاکہ میں توجہ سے پڑھائی کر سکوں، ایک تو بچے بھی وہاں جا کے بیٹھ گئے ہیں مجھے اسٹڈی میں مشکل پیش آ رہی ہے ان کے بغیر۔“

”تو تم زیادہ سے زیادہ سہلپ لے لیا کرو، جہاں کی جان کا اور تھوڑے کام ہیں، جوتم بھی اس کے سر پر سوار ہو جاتی ہو۔“ ممانے کو نکتے پر زینب نے کسی قدر ناراض سے انہیں دیکھا تھا۔

”آپ تائیں کہ آپ کو پیرا ہے سے سہلپ لینا اچھا نہیں لگتا تو میں نہیں کیا کروں گی، ویسے اطلاعاً عرض کر دوں مجھے بچے کے علاوہ کسی کا پڑھانا نہ کا اسٹائل پسند نہیں، معاذ بھائی اور زیادہ بھائی پڑھاتے تھے اور ڈانٹتے زیادہ ہیں، مجھے ٹالاق ثابت کرنے کا کوئی موقع ابھرتے جانے نہیں دیتے، جیسے خود بہت عالم فاضل ہوں نا۔“ وہ سخت جھلکا کر کہہ رہی تھی ممانے اپنی مسکراہٹ چھپاتی۔

”مجھے کیوں برا لگے گا بیٹے! میں تو صرف جہاں کے پاس ٹائم کی کی وجہ سے کہہ رہی تھی تمہارا بھی حرج ہوتا ہے، مجھے تو بلکہ اچھا لگ رہا ہے کہ جہاں کے ساتھ تمہاری اتنی انڈر اسٹینڈنگ ہے، اچھی انڈر اسٹینڈنگ ہو تو زندگی بہت سہولت سے گزرتی ہے، ویسے وہ کیسا لگتا ہے آپ کو؟“ ممانی کی طویل وضاحت کو جہاں زینب نے سرسری انداز میں سنا تھا، وہاں آخری کسی قدر مسکرا کر پوچھنے لگے سوال کے خٹکے کا کہنا، اس نے قدرے چونک کر بغور انہیں دیکھا تھا۔

”کیا مطلب کیا لگتا ہے؟ جیسے وہ ہیں ویسے ہی تھی مجھے لکھیں گے نا۔“
”ہے تو وہ بہت گول لنگٹ اور کیرنگ۔“ ممانی کی مسکراہٹ بچھو کر کہی ہو گئی۔
”ہاں تو مجھے ان کا تھوڑی سی ہے۔“ اس نے دانش لہجے انداز میں بے نیازی کو سہا۔

”میں میں دوسرے حوالے سے بات کر رہی ہوں آپ کو پتہ ہے، آپ کے چہرے پہلے سے آپ کو جہاں سے منسوب کر چکے ہیں، اب وہ باقاعدہ جب اس رشتے کو کسی بندھن میں باندھنے کا ارادہ کر رہے ہیں تو ظاہر ہے آپ کی رضامندی ضروری تھی۔“

ممانی بات سن کر زینب ایک کتنے کی کیفیت میں گھر گئی تھی، ممانے ایک نظر ساس بین کے کناروں سے اٹل کر باہر آئی چائے کو دیکھا تھا دوسری زینب کے پتھر اٹے ہوئے چہرے کو۔
”زینب آئیو آل رایت بیٹے!“ انہوں نے پہلے چوہا بند کیا تھا پھر کسی قدر نشوونما میں گھر کر اسے پکارا تھا، زینب نے حنفیہ ہوتے چہرے کے ساتھ کھو بھر کو انہیں دیکھا اور با مشکل خود کو ذرا سا سنبھالا تھا۔

”آپ یہ بات اب بتا رہی ہیں مجھے؟“ اس کے لہجے میں تیش اور تلخی در آئی تھی، ممانے جہاں ہو کر اسے دیکھا تھا۔

”کیوں؟ اب کیا ہو گیا؟“

”آپ کو کیا پتہ اب کیا ہو گیا ہے؟“ وہ بری طرح سے جھنجھلائی مگر جب بولی تو اس کا لہجہ اس جھنجھلاہٹ سے پاک البتہ سرد دھری لے ہوئے تھا۔

”جے کو پتہ ہے اس بات کا؟“

”ہاں مگر ابھی چند دن پہلے ہی تمہارے چپانے اے بھی یہ بات بتائی ہے، جہاں کے کہنے پر اہم سے تمہاری رائے لی گئی ہے۔“ ممانے سادگی سے اصل بات بتا دی تھی مگر زینب کو پتے لگ گئے تھے۔

”بہت شکر ہے اس نوازش کا، ورنہ اگر وہ نہ کہتے تو آپ نے مجھ سے پوچھنے کی ضرورت بھی دس نہیں کرنی تھی ہے نا؟“ اس کا لہجہ صرف شاکی ہونا تو ممانہ کو برا نہ لگتا مگر وہ باقاعدہ طنز کر رہی تھی اعزاز طعنے دینے والا تھا۔

”کیا ہو گیا ہے زینب بیٹا! خواتین معمولی بات کو ایسی نہیں بناتے۔“

”ایٹو میں بتا رہی ہوں؟ ہر گز نہیں، اصل ایٹو کوئی اور ہے، پونو بے نے ایسے ہی مجھ سے کہی رائے لینے کا نہیں کہہ دیا ہے۔“ وہ زور سے پھٹکاری تھی، ممانہ شہر ہو کر اسے دیکھنے لگیں۔
”کیا مطلب ہے آپ کا اس بات سے؟“ انہوں نے ناگواریت میں جھٹلا ہو کر پوچھا تھا، زینب نے سنگتی آنکھوں سے انہیں گھور کر دیکھا۔

”وہ میرے کانڈھے سے بدندوق رکھ کر چلانا چاہتے ہیں ممان!“ اس سراسر کے الزام نے ممانہ کے لیے میں بھج رہا تھا، وہ جہاں کے لیے اس قسم کی بات سن کر ایک دم بھڑک اٹیں۔

”بلیڈز میٹ کر دینا زینب! میں جہاں کے لیے کوئی فضول بات نہیں سنوں گی۔“

”کیوں نہیں میں کی؟ اس لیے کہ انہوں نے آپ پر اپنی اچھائی اور فرمانبرداری کا بہت اچھا اثر قائم کیا ہوا ہے؟“ وہ آنکھیں ٹٹال کر چٹختی تو ممانے اسے ڈانٹ کر رکھ دیا تھا۔

”جیو مت زینب! اور لی الجال یہاں سے جاؤ، ابھی میں تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی، میں جہاں سے جو بھی اعتراض ہے وہ اس وقت کہنا تھا تمہارے یہاں شام کو گھر آ جائیں گے۔“

”مجھے کوئی عار نہیں ہے، بہتر ہو گا کہ آپ بے کومبھی شام کو گھر بلا لیجئے تاکہ ان کے سامنے ہوں۔“ زینب نے کسی قدر بلیڈز سے کہا اور حریف چٹختی ہوئی کچن سے نکل گئی، ممانہ ہونٹ پیچنے لگی تھیں۔

☆☆☆

راں کے سوہم کی سرد دشاں

اب بادوں کے ہاتھ تھامے

میں جوتم سے حساب مانگیں

میںوں کا حساب مانگیں

بہار آنکھوں سے خواب مانگیں

ہاں لینا کہ خواب سارے

باپ بیویوں کے نصاب سارے
میری حدوں سے نکل چکے ہیں
تمہاری چوٹ پہ آکرے ہیں
مسافتوں سے تھکے ہوئے ہیں
غبار راہ سے اٹے ہوئے ہیں
تمہاری مگر می میں اچھی ہیں
اسی لئے کچھ ڈالے ہوئے ہیں
سوائی نظروں سے تکر رہے ہیں
تمہاری چوٹ نہ جانے کب سے

اس نے فکر کر رکھا اور گھنٹوں میں سر جھپکا کر دھیرے دھیرے سسکنے لگی، زید کی جبر مسلسل کا نام
ہوئی تھی، سب کچھ وہ بوجھ پا تھا جس سے اسے نفرت تھی، نیلما کی کال پر بار بار آتی تھیں، وہ اسے پہ
نہیں کیا تانے پہ کمر بستہ کی، یہ جانے اور سمجھنے کے بغیر کاسے سننے میں دلچسپی سے بھی نہ لیتی تھیں، اس نے
کتنی بار اسے بری طرح سے دھککا دیا تھا کہ اس کے اشتعال میں بحال سے فرق آیا ہو، جبکہ ڈالے
وہ حال تھا کہ جب جب بھی اسے دھککا بدلتی تھی سے بات کی دل پہ ایک انجانے بوجھ کا سنگ
گراں محسوس ہونے لگا، نفرت بے زاری اپنی جگہ کر بلا شراس سے بے حد تر ہی تعلق تھا، خون کا
تعلق جو نفرت سے ختم ہوتا ہے، تب بے اشتعالی دے زاری کو پا کر الودہ۔

”کیا میرے دل میں اس کے لئے کوئی نرم گوشہ موجود ہے؟“ اس نے خود سے سوال کیا تو
اور خود اپنے آپ سے خوفزدہ ہوئی، اتنی خائف کر دل کی گواہی لینے کی تاب بھی نہیں رہی جیسی اس
نے خود کو دانستہ مصروف کر لیا تھا، اس کے استحقاق قریب آ رہے تھے مگر وہ پڑھائی کی جانب توجہ
اور دھیان نہیں لگا رہی تھی، نیلما کے مسلسل سے فون آنے کی وجہ سے اس نے اپنا فون آف کر دیا
تھا، مسز آفریدی کو عادت تھی دن میں کئی بار کال کر کے اس کی خبریت دریافت کرنے کی، جب
تیل فون پر سراسی نہیں ملا تو ان کی پریشانی فطری تھی۔

”کوئی فائل نہیں ہے، میں نے خود ہند کیا ہوا ہے۔“ ان کے استفسار پر اس نے سرسری سے
انداز میں جواب دیا تھا مگر ان کی کسل اتنی آسانی سے کہاں ہو پائی تھی۔
”خود کیوں ہند کیا ہے بیٹے آپ جانتی ہو مجھے کال کرنی ہوتی ہے۔“

”تو آپ لیٹل لائن پہ کر لیا کریں نا۔“ اس کے پاس ہر بات کا جواب تیار تھا، یوں جیسے پہلے
سے سوچ کر رکھا ہوا ہو۔

”اب اس جھیلے میں کون پڑے، انتہا نام کہاں ہوتا ہے میرے پاس۔“
”تو تو نہ کیا کریں، ضرورت تھی کیا ہے جھیلوں میں پڑنے کی۔“

وہ جتنی آج کل بدل چلا نظر اور زرد درج ہو رہی تھی اسی صاب سے اسی طرح کا جواب دے سکتی
تھی، مسز آفریدی کو چپ لگی تھی انہوں نے تنگ پڑنے ہوئے اسے دیکھا۔

”موڈ کیوں خراب ہے؟“ اب کی مرتبہ ڈالنے کے جواب نہیں دیا، ہونٹ پیچھے ریوٹ سے

چیل سر چنگ کرتی رہی، مسز آفریدی نے غصہ سانس بھرا تھا پھر کچھ غصے سے بولی تھیں۔
”کو لوجنا تنگ مجھے کرنا ہے، میں بھی تمہاری شادی کرنے کا سوچ رہی ہوں، اپنے بیٹے
ہوں گے بھر پیتے ملے گا ماؤں کی بے بسی کا۔“
ڈالے نے سخت غصے کے عالم میں انہیں دیکھا اور کچھ کبے بغیر ریوٹ پٹ کر وہاں سے اٹھ
کر اپنے کمرے میں بند ہو گئی، مسز آفریدی کے بعد میں بھی بہت دیر تک بیڑیاتی رہی تھیں۔

☆☆☆

جہان بہت عجلت میں آفس کے لئے تیار ہو رہا تھا، صبح اس کی آنکھ دیر سے کھلی تھی، خانسانا
اس سے تانے کا پوچھنے آیا تو جہان نے اسے منع کر دیا تھا۔

”نہیں بابا! میں آفس میں کر لوں گا۔“ وہ سر ہلا کر پلٹ گیا مگر کچھ دیر بعد پھر دروازے پہ
آہٹ ہوئی تھی، جہان نے ٹائی کی ٹاٹ لگاتے ہوئے ذرا کی ذرا گردن موڑی۔

”صاحب کوئی خالوں ہیں، آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔“ خانسانا کی بات پہ وہ حیرانی میں جھلا
ہو کر رہ گیا۔

”مجھ سے؟ کون ہیں، آپ نے نام پوچھا؟“ اس کے ذہن میں فوری طور پہ مسز آفریدی کا
خیال آیا تھا، مگر وہ بھلا کیوں یہاں ملنے آئیں گی۔

”مجھے خیال نہیں رہا صاحب! میں پوچھ کر آتا ہوں۔“ خانسانا نے کھسکا کر کہا اور تیزی سے
پلٹا تو جہان نے ٹوک دیا تھا۔

”بے در بے بابا! میں خود کو لیتا ہوں۔“ خانسانا نے سر ہلایا اور کچن کی سمت چلا گیا، جبکہ
جہان کی تیار کی مکمل ہو چکی تھی، مکمل فون، گاڑی کی پمپائی اور وائلٹ لٹھاتا ہوا وہ اندرونی حصے سے
نکل کر باہر آیا تھا، بروج کی طرف بڑھتے ہوئے اس کی نگاہ اپنی اور پھر بدستجاب کے عالم میں
دہیں ساکن رہ گئی تھی، وہ جو کئی بھی قیامت خیز حسن کی مالک تھی، سرخ ہفتوں کی سراسی میں
اپنے سراپے اور حسن کو نمایاں کرنے کو ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا، یہاں تک کہ ہائی مکمل میں اس کا کچن
ڈال کی مانند نکل گیا تھا سراسی لگا کوٹھکانے کا باعث بن رہا تھا۔

”مجھے پتہ تھا تم مجھے دیکھ کر یونہی بہوت رہ جاؤ گے؟“ وہ ناز سے اٹھلائی اور جہان کے ماتھے
پہ تیزی سے چڑھنے لگی تھی۔

”کیا مطلب؟ کون ہو تم؟ اور یہاں آمد کا مقصد؟“ اس کے الفاظ نے جیسے جہان کو سرتاپا
سلا کر رکھ دیا تھا، جیسی اندر کی ناگواری چھپانے کی خلقی ضرورت محسوس نہیں کی تھی، جبکہ اس کے
بات پہ نیلما جیسے صدمے اور رنج سے تن ہو کر رہ گئی تھی۔

”تم نے واقعی مجھے نہیں پہچانا۔“ اس نے غیر یقینی سے آنکھوں کو کھینچا تو جہان کے ذہن میں
جیسے ایک دم سے بھرا کا ہوا تھا اور ساتھ ہی اس کے ماتھے کی گھنٹوں اور آنکھوں میں موجود ناگواری
میں اضافہ ہونے لگا۔

”تم؟“ وہ ہنسا کر اٹھا۔

”کیا کرنے آئی ہیں یہاں؟“ اس کے لہجے میں بے حد خدوت اور تنگی تھی، مگر وہ بدل ہونے

والوں میں سے کہاں تھی۔

”تم سے ملنے، یہ ممکن تھا کہ تم یہاں لاہور میں ہو اور میں تمہارے دیدار کا چانس مس کر دوں۔“ وہ ہلکلائی جبکہ جہان کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا، اسے اس خطرناک عورت سے پہلی مرتبہ خوف محسوس ہوا۔

”دیکھئے محترمہ آپ کو میرے بارے میں شدید قسم کی غلط فہمی ہوئی ہے، میں آپ کی کسی توقع پہ پورا اترنے سے قاصر ہوں، آپ کو کہیں اور کوشش کرنی چاہیے۔“
”ایکسیکڑی میں آپ سے آل ریڈی لیٹ ہو چکا ہوں،“ وہ کترا کر لکھنا چاہ رہا تھا کہ نیلما نے سرعت سے بڑھ کر پھر اس کا راستہ روک لیا اور اس کی برہمی و ناگواری کو خاطر میں لائے بغیر سکون سے بولی گی۔

”میں نے آپ کے بارے میں ہر اندازہ بالکل صحیح لگایا ہے شاہ صاحب! آپ صوم و صلوة کے باندہ نیک شریف اور بدانداز انسان ہیں اور ایسے انسان پہ تو کوئی بھی فریفتہ ہو سکتی ہے نا۔“ وہ بات کے اختتام پہ ہلکلائی تھی، جہان نے غصے سے دہک اٹھنے والی آنکھوں سے اسے دیکھا اور سرد مگر دکھ بھری آواز میں جلتا نہ ہونے بولا تھا۔

”مجھے آپ سے اپنی شرافت کا پرٹ حاصل کرنے کی خواہش نہیں ہے، آپ کی انسانیت کی وجہ سے میں اب تک آپ کا بہت لحاظ کر چکا ہوں، آپ کی بہتری اسی میں ہے کہ یہاں سے تشریف لے جائیے ورنہ مجھے ذلیل کر کے نکالنے کے طریقے بھی آتے ہیں۔“
”مائی پائیر رجناب! آپ کے ہاتھوں تو ہم ذلیل ہو کر بھی اپنے لئے عزت افزائی سمجھیں گے۔“ اس کی بات نے جہان کا دیا بخ بالکل گھما کر دکھ دیا تھا، اس نے رخ پھیر کر زور دار آواز میں چوکیدار کو کاروا تو نیلما بولا لگھی تھی۔

”ناراض کیوں ہوتے ہیں جہان صاحب! میں جارہی ہوں، پھر ملاقات ہوتی ہے آپ سے۔“ وہ اسے ہاتھ ملاتی مسکرائی اپنی گاڑی میں بیٹھ کر ہوا ہوئی، جہان کلکسا ہوا اپنی گاڑی تک آیا تھا اور دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔

”آئندہ یہ محترمہ یہاں آئیں تو اندر بھی گھسنے مت دیجئے گا۔“

اس نے گاڑی اشارت کرنے سے قبل گیٹ کھولے منتظر کھڑے چوکیدار کو گویا تاکید کی اور اگلے لمحے گاڑی گیٹ سے نکال لی تھی، اس کا موڈ بے حد خراب تھا ایسے میں نضب کی کال یک کرنے کا اس کا قطعی ارادہ نہیں تھا جیسی اس نے کال ڈسکلت کر دی تھی، یقیناً نضب بہت سناٹا کرتی مگر اس نے دھیان نہیں دیا تھا، آفس میں بھی اس کا موڈ ایسا ہی سمجھلا ہٹ زدہ رہا تھا، جیسی اس نے بھوک ہونے کے باوجود بچ نہیں کیا، دوپے تک جب وہ آج کے دن کا کام کی حد تک مکمل کر چکا تھا اس کے سیل پہ بچا کی کال آنے لگی تھی، نضب کی طرح وہ ان کی کال ڈراپ نہیں کر سکتا تھا۔

”السلام علیکم چاچو!“ اس نے شعوری کوشش سے لچے میں بیاشت پیدا کرنی چاہی جس میں خاطر خواہ کامیابی نصیب نہ ہو سکی۔

”علیکم السلام جیتے رہو بیٹے! کسی طبیعت ہے؟“

”الحمد للہ چاچو! آپ کے ہیں؟“ وہ ان کی احوال دریافت کرنے لگا۔

”میں بھی ٹھیک ہوں بیٹے، آپ کا اصرار کام تک سب مکمل ہو جائے گا۔“

”خیریت ہے چاچو؟“ وہ ان کے لچے و انداز میں کچھ غیر معمولی پن محسوس کر کے چوکیدار اٹھا۔

”ہاں! بہت ضروری بات ہے، فون نہیں ہو سکتی، آپ گھر آ جائیں۔“ جہان کا ہاتھ اٹھا تھا، ان کے سچے سے ہی دکھل کر رہ گیا تھا۔

”جی بہتر میں حاضر ہو جاؤں گا۔“

”آج آ جاؤ تو زیادہ مناسب ہوگا۔“ بیانے کہا تو جہان کی تشویش یکفٹ کچھ اور بڑھ گئی۔

”اوکے چاچو! انشاء اللہ میں آج شام تک آپ سے ملتا ہوں۔“ اس نے رمانیت سے کہا اور رابطہ منقطع کر دیا تھا، لو کہ آج اس کی بے حد اہم بینک ٹھیک مگر اس نے سب کچھ پس پشت ڈال دیا تھا، وہ جانتا تھا چاہی کیوں کیوں پریشان یا ڈسٹر ب نہیں کیا کرتے، یقیناً کوئی خاص وجہ تھی، اس نے پہلے فون کر کے سکرپٹری کو آج کی کسی بھی ٹیلیفون سے سیٹ انفرم کرانے کی تاکید کی مگر کچھ سوچ کر نضب کا نمبر لیا تھا، بتیل جانی رہی مگر وہ کال ریسیو نہیں کر رہی تھی، جہان بھی ڈیٹن ہو گیا مگر اس وقت اس نے ہونٹ سمجھنے لگے تھے جب نضب کا سیل آف ہوا تھا، شام کے ساٹھ گھنٹے ہو رہے تھے جب جہان شاہ داؤس میں پہنچا تھا، لان میں دم دم ہوتی دھوپ میں نضب کرسی پہ بیٹھی لی گئی تھی، جہان سیدھا سی طرف آ گیا تھا۔

”خیریت ہے نا تم میری کال کیوں نہیں کر رہی تھیں؟“ سلام کے بعد اس نے پہلا سوال ہی اس سے یہ کیا تھا، نضب نے سلام کا جواب بھی لٹھا ماریا زبان میں دیا تھا اور منہ پہ خشکی اور لالچ کے زوائے تھانے ایک جھگڑے سے اٹھ کر وہاں سے جا رہی تھی جب جہان کے سوال پہ جیسے آگ بگولہ ہو کر اسے کھورنے لگی۔

”آپ جو کچھ کریں اس پر کوئی دفعہ نہیں لگتی ہے نا؟“ وہ غرائی تھی مگر جہان کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

”سوری فائدہ، اب بتاؤ کیوں فون کر رہی تھیں؟ چاچو نے بھی ایمر جنسی میں بلوایا ہے، اچھا خاصہ پریشان ہو کر رہ گیا ہوں۔“

”یہ پریشانی آپ کی اپنی خریدی ہوئی ہے، انسان کے اعمال ہی اس کے لئے مشکلات پیدا کرتے ہیں۔“ وہ جیسے بڑبڑاتی گئی جبکہ جہان کچھ حیران کچھ پریشان سا ہو کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

”کیا مطلب میں سمجھا نہیں؟“

”چچا آ جاتے ہیں تو آپ سے وہی بات کریں گے، مجھ سے کچھ مت پوچھیں۔“ وہ پتھکاری اور فن کرنی وہاں سے چلی گئی، وہ برآمدہ کی سیز حیاں چڑھ کر اندرونی حصے کی جانب جارہے تھے جب مہماپنے دھیان میں اس سب آتیں کے لالچ بھوکا چہرے کے ساتھ دیکھا تو چونکیں مگر لان میں جہان کو موجود پا کر وہ مگر اسانس بھر کے رہ گئی تھیں۔

”کیسے ہوئے! یہاں کیوں کھڑے ہو اندر چلاؤ۔“ وہ اس کے پاس آگئی تھیں تب جہان انہیں دیکھ کر جیسے چونک کر سلام کر گیا تھا، جس کا شفقت و محبت سے جواب دے کر انہوں نے اسے ساتھ لگا کر پیشانی چومی تھی۔
”جی چلیں۔“ وہ ان کے ساتھ ہو لیا، ممانے بغور اس کے کسی حد تک گم سم سے انداز کو دیکھا تھا۔

”اس نے آتے ہی آپ کو بھی پریشان کر دیا ہے! ابھٹ بے وقوف ہے، آپ اس کی باتوں پہ دھیان مت دو۔“ انہوں نے اپنے سینے سے لٹی دی گئی مگر وہ یہ جان کر کچھ اور بھی اپ سیٹ ہوا تھا کہ جو بھی معاملہ ہے اس کی وجہ کچھ اور نہیں خود نذب ہے۔
”کیا بات ہے چچی جان! پلیز ٹیلی می!“ وہ جیسے اس سے زیادہ خود پہ ضبط نہیں کر سکا تھا، دماغ کی طعناںیں شدید پٹاؤ کا شکار ہو چکی تھیں۔

”پریشانی والی کوئی بات نہیں ہے میری جان! آپ فریض ہو جاؤ میں چائے بنا کر لاتی ہوں، ابھی پیچم کو آپ کے آنے کا بتائی ہوں، وہ دو اتنے دلوں میں بہت اداس ہو گئی ہیں۔“ انہوں نے دانستہ لہجے کا پکا جھکا بنا کر اسے بتایا مقتدر اسے رنکس کرنا تھا مگر وہ خود کسی طرح بھی اضطراب سے نہیں نکال سکا، اپنے کمرے میں آنے کے بعد اس نے ہر کام انتہائی بے دلی سے کیا تھا، فریض ہونے سے لے کر لباس تبدیل کرنے تک، کوئی انجانا خدشہ مسلسل اس کے اندر کنڈلی مارے بیٹھا رہا تھا، وہ مہاجان کے پاس آیا تو جہان بھی آچکے تھے اور جدید بھائی بھی، سب لاؤنج میں جمع تھے، اس کا سب نے یونہی استقبال کیا کچھ کچھ کر کے لوٹا ہو، سب ہی خوشگوار مموؤ میں اس سے بات کرتے رہے تھے مگر اس کے باوجود وہ ماحول میں تناؤ محسوس کر رہا تھا، جیسے زیادتی چمچیں اور حسان کے جوک بھی اس کا خیال نہیں بنائے، اس نے صاف نہیں کہا تھا کہ جو بات بھی تھی وہ بدوں کے درمیان تھی تو جہان اس معاملے سے بے خبر رہ گئی تھی، یقیناً کچھ بہت اہم معاملہ تھا مگر کیا اس کا اضطراب بڑھنے لگا۔

اسا بھائی اور نور یہ، حوریہ کے ساتھ ماریہ نے بھی آج شام کی چائے پی اس کی وجہ سے خصوصی اہتمام کیا تھا مگر وہ ان سب کے اصرار کے باوجود سوائے چائے کے کچھ اور نہیں لے سکا، چائے بھی اس کے قطن میں چسپے تھے، نور یہ اور ماریہ کے بار بار نذب کو بلانے پر بھی وہ توتو سب کے ساتھ چائے میں شریک ہوئی نہ وہاں اس کی بیٹی تھی، جہان کے خدشات بڑھانے کو اس کا رد یہ کافی تھا، پیا آئے تھے اور اس سے سابقہ سمجھت و گرجش سے ملنے کے بعد اس نے کمرے میں چلے گئے، اسے ڈھونڈتے سے بھی ان کے کسی انداز سے کوئی غیر معمولی بات نہیں مٹی تھی مگر وہ پھر بھی رنکس نہیں ہو پا رہا تھا، جب بے چینی کچھ اور بھی بڑھ گئی تب جہان اٹھ کر ان کے کمرے میں آ گیا تھا، ماما تو بھائی اور نور یہ، ماریہ کے ساتھ کچن میں بڑی تھیں اور یہ پچا سے بات کرنے کا بہترین موقع تھا۔

”چاچو آپ بڑی تو نہیں ہیں؟“ اس نے دروازہ تھپتھا کر پوچھا تھا، جواب میں ان کی آواز کی بجائے دروازہ کھلا تھا اور وہ اس کے سامنے کھڑے تھے۔

”آؤ بیٹے! انہوں نے سامنے سے ہٹ کر اسے راستہ دیا۔
”مجھے لگتا ہے آپ بہت پریشان ہو گئے ہو۔“ وہ اندر آکر صوفے پر بیٹھا تو پچا نے بغور اسے دیکھ کر کہا تھا، جہان گہرا سانس بھر کے رہ گیا، اب وہ اپنی کیفیت انہیں بھلائیے تانتا۔

”سب تجہریت سے ہتا چاچو؟“
”اسی کوئی پریشان کن بات نہیں ہے بیٹے! وہ نذب کا آپ کو پتہ ہے بیوقوف ہے۔“ ان کا انداز سرسری تھا مگر جہان کی نگاہوں میں ہزاروں سوال اتر آئے تھے۔

”مسئلہ کیا ہے چاچو مجھے بتائیے؟“
”جیسے تمہاری چچی جان نے نذب سے اس انگیج منٹ کی بات کی تھی، آئی میں تمہاری اور اس کی انگیج منٹ کی، نذب نے پہلے تو اس کا برانا ہے کہ اب تک اس سے یہ بات کیوں چھپائی گئی پھر اسے تم پر اعتراض ہوا ہے۔“ پچا نے بات کے اختتام پر مسکرا کر اسے دیکھا تو وہ مجھو بھگڑا رہا تھا اس مسکراہٹ کی وجہ سمجھنے سے قاصر ہوتا۔

”مجھ پہ؟“ اس نے حیرانی سے اپنے سینے کی سمت انگلی اٹھائی۔
”ہاں بقول اس کے تم کسی اور میں اغراض ہو۔“ اب کے ان کے مسکراہٹ کچھ اور گہری ہوئی تھی جبکہ جہان کی حیرت کچھ مزید بڑھی۔

”یہ بات نذب نے کہی ہے؟“
”ہاں نا، یہ پتاؤ آپ مجھے، آپ کے پاس کسی لڑکی کی تصویر بھی ہے؟ نذب کا دھوا ہے اس نے آپ کے پاس کسی لڑکی کی تصویر دیکھی ہے اور دائری میں کسی کے لئے کچھ لکھا ہوا بھی پڑھا ہے۔“ جہان بے ساختہ کھسا کر نظر میں چڑ گیا، اس کی پیشانی سے پینہ پھوٹ نکلا تھا۔
(اف، وہ سب دیکھ چکی ہے نذب، مگر تصویر تو کوئی نہیں تھی اور چاچو کو بتانے کی کیا تکلف تھی احمق)۔

”بیٹے اس قسم کی کارروائیاں گھر کی خواتین کی نظروں سے بھٹاتے ہیں، اوکے کی کیئر فیل ٹیکٹ نام۔“ پچا نے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو بغور دیکھ کر مہتمم لہجے میں کہہ کر چھپڑا تو جہان پہ جیسے کھڑوں کے حساب سے پانی پڑ گیا تھا، وہ نظریں نہیں اٹھا سکا۔

”وہ غلطی کا شکار ہے، آپ اس کی غلطی کو دور کر دینا، دیت سیک اور ہاں اب میں اس کام میں مزید مدد نہیں کرنا چاہتا، چائے منع کیوں نہ کریں، نذب کسی حد تک احمق ہے اور میں اسے اپنے بے حد جھکسنے کیے کی سنگت میں دے کر اسے تھوڑی سے عقل مند ہوتے دیکھنا چاہتا ہوں۔“ انہوں نے بات کے اختتام پہ اسے دیکھا تھا کچھ ایسی کی تاہید چاہی مگر وہ اتنا چھپتا ہوا تھا کہ جواب میں کچھ بھی نہیں کہہ پایا تھا۔

☆☆☆

دل و نظر سے کچھ دیر بھی جدا رکھوں
یہ میرے بس میں نہیں کہ تجھے خا رکھوں
نہیں ہے کچھ بھی میرے ذہن میں سو اس کے

میں تیری یاد بھلا دوں تو یاد کیا رکھوں
بھی جو مجھ سے کوئی پوچھے لے میری مرضی
تو اپنا نام محبت تیرا دانا رکھوں

جہان نے اس غزل کو ناپ کیا تھا اور زنب کے نمبر پہ بیٹھ کر دیا، گو کہ اس کا ارادہ تو صبح اسے
منانے کا تھا مگر دل کچھ اسی طور پہ چلا تھا کہ وہ اپنے کچھ نہ کچھ احساسات اس تک پہنچانے سے خود کو
باز نہ رکھ سکے، کتنا خوشگوار احساس تھا یہ کہ وہ ہمیشہ کے لئے اس کی بانی چاہی ہے، پھر وہ اس کے
سارے گلے شکوے دور کر دے گا، جب وہ اسے بتائے گا ان تمام بے تاب جذبوں کا مرکز و محور
اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے تو کیسا درغل ہو گا اس کا؟

وہ اسی تصور میں کم ہو رہا تھا جب اس کے بیڑوم کے دروازے پہ مدھری دستک ہوئی تھی جو
پہلے تو جہان کو اپنا دم ہی لگی تھی، دوسری مرتبہ جب پھر اسی احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ناک کیا
گیا جب وہ کچھ حیران ہوتا اٹھ کر دروازے تک آیا تھا۔
”زنب تم؟“ وہ اسے روہرو پا کے حیران ہوتے ہوئے پوچھتا رہا۔

”مجھے اندر آنے کی اجازت نہ سکتی ہے؟“ وہ سخت سے سوال کر رہی تھی جہان نے ایک نظر
وال کلاک کی سمت دیکھا، وقت بالکل بھی اس کی یہ بات ماننے کو مناسب نہیں تھا کہ جہان کو
صرف اپنی نہیں اس کی پورزیشن کا بھی احساس تھا مگر شام ہی اس کے ساتھ اچھی خاصی تلخ کلاہی ہو
چکی تھی، وہ اس کا موڈ خراب نہیں کرنا چاہتا تھا، بھی کاندھے چپکا کر سائیڈ پر ہو گیا، زنب نے اس
کا کھلا چھوڑا ہوا دروازہ بند کیا تھا، پھر اسی بند دروازے سے مگر ٹکا کھڑی ہوئی تھی۔

”آپ کو یاد ہے ایک رات آپ بھی میرے کمرے میں آئے تھے اسی طرح؟“
”جی ہاں، یاد ہے! بیٹھ کر اطمینان سے بات کرو۔“ جہان کے رسائییت سے کہنے پہ اسی نے مرکو
لفی میں جھنپ دی۔

”اسی ادا کے میں ٹھیک ہوں، ہے آپ کو یاد ہے آپ آئے تھے؟“

”ہاں یاد ہے، مسئلہ کیا ہے اب؟“ جہان نے بخور اس کے بے حد عجیبہ چہرے کو دیکھا تھا۔
”تپ آپ نے مجھ سے کچھ پوچھا تھا، یہ بھی یاد ہے؟“ جہان خشکا، اس نے اب کے منہ سے
کچھ نہیں کہا تھا البتہ سرکوشات میں پیش دی تھی، وہ ایک بیک بے حد عجیبہ نظر لے گا تھا، کوئی گھر
تھی جو ملے کوئی، کوئی بوجھال تھا جو آتا چلتا تھا، اس کی چٹھی جس مسلسل اس پار کرنے لگی۔

”گھر میں آپ کو پتہ تو چل گیا ہو گا کیا سلسلہ شروع ہو چکا ہے، میں ایسا کچھ بھی پسند نہیں
کرتی ہوں ہے؟“ پیز میپ بی بی! ”وہ کسی خود غرض اور مفاد پرستی کے سب سے اونچے
مینار پہ چڑھ گئی تھی، جہان سا نکھڑا ہوا، طوفان آیا تھا اور گزر گیا تھا، جہان کو اپنی ہستی کے تاراج
ہونے کی خبر تک نہ ہوئی۔

”اس وقت میں نے آپ سے جھوٹ بولا تھا ہے، صرف تیمور خان نہیں میں بھی اسے بہت
پسند کرتی ہوں ہے میں صرف تیمور خان سے شادی کرنا چاہتی ہوں، مجھے خبر نہیں تھی کہ پتا مجھے
آپ سے منسوب کر کے ہے، اپنی دیر آپ کو اب اس کام کو نہا ہے، یہ بھی یاد رکھیے گا ہے اگر

میری تیمور سے شادی نہ ہو سکتی تب بھی میں آپ سے شادی نہیں کروں گی، مجھے اس کے علاوہ
کچھ اور نہیں کہا۔“

وہ اس پہ ایک گہری مگر تنہی نگاہ ڈال کر جیسے خاموشی سے آئی تھی خاموشی سے پلٹ گئی، جہاں
کسی طوفان کی زد پہ آئے ہوئے پتے کی طرح اپنے وجود کو بے سہارا لے آ کر ڈالنا لڑتا محسوس
کرتا، بے جا قدموں سے وہیں بیٹھ گیا، اس میں اتنی ہمت بھی باقی نہ رہی کہ اٹھ کر دروازہ بند کر
دے، جسے زنب چاہتے ہوئے کھلا چھوڑی گئی تھی۔

☆☆☆

ٹوٹے خوابوں کی کچیاں

دل کے نازک خانوں میں جھپتی رہیں

سورج اندھے کنوئیں میں پڑا رہتا رہا

پھول خاک میں اٹنے رہے

رنگوں کا حسین قافلہ

دن دہاڑے لپکتا رہا

شہر آرزو پر خون

دھول کی صورت بکھرتا رہا

وہ اچھی طرح مٹا دھیرے کی کوئی کچھ بتائے بغیر وہاں لاہور کے لئے نکل آیا تھا، فلائٹ کے
لئے اس نے کوشش نہیں کی تھی، بلکہ پھر ٹرین اتنا طویل سفر کر کے وہ اگلے دن رات گھر پہنچ سکا تو
جو صرف سفر کی تھکان سے تو نہیں لوٹ رہا تھا، اضطراب اور وحشت ایسا کہ پورے وجود میں حشر
پڑا تھا، اگر وہ یاد نہ بھی کرنا چاہتا تب بھی اسے فراموش نہیں کر سکتا تھا کہ جانے کتنی بار اس دوران
گم سے غمٹھا ہو کر اس کی آنکھیں نم ہوئی تھیں اور وہ خود پہ ضبط کھوتا رہا تھا، کیسا کڑا امتحان تھا،
علاوہ کیڑو رکھ پاتا اپنے آپ کو اپنوں کے بچ، اس نے اسی وجہ سے وہاں سے چلے آئے کوڑے
دی تھی اور ہر قسم کی وضاحت سے بچنے کی غرض سے سب کو فون بھی آف کر دیا تھا، اس میں لی الجال
کسی کا بھی سامنا کرنے کی تاب نہیں تھی، ابھی اس خود کو سنبھالنے کی خاطر بہت وقت درکار تھا۔

”صاحب میں نے آپ کے لئے تیار کیا ہے، تھوڑا سا لی کیس اور ڈاکٹر کو فون کر
لو؟“ وہ پورا دن اور رات بھر بخار میں پھنسا رہا تھا، اسے اپنی اتنی ہمتوں کی اس درجہ زبردستی پہ
حیرت ہوئی تھی، کتنا کمزور اعصاب کا مالک تھا وہ محض اسے ٹوٹنے کے خیال سے تمام صلیے کھو
بیٹھا تھا، اس نے خود یہ ہنسنا جا کر جلتی آنکھیں پھر سے میٹنے کی کوشش۔

(اس کی اس دوری کا کیڑا اور خاص محبت اس قابل ہی کہ اس کے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا)۔
اس کے دل سے گویا ہول کی آنکھیں لگی مرودہ دانستہ ہر احساس سے آنکھیں موندے پڑا رہا تھا
جب خاسا ماں نے آکر مدد غلط کی تھی۔

”سوپ لے آئیں باپا! اور ڈاکٹر کو فون کرنے کی ضرورت نہیں، میں ٹھیک ہوں۔“ اس نے
نود کو سنبھال کر رسائییت سے کہا تھا، سوپ پینے کے بعد اس نے سرد روکی کولیاں لی تھیں اور پھر سے

لیٹ گیا تھا مگر نینب کی روح میں شگاف ڈالتی ہوئی آواز بازگشت بن کر اس کے آس پاس سرسرا لے گئی تو اس نے کسی کرب میں مبتلا ہونے اپنے بال غصی میں بکڑ کر کیچے پر سر جٹا تھا۔

رہے گا عشق تیرا خاک میں ملا کے مجھے
کہ ابتدا میں ہوسے رنج انتہا کے مجھے
بغیر موت کے کسی طرح کوئی مرنے ہے
یقین نہ آئے تو وہ دیکھ جائے آکے مجھے
ہر ایک شخص کو حاصل جدا ہے کیفیات
جنا کے لطف تجھے ہیں مرے وفا کے مجھے
☆☆☆

اسے بارش پسند ہے
مجھے بارش میں وہ
اسے ہڈیا اچھا لگتا ہے
مجھے ہستے ہوئے وہ
اسے یونان پسند ہے
مجھے بولتے ہوئے وہ
اسے سب کچھ پسند ہے
اور مجھے بس وہ

ننبت نے تیمور خان کے گھیر لیچے میں برسی نظم کو سنا تھا اور کھلکھلا دی تھی، اسے ہمیشہ تیمور خان کا خود کو بے حد اہمیت دینا بہت اچھا لگتا تھا، مگر اس بل تیمور خان کا مودو کچھ خفا تھا۔

”تم نے میری بات کا کوئی اثر بھی لیا ہے؟“

”کیوں نہیں میں نے بے کوسب کچھ تادیا ہے۔“ وہ مگر سر دی میں بھر پئی۔

”جے کو کیوں؟“ تیمور خان کو جہان سے اپنی ہی چڑھوس ہوئی تھی جتنا ننب کی سنگتوں میں

اس کا تذکرہ زیادہ ہوتا تھا۔

”وہیں سنائیں گے کیا، کو، یونوپا جے کی ہی ہر بات مانتے ہیں۔“ وہ بڑے گر کی بات اسے بتا رہی تھی۔

”گڈ! اگر یہ بات ان کی وجہ سے بن جائے تو موصوف کا ایجنٹس تنکس ادا کریں گے۔“ تیمور خان کا مودو بلا آخر خوشگوار ہو گیا تھا۔

”آپ بالکل بے فکر رہیں، انشا اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا، جیسے ہی ادھر حالات بحال ہوئے میں آپ کو بتا دوں گی، آپ اپنے گھر والوں کو بھیج دیجئے گا۔“

اب معاملہ صرف محنت اور خوابوں کی تعبیر کا نہیں رہا تھا، ننب جیسی لڑکی کے لئے اپنی عزت نفس اور پھر اس انسٹل کا بدلہ لینے کا خیال بہت اہم تھا، وہ شہر لائے کو نیچا دکھانا چاہتی تھی ہر صورت۔

تیمور خان کا فون بند کر کے وہ تین دن بعد خوشگوار مودو کے ساتھ اپنے کمرے سے باہر آئی تھی، بھابھی بچن میں مصروف تھیں، اسے دیکھ کر مسکرائیں۔

”اب کسی طبیعت ہے تمہاری؟“
ممانے اس کے احتجاج کو کسی پہ ظاہر نہیں کیا تھا اور اس کے کمرے میں بند ہونے کی وجہ طبیعت کی خرابی بتائی تھی، مقصد خزانہ وہاں نہ پھیلنا تھا، ان کے خیال میں ننب محض بے وقوفی کر رہی تھی اور خود ہی ٹھیک بھی ہو جائے گی۔

”ہوا کیا تھا تمہیں؟ مجھے تو لگتا ہے سب جہان سے بچنے کا بہانہ تھا، مگر بے فائدہ مگر انشیں رہیں، وہ تو اس سے اگلے دن صبح ہی لاہور واپس چلا گیا تھا، انکھٹے تو ہل بڑھ کر جوان ہوئے ہو مگر شرم تو پھر بھی آتی ہے نا۔“ بھابھی ہنس کر چیخ رہی تھیں، ننب نے اس انکشاف پہ چونک کر انشیں دیکھا۔

”کیا واقعی ہے واپس چلے گئے ہیں؟“

”جہیں ٹھک سے کوئی؟“ بھابھی نے اچھ کر اسے دیکھا تو ننب نے ہونٹ ہینچ لئے تھے، مگر میں گردش کرنی اس کی گھنٹی کی خبر اور جہان کا منظر سے غائب ہونا اسے مضطرب ہی نہیں کر گیا تھا بلش سے بھی بھر گیا، کچھ بھی کہے بغیر اس نے ہونٹوں کو تختی سے بھینچا تھا اور پلٹ کر بچن سے نکل گئی، اپنے کمرے میں آ کر اس نے جہان کا نمبر ڈائل کیا تھا، مگر اس کا نمبر مسلسل آف جا رہا تھا، ننب کے اعصاب شدید تناؤ کا شکار ہو کر رہ گئے۔

”اگر آپ میرے ساتھ کوئی ڈائل ٹیم کھیلنا چاہتے ہیں تو مجھ سے آپ کو کچھ نہیں ملے والا، سوائے نفرت کے۔“ اس کی تمام سوچیں جیسے زہر آلود ہوئی جا رہی تھیں، اس نے بے حد پیش کے عام میں سیل فون بچ دیا تھا۔

☆☆☆

میرے لئے یہ سانس بھی

اتنی مشکل کیوں ہیں

میری آنکھوں کے آگے

اتنی دیواریں کیوں ہیں

میرے سپرد میں اتنی

زنجیریں کیوں ہیں

میرے ماتھے پر ایسی

نقدیں کیوں ہیں

وہ ایک نئی مصیبت میں پڑ گیا تھا، صبح وہ خانساہاں کے منع کرنے کے باوجود آفس جانے کو تیار ہو گیا تھا، حالانکہ اس کی طبیعت شیشیلی تھی، مگر وہ اس سوگ میں مبتلا ہو کر کام تو نہیں چھوڑ سکتا تھا، اسی وجہ سے وہ ان کی بات بے کان دھرے بغیر نکل گیا تھا، دماغ کہیں اور تھا مگر وہ اتنا شدید ایکٹیوٹ اسی سے ہو گیا تھا جس میں سرسرا تصور اس کی بے دھیانی اور بے خیالی کا ہی تھا اس کی

مئی 2012

کے پرسکون ماحول میں زبردست رختہ پڑا تھا، جہان نے گھبرا کر کال منقطع کر دی اور موبائل کو سائلنٹ پہ لگانے لگا، اسی وقت پھر زینب کا فون آنے لگا تھا، جہان نے پھر کال کالی تھی اور گہرا سانس بھر کے سیل فون کو کوٹ کی جیب میں رکھا، وہ جس قسم کی پھوٹیشن کا شکار تھا، زینب سے بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا، چاہے وہ کچھ بھی سوچتی اس کے متعلق۔

”صاحب مالکن آ گیا ہے۔“ اسے سوچوں سے ڈرائیور کی گھسیکھائی ہوئی آواز نے نکالا تھا، وہ چونک کر متوجہ ہوا اور اگلے لمحے وہ مسز آفریدی کو سرخ چہرے اور کڑے تیوروں سمیت اسی سمت آتے دیکھ کر وہ کچھ ٹھنک سا گیا، اگر وہ نوخیز لڑکی ان کی بیٹی تھی تو بڑی حیرت کی بات تھی، ساٹھ کے لگ بھگ تھیں وہ کم از کم یقیناً وہ لڑکی ان کے بڑھاپے کی اولاد تھی۔

”جبر خان کہاں سے ڈالے؟ اور تم اندھے تھے جو تمہیں نظر نہیں آیا تھا، اگر میری بچی کو کچھ ہوا تو میں زندہ نہیں چھوڑوں گی تمہیں۔“ وہ آتے ہی پھنکاری تھیں، جبر خان کا رنگ پیلا پڑتے دیکھ کر جہان تیزی سے آگے بڑھا تھا۔

”ایسکلیوڈ میم! آپ کے ڈرائیور کا کوئی قصور نہیں ہے اور جہاں تک آپ کی بیٹی کی طبیعت کی بات ہے ڈونٹ یووری، وہ اب خطر سے باہر ہیں۔“ مسز آفریدی جو اسے دیکھتے ہی پہچان چکی تھیں اور پہچان کر بری طرح سے نظر انداز کر چکی تھیں اس مداخلت پہ خونخوار نظروں سے اسے گھورتے ہوئے پھنکار کر بولی تھیں۔

”تم اس بات کے چشم دید گواہ تھے؟ مائنڈ اٹ میں تم سے نہیں اپنے ملازم سے بات کر رہی ہوں۔“ ان کے اس درجہ بدعاطی اور نفی پہ جہان چند لمحوں کو کچھ کنفیوژ ہوا تھا، مگر اگلے لمحے وہ خود کو سنبھال چکا تھا جیسی جب بولا تو اس کا ازلی اعتماد اس کے ساتھ تھا۔

”جی میں چشم دید گواہ ہوں لی کوئی ایکسٹنٹ مجھی سے ہوا ہے۔“ اس نے سرد مہری سے جتلا کر کہا تو مسز آفریدی کے اعصاب کو جیسے دھچکا لگا تھا۔

”تم؟“ وہ دانت بچھنچ کر اسے گھورتے لگیں چہرہ ایکدم سے سرخ پڑ گیا تھا یوں جیسے وہ اسے بس نہ چلتا ہو مارا ڈالیں۔

”میری بیٹی کو ہلکی سی گزند بھی پہنچے میں ایسا کرنے والے کو کڑی سے کڑی سزا دیا کرتی ہوں، بخشوں گی تو میں تمہیں بھی نہیں یاد رکھنا۔“ وہ پھنکاریں تھیں اور ہائی ہیل کی ٹک ٹک بجاتیں ڈالے کے کمرے میں جا گھسیں، جہان جو حیران سا ان کا شدید اور کسی حد تک جاہلانہ انداز ملاحظہ کر رہا تھا گہرا سانس بھر کے رہ گیا۔

☆☆☆

آؤ!

ہم اپنے دلوں کو

اپنی اپنی مٹھیوں میں

اتنی زور سے جکڑ لیں

کہ شریانون میں پھونٹنے والا کرب

یہیں کہیں گم ہو جائے

اس کی آنکھیں بند تھیں اور گام سے رندا ہوا، وہ بے حد عجیب احساسات کا شکار تھی، انا اور زخم و خم و جود میں نہیں تھا جتنا اس کے دکھے ہوئے دل میں، یہ نہیں ہے حادثہ ہونا بھی چاہیے تھا نہیں۔

برباد ہونے کے تو اور بھی راستے تھے

نہ جانے مجھے محبت کا خیال ہی کیوں آیا

اس کے لبوں پہ فلتان مکان بکھر گئی، عجیب سنگ تھاس کے چہرے پہ آنسوؤں اور مسکراہٹ کے ساتھ جب سزا آخر بیدی نے دروازے سے اندر قدم رکھا تھا۔

”میری جان کیسی ہو؟“ وہ لبک کر اس تک آئی تھی اور بے قراری سے تابی سے اس کی صبح پیشانی کو چومنے لگیں، ڈالے اس نے انکھیں کھولے انہیں دیکھنے لگی۔

”پورے پانچ کمرے صدمہ کیے ہیں، چار دیویش بہترین کھانے کی غریبوں میں بٹوائی ہیں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے میری بچی کی جان بچ گئی، مگر ننہوں نے اس حال کو پہنچایا ان کی ناک سے

کیسے نکلوں گی دیکھا، جبر خان کی دو ماہ کی نخوانہ ہی کالی ہے مگر اس سینے خان کو حالات کی ہر گواہی کر دہم لوں گی۔“ ان کے سپکا کرے تلخے میں نفرت کی کاٹ تھی، ڈالے نے کچھ چونک کر انہیں

دیکھا۔

”کس کی بات کر رہی ہیں؟“

”وہی جہانگیر حسن شہا، جہان انڈسٹری کا اور، اونہ اپنے آپ کو کچھ سمجھتا ہے، بات یوں آکر

کر کرتا ہے مجھے ساری دنیا اس کی ملکیت ہو، مجھے سے بڑھا کیا تھا اس نے مجھ سے۔“ ان کے لبوں سے جیسے آگ کی ٹپٹیں نکل رہی تھیں، ڈالے کی رنگت کچھ متغیر ہونے لگی۔

”یہ جہانگیر کون ہے مہما، وہی جن کی گاڑی سے یہ حادثہ ہوا؟“ اس نے تعریف ضروری لگئی تھی، سزا آخر بیدی نے مختصر سے سر جھٹکا۔

”ہاں وہی۔“ ان کے اثبات میں دینے گئے جواب پہ ڈالے نے بے ساختہ ہونٹوں کو چھینچا تو

کچھ دیر خاموشی رہی پھر کمرے کے ہونے انداز میں گرد گرد آواز میں بولی تھی۔

”آپ انہیں کچھ نہیں کہیں گی مہما۔“ سزا آخر بیدی کو شاک لگا تھا انہوں نے یوں اسے دیکھا

جیسے اس کی دماغی حالت پہ شبہ ہوا ہو۔

”کیوں؟“ سر سے ہونے پٹی ہوتی، میں تو کبھی اسے معاف نہ کروں، کیس کروں گی اس پر۔“

”مہما! وہ سخت عاجز ہوئی۔

”لیڈو دیس، مجھے یہ بالکل اچھا نہیں لگے گا، دیکھیں نا انہوں نے مجھے ہاسٹل پہنچایا تھا،

ان کا یہ احسان نہیں ہے ہم پہ؟“

”میں ایسے احسانوں پہ سر جھکا نے والی نہیں، ایکسٹنٹ بھی اسی نے کیا تھا تمہارا، اللہ جالے اس وقت نہ لڑی تھی کہنے نے۔“ وہ بڑی طرح بھڑکیں تو ڈالے کی نگاہوں میں تنگی آگئی۔

”ایک بات یاد رکھیے گا مہما، اگر آپ نے ان کے ساتھ کوئی بدسلوکی کی تو میں آپ سے کبھی

بات نہیں کروں گی۔“ اس نے قطعیت سے کہا اور کروٹ بدل کر چہرا دوسری جانب کر لیا، سزا آخر بیدی کے اھصاب کو شہید دھچکا لگا تھا، وہ کتنی دیر تک غیر یقینی سے ڈالے کی پشت کو گھورتی رہی تھیں، پھر خود کو سنبھالا اور کھرا سانس بھر کے اس کے بید کے گرد کھوم کر اس کے سینے سامنے آگئی تھیں۔

”ایک تو میں تمہاری اس نرم دلی سے سخت عاجز ہوں، خیر بے فکر ہو جاؤ، میں کچھ نہیں کہوں گی اسے، وہ بے مجھے دکھ ہوتا مے انہی ماں پہ ایک غیر فکر چھٹی انسان کو قویٰ دے دی۔“ ان کے منہ کی بھرے انداز پہ ڈالے جانے کیوں اس بلبلان سے نظریں چرا گئی تھی۔

”بات یہ نہیں ہے مہما، اصول کی ہے ظاہر ہے انہوں نے کچھ کر کے اور آپ کے سامنے اپنے

ہوگا، بھر جس طرح وہ متوجہ سے فرما رہی تھیں بھڑکے ہوئے آپ کے سامنے اپنے جرم کا اعتراف کیا اس سے ان کی شخصیت کے بھی مثبت پہلو ہی نمایاں ہوئے ہیں۔“

سزا آخر بیدی نے اب کی مرتبہ اسے کچھ نہیں کہا تھا، بس خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھیں، ڈالے ان کی نظروں سے خائف ہوئی تھی اور جڑ بڑھی، کتنی گہری اندر تک کا عیب پالینے والی نظریں

تھیں۔

”ایسے کیا دیکھ رہی ہیں؟“ اس کا اعتمادی طبع زائل ہوا تھا جیسے کچھ تنگی سے بولی۔

”تم نے دیکھا ہے اسے؟“ ان کی نظروں کی طرح سے ان کا لہجہ بھی کھوجتا ہوا سا تھا۔

”کسے؟“ ڈالے سمجھ تو گئی تھی پھر کبھی دانستہ تمنا لے عارفانہ سے کام لیا اور نظریں چرا لیں۔

”جہانگیر حسن شاہ کو؟“

اس براہ راست سوال پہ ڈالے اچھی خاصی گڑبڑا گئی، حالانکہ بات کچھ ایسی بھی غیر معمولی

نہیں تھی مگر اب بن چکی تھی، وہ ایسے دل کی اس بات سے ہی ابھی تک ششدر تھی، بے بس حیران، اچانک کہیں واردات ہوئی تھی، ابھی تو وہ ایسے نقصان پہ ہی حیران تھی، ابھی تو وہ خدا اپنے

آپ سے اس اعتراف سے گریزاں تھی ہرگز نہیں چاہتی تھی، انہیں اس بات کی بھٹک بھی پڑے، جیسی صاف منکر ہو گئی تھی۔

”نہیں میں نے کہاں دیکھا، کیوں تو پھر رہی ہیں آپ؟“ اس نے پوری کوشش کی تھی اپنے

لہجہ کو بے نیاز لائق اور سرمری بنا لے میں جس میں وہ پہنچ نہیں سکتی حد تک کامیاب ہوئی تھی۔

”ایسے ہی، وہی ہاسٹل لایا تھا نا انہیں اس لئے۔“ وہ بھی اسی کی ماں تھیں، بات بدل کر لیں،

ڈالے نے کھرا سانس بھرا۔

”میں بے ہوش تھا تب، البتہ جبر خان سے معلوم ہوا تھا یہ مجھے۔“

”اوکے فائن، تم آرام کرو، جیسے آرام کی ضرورت ہے، پریشان ہونے کی ضرورت نہیں،

میں اپنی بچی کے ساتھ معافی کر چکی ہوں اس لیے۔“ انہوں نے احسان جلتا نے والے مگر حکمر انداز میں کہا تھا اور اس کا سر جھٹکتی ہوئی باہر چلی گئیں، ڈالے نے خٹکنا سانس بھر کے آنکھیں

موند لی تھیں کراسی مل جہان کا وہ خالسا دیہہ و شادندار اس پر تمام تر دکھ سیٹ اس کی نگاہوں میں

اتر آیا تھا، ڈالے نے ایک دم گہرا کر آنکھیں کھول دیں اور یوں سر جھٹکا جسے اس کے خیال سے

نجات حاصل کرنا چاہتی ہو، مگر ایسا ممکن کب تھا، اس کی یادداشت کے پردے پہ وہ منظر لہرائے لگا، جب اسے ہوش آیا تھا، ڈاکٹر زاس کی مرہم پٹی کرچکے تھے ہوش میں آنے کے بعد بھی وہ بہت تکلیف محسوس کر رہی تھی۔

”مشرع جاکر آپ کے حکمت کریں پھر عدالت کی حالت خضر سے ماہر ہے۔“ یہ یقیناً ڈاکٹر کی آواز تھی جو اس نے ہوش نہ آنے کے بعد بھی کہی تھی اور بے اختیار ہی اس کی نظر کی سمت اٹھ چکی تھیں، وہ نے لڑکے کے ساتھ جو ٹیوشیں بھی پیش کرنا چاہیں اور اس کی نظر کی طرف توجہ نہیں دے سکے، وہ نے لڑکے کو مدد دینا ہی غرضت کا مالک تھا، اپنی نمایاں ہونے کا باعث یہ کہ وہ درخش سا راز نہ نفوس سمیت وہ پیشکش تھا ہی اتنا خاص یا اسے کہ تھا کہ وہ ایک کبک سے دیکھتی چلی گئی تھی۔

”آپ چاہیں تو چلے جائیں، ان کی والدہ کو ہم فون پر اطلاع دے چکے ہیں، اگر وہ چاہیں گی تو ہم آپ سے ملوا دیں گے۔“ ڈاکٹر جہانگیر کو مخاطب کر کے بہت رساں سے کہہ رہا تھا، جہان نے سر کوئی بین جنبش دی۔

”میں ڈاکٹر صاحب ہی بالکل مناسب نہیں ہے، جب تک پیسٹ کو ہوش نہیں آتا، میں یہیں رکوں گا۔“ وہ بولا تو ڈالے کو احساس ہوا تھا اس کی شخصیت کی طرح سے اس کا لہجہ بھی از حد متاثر کن ہے۔

”یہ لیجئے آپ کی پھینٹ کو ہوش آگیا۔“ ڈاکٹر کی نگاہ ڈالے یہ بڑی تودہ اس کی سمت لپکتے ہوئے جہاں کبھی خوشخبری سنانے لگا تھا، ڈالے نے فی الفور نگاہ کا زاویہ بدلا کہ اب وہ لازماً اس کی سمت متوجہ ہوتا۔

”آری او کہ مس!“ ڈاکٹر اس کا چپک اپ کرنے میں مصروف تھا جب جہان نے بہت شائستگی و ملامت کے ساتھ اسے مخاطب کیا تھا۔ ڈالے نے اپنے پورے وجود میں اس پل اس کی توجہ راہروں کی بھری محسوس کی تھی، اس نے جواب میں کچھ کہنا چاہا مگر آواز اس کے صلیق میں گھٹ کر رہ گئی، ڈالے کو یہ تھا خواہ مخواہ زندگی نہ آئے، ڈاکٹر نے اس کا سر تھپکا تھا۔

”ریلیکس سے ڈالے کو، بہت انا اذیت چلو رہا ہے جو اس نے“

وہ کچھ کہ بغیر بھی اُنھوں کو چھوٹکی بوٹ چٹاں ہی تھی، جہاں نہ بھی اسے تسلی سے نوازا تھا، وہ اسے بار بار دیکھتا رہتا تھا، اس کی نگاہوں میں سوائے ہمدردی اور مسک سے خزاے کو کوئی اور جذبہ ڈھونڈنے سے بھی نہ ملا تھا اور اس کے اندر کھوں میں صدیوں کی محسوسِ اِتر آتی تھی، اس نے کتنی بایست سے سوچا تھا، کیا ضروری تھا کہ اسے زندگی کے اس مقام پہ اتنی ایک اور شریعت عطا ہوتی جب زندگی میں درد کے سوا کچھ نہیں تھا، پھر اِتر حقوں میں اس ایک اور حسرت کا شامل ہونا اتنا ضروری تو نہیں تھا، وہ بہت دیر تک اُنسو بہاتی ہوئی سوچتی اور کسکتی رہی تھی۔

☆☆☆

میری نیند مجھ سے بچھڑ گئی میرے خطبہ مجھ سے جدا ہوئے
یہ بڑا ہی غم کا مقام ہے ذرا لوٹ آئیں اس ہوں
کئی پھوٹ پھوٹ کر رہا ہے ابھی تک کمری ذات میں

اسکریں یہ بلکہ کرتے اس کے نام کو دیکھا، اس کے چہرے دو آنکھوں میں جیسے اذیت مٹھ رہی تھی، اس نے دل کڑا کرتے ہوئے اس کی کال ریسیوی، وہ اسے انور کے کانے کا حوصلہ کہاں سے لاتا۔

”بھلوے کہاں ہو تم؟“ وہ چھوٹنے ہی بولی تھی، جہاں نے سمجھتے ہوئے لیوں کو کھولا اور خود کو جبراً سنبھال کر آہٹکی سے بولا تھا۔

”لاہور تم جانتی تو ہو۔“ اس نے لاشوری کو شش کی تھی اپنا لہجہ و انداز نابل رکھنے کی۔

”کیوں بھاگ رہے ہو تحقیقت سے بے اتم کیا سمجھتے ہو اس طرح تم حاصل کر لو گے مجھے؟ بہت غلط خیال ہے تمہارا، یاد رکھنا ہے اگر میرے ساتھ زبردستی کی تو میں خودکشی کر لوں گی۔“ وہ بول نہیں رہی تھی کو کیا لفظ چپا رہی تھی، اس کے ایک ایک لفظ سے نئی جھلک رہی تھی، جانے کب کا غبار تھا جواب نکلا جا رہا تھا وہ چپٹ پڑی تھی، جہاں دانت پیچھے چھتر چہرے کے ساتھ خاموش کھڑا رہا۔

”بولتے کیوں نہیں ہیں ہے۔“ وہ زور سے چپٹی۔

”تم کسی بہت بڑی غلطی کا شکار ہو زنبب! میں تم سے بھاگ نہیں رہا ہوں، برنس کے سلیپے میں یہاں ہوں اور بہت بڑی ہوں، فضول قسم کی باتوں اور سوچوں کے لئے مجھے میرے پاس وقت نہیں ہے، یہ ہمارے بزرگوں کا فیصلہ تھا جس سے میں نے اعتراض ضروری نہیں سمجھا تھا، میرے خیال میں شادی ایک بنیادی ضرورت ہے جو کسی سے بھی ہو جائے زندگی ہی گزارنی ہوتی ہے نا، وہ تم ہو جس یا کوئی اور، مجھے اس سے طبعی کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ وہ بولا تھا اور جیسے اندر کا سارا غبار نکال کر دیا۔ اپنے چند ارادہ و تقاریر کی حفاظت کرتے اسے اپنے الفاظ کی سختی کا سہرہ حال خیال نہیں رہا تھا، وہ بہت اتار چڑھا تھا، اس نے اس وقت اس راز کو افشاء نہیں کیا تھا، جب امید کے سارے جگنو اس کی محبت میں روشن تھے، پھر اب وہ اپنے انمول جذباتوں کی پانی کیسے برداشت کر لیتا جبکہ ایسا کوئی چاہس باقی نہیں بچا تھا، دوسری جانب زنبب یقیناً بری طرح سے پرل ہوئی تھی جب ہی کچھ فائینوں کو بالکل خاموش کر دے، پھر معاس اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔

”گنڈا! مجھے آپ سے اسکی ہی سمجھ داری کی تو تھی، ویسے بھی محبت آپ جیسے بزدل انسان کو کرنے کا کوئی حق بھی نہیں ہے، جو محبت کے جذبے کو دل میں دبا کر اسے ختم نہ ہونے پہ مجبور کر دیے۔“ زنبب نے اپنی کہانیاں اپنے جیسے طنز یہ لہجے کے ذریعے نکال دی تھی، جہاں کے چہرے پر زخمی مکان بھر گئی، وہ بول مہرے سانس بھرنے لگے کچھ گہری سانس اور پشیمانی کا شکار ہوا ہو۔

”پھر آپ منع کر دیں کیا؟“

”کردوں گا ڈونٹ وری۔“ جہاں کا لہجہ خشک تھا۔

”کب؟ کیا نہیں گے؟“ وہ بے صبرے پن سے بولی تو جہاں کے ماتھے پہ تیوری چڑھ گئی۔

”یہ میرا ہیک ہے۔“ وہ ہنگامی کے مرتدی سے بولا، زنبب کچھ قہقہے ہو گئی۔

”میرا مطلب ہے تیور کا ذکر نہیں آنا چاہیے، آپ سمجھ رہے ہیں نا؟“

”ڈونٹ وری۔“ جہاں اس سے زیادہ اس بے رحمی سے بات نہیں کر سکتا۔

”ڈونٹس ہے! ویسے وہ ہے نا کوئی جس کی یادیں آپ نے دائری میں محفوظ کی ہیں۔“ مطلب نکل گیا تھا، اب وہ پھر اس سے اسی انداز میں بات کر رہی تھی، جہاں کو اس کی بے رحمی کے مظاہرے نے کوفت زدہ کر دیا تھا۔

”ہاں ہے۔“ وہ زخمی انداز میں سکرایا، کیسا عجیب و غریب تھا، وہ اعتراف کر رہا تھا مگر اس طرح کہ نہیں کرنا چاہیے تھا، زنبب کچھ لمحوں کو بالکل خاموش ہو گئی۔

”تو میرا اندازہ غلط نہیں تھا، گنڈ، کون ہے وہ اب تو بتا دیں؟“ وہ بولی تو لہجے سے پہلے کی بشتاشت معنوقد تھی مگر جہاں خود اذیت کے بل صراط سے گزر رہا تھا اس تہذیبی بے دھیان نہیں دے سکا، البتہ اس کے الفاظ نے اسے جیسے برزخ میں ڈھکیل دیا تھا، اتنا شش آیا کہ وہ آپے سے باہر ہو کر رہ گیا۔

”مجھ نہیں لگتا زنبب کہ تم کچھ زیادہ ہی پر سل ہو رہی ہو؟“ اس کے اندر آگ تھی مگر اس کا لہجہ اس قدر سرد تھا، زنبب پہ گویا گھڑوں کے حساب سے پانی پڑ گیا۔

”اوہ سوری، اس اذیت کے۔“ وہ سخت زدہ کی بولی تھی، جہاں نے جواب میں کچھ کہے بغیر ہوش بچھتے رکھے تھے، زنبب کے فون کرنے پہ وہ مبراہتوں میں تمام کر بیٹھ گیا تھا۔

☆☆☆

جہاں اس نے پلٹ کر شاہ باؤس میں قدم رکھا خود پر حرام کر لیا، پچا کے فون ماما بھانجان کے بلاؤں اور پاپا جان کے اصرار کے باوجود بھی نہیں گیا تو پاپا جان خود اس کے پاس چلے آئے تھے، کچھ بریشاں اس سے بڑھ کر مشکور وہ ان سے نظر میں چرا لے لگا۔

”آپ نے کیوں زحمت کی پاپا جان میں اب دو دنوں میں آنے کا سوچ رہا تھا۔“

”میں نے سوچا میں بھی لاہور جا کر تو دیکھوں ایسا کیا ہے یہاں کر جس نے میرے بیٹے کو مجھ سے چھیننے کی سازش شروع کر دی ہے۔“ وہ جھل سا ہو کر رہ گیا پھر آہٹکی سے بولا تھا۔

”ایسا کچھ نہیں ہے پاپا جان!“

”میرا تو خیال ہے منگنی کی بجائے شادی کر دیں تمہاری، یہاں اکیلے ہو تم بیوی کے ساتھ ہولٹ ہو جائے گی۔“

”نہیں پاپا جان پاپا میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا ہوں۔“ وہ سختی سے چپٹی سے گڑبڑا کر بولا پاپا جان نے بغور اسے دیکھا تھا اور بہت دیر تک دیکھا۔

”شادی ہی نہیں کرنی جہاں پاپا زنبب سے نہیں کرنی؟ تم کہیں اور تو انوالو نہیں ہو گئے ہو؟ اگر ایسی بات ہے پھر بھی نہیں بتا دو؟“ پچا کے الفاظ نے اسے گنگ کر دیا تھا، اس کے لئے رہا ہموار ہو رہی تھی، وہ انکار کر سکتا تھا مگر الفاظ اس کی زبان سے اڑائیں ہو پارے تھے، وہ ساکن بیٹھا رہا تھا۔

(باقی آئندہ)

نورجیٹ نو رجیٹ

◆◆◆ شائستہ ساجد ◆◆◆

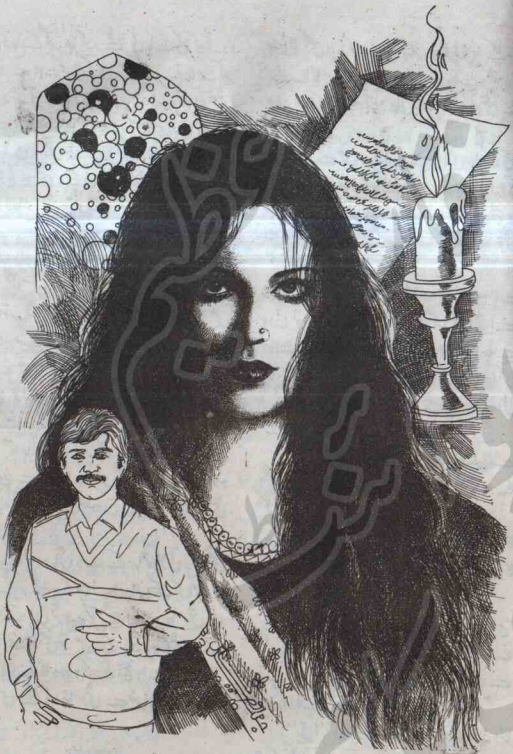
”تم کیا سمجھتی ہو تمہاری ان سکیوں اور آہوں سے خوف کھا کر تمہارے ساتھ ہمدردی کروں گا، یا پھر تم پر ترس کھا کر تمہارا ہاتھ تمام کر تمہارے اس حلق کے حوالے کر دوں گا جس نے زندگی کے ہر موڑ پر مجھے مات دی، وہ کیا سمجھتا تھا کہ مجھے ہمیشہ اسی طرح بھرتا رہے گا اور میں ہمیشہ کی طرح خاموشی سے دیکھتا رہا ہوں گا لیکن وہ نہیں جانتا کہ میرا نام ضرار علی ہے ”ضرار علی“ میں نے آج تک جسے چاہا اسے پایا، تو پھر اس نے یا تم سے نہ یہ کیسے سوچ لیا کہ میں اپنی محبت سے دستبردار ہو جاؤں گا اور دیکھو آج میں جیت گیا جیت..... دعا احمد جیسی مغرور لڑکی میرے کمرے میں میری دوہن بن کر بیٹھی ہے اب میں اس کے ساتھ جو مرضی سلوک کروں..... اور وہ.....“ (”حسن کمال“ بڑا نا تھا اسے اپنی محبت پہ، کتنی آسانی سے وہ راستے سے ہٹ گیا، بلکہ میں نے ہٹا دیا، وہ بیٹھا ہو گا نہیں اپنی ناکام محبت پہ مات کرتا..... بابا..... بابا.....“ ضرار علی قہقہہ لگاتے ہوئے سرخ لہجے میں کہی سبھی سی بیٹھی دعا کی طرف بڑھا، اس کی سسکیاں اب دم توڑتی جا رہی تھیں، ضرار کے قریب آنے پہ وہ مزید ہنس گئی، اس نے اس کا سرخ آنچل ٹوچ کر ایک طرف پھینک دیا۔

اس کے سرخ یا توٹی ہونٹوں سے دہلی سی سسکی ابھری، اس کا گلابی چہرہ خوف سے زرد پڑ گیا، وہ جنونی انداز میں قہقہہ لگاتے ہوئے اس کے قریب بڑھتا گیا، شیخ آہستہ آہستہ چلتی رہی،

رات دھیرے دھیرے سرتپتی رہی، دعا کے سارے ارمان ساری خواہشیں، خواب خاموش آنسوؤں میں ڈھل گئے۔

☆☆☆

ضرار علی اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھا، جب وہ صرف پانچ سال کا تھا تو اس کے ڈیڑی اس کے ہم عمر ڈوسرے سہمے سے بچے کو کھرے کر آئے اور کہا یہ حسن کمال ہے میرا بہت ہی قریبی دوست تھا، اس کا بیٹا ایک حادثے میں اس کے سب کچھ والے مارے گئے اور یہ پانچ سال کا بچہ اکیلا رہ گیا تو اسے میں کھرے آیا، آپ اسے اپنا بھائی بنا لو، ایک ساتھ کھلا کرو اور اسکول جایا کرو، ضرار علی بہت خوش ہوا، اسے کھیلنے کے لئے ایک دوست مل گیا تھا، لیکن اس کی مٹی کو وہ بالکل پسند نہیں آیا بیات بات سے اسے ڈانٹتی تھی، پہلے پہلے تو ضرار کو برا لگتا تھا، لیکن جب اسکول میں حسن کمال نے ہر کلاس میں پوزیشن لینا شروع کیا، پھر غیر نسائی گریڈوں میں بھی وہ آگے آ کر رہنے لگا تو اسکول سمجھ کر علاوہ اس کے ڈیڑی نے بھی اسے اہمیت دینا شروع کر دی، تو اسے غصہ آتا ہی لئے اسے جب بھی موقع ملتا وہ حسن کمال کو خوب پینٹا، پھر عمر کی سیریاں طے کرتے کرتے دونوں بڑے ہو گئے، بڑے ہو کر وہ ظاہری طور پر تو اس کا دوست تھا لیکن اندر سے ان کو چلن محسوس کرتا، اس کے صبر کا بیانا تب لہریز ہوا جب یونیورسٹی کی خوبصورت ترین لڑکی دعا سے اپنی محبت کا اظہار کیا تو اس نے بڑی



خوبصورتی سے یہ کہہ کر انکار کیا کہ اس کے دل پہ ”حسن کمال“ حکومت کرتا ہے، ضرار کا بس نہیں چلا کہ وہ حسن کمال کو جان سے مار دے لیکن اس نے بڑے عقل سے حسن سے دعا کے بارے میں پوچھا تو اس نے مسکرا کر کہا۔

”ہاں ہم ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور لاسٹ سمسٹر کے بعد میں اکل سے بات کروں گا اور پھر مجھے ہی میری کوئی جاب ہوئی تو ہم شادی کر لیں گے“، ضرار خفیاں بیٹھتا ہوا رہ گیا، اس نے کھر آ کر اپنی مٹی سے بات کی، اس

نے دعا کے گھر جا کر رشتے کی بات کی کیونکہ وہ ضرار سے بہت محبت کرتی تھی اس لیے بڑے گھر سے رشتہ آئے یہ اس کے باں باپ بہت خوش ہوئے، کچھ حیران بھی تھے، لیکن ضراری بھی نے ایسی ایسی باتیں کی کہ وہ لوگ مان گئے، احسن کے ڈیڑی بھی بیٹے کی خوشی میں خوش تھے، لیکن جب دعا اور احسن کو پتا چلا تو ان پر قیامت ٹوٹ گئی۔

دعا بہت روٹی، احسن مچھ کر بیٹھا رہا۔
”احسن! خاموش کیوں ہیں بولیں نا کچھ، آپ گھر جا کر بات کریں گے نا، میں گے، سب کو کہ ہم ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، بولیں نا احسن۔“ دعا نے روتے ہوئے پوچھا، احسن کچھ خاموش رہا، پھر بہت تھکے تھکے سے لیے میں بولا۔

”دعا! اکل کے مجھ سے بہت احسان ہیں میں ان سے کوئی بات نہیں کر سکتا۔“ یہ کہہ کر وہ اٹھ گیا، دعا خالی خالی نظروں سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔

پہلے تو وہ ماں باپ کے ساتھ لڑتی رہی تھی ضرار کے رشتے کے خلاف، یہاں تک کہ اس کی شادی کے دن قریب آ گئے اور وہ خاموشی میں رہی، احتجاج بھی تو کس کے لئے وہ جو بحث میں ساتھ بھانے کا وعدہ کر کے سچ راستے میں چھوڑ گیا، اسی لئے وہ خاموشی سے ضرار کی ملی دلیں بن گئی۔

☆☆☆

”ڈیڑی! احسن کہاں ہے، میری شادی پتو وہ نظری نہیں آیا، آپ تو کہا کرتے تھے کہ میں اسے بھائیوں کی طرح سمجھوں۔“ ضرار نے ناشتے کی ٹیبل پر بیٹھے یہ پوچھا۔

”ارے کبھی غیر اپنے بنے تمہارا بھائی

ہوتا تو کبھی ایسا کرتا بھلا تمہارے ڈیڑی اکیلے ہی سارے کام نمٹاتے رہے اور وہ جاب وغیرہ کا بھانہ کر کے اسلام آباد چلا گیا۔“ اس کی می نے غصے سے کہا۔

”اے میں نے اجازت دتی تھی جانے کی، وہ نہیں جا رہا تھا، میں نے اس سے کہا تھا کہ اتنی اچھی جاب کی آخر بار بار نہیں ہوتی اس لئے وہ انٹرویو بس مت کرے۔“ ڈیڑی صفائی پیش کرتے ہوئے بولے۔

”بس رہنے دیجئے آپ، اگر ایسی بات ہوتی تو وہ رات ہی واپس آ گیا تھا، تو اسے ہمارے ساتھ ناشتے کی ٹیبل پر موجود ہونا چاہیے تھا، گا بھائی ہوتا تو اسے کتنا شوق ہوتا ہائی بھائی دیکھنے کا۔“ می کے اس طرح کہنے پہ، دعا کا دل لرز اسا گیا۔

”ارے احسن رات واپس آ گیا، میں اسے ابھی لے کر آتا ہوں۔“ ضرار نے اٹھتے ہوئے کہا۔

دعا نے زور سے آنکھیں بند کر لیں، اس کا دل چاہا کہ وہ اٹھ کر چلی جائے، وہ بھلا احسن کا سامنا کیسے کرتی۔

”بیٹی احسن ہے تو میرے دوست کا بیٹا لیکن مجھے ضرار کی طرح ہی عزیز ہے ضرار نے آپ کو بتایا ہوگا۔“ ڈیڑی نے بہت شفقت سے اسے قاطب کر کے بتایا۔

”می! وہ رز نہ ہوئوں سے صرف اتنا ہی کہہ سکی۔“

”احسن! ارا اچھے بھائی ہو میرے کہ تمہیں اپنی بھابھی دیکھنے کا بھی شوق نہیں۔“ ضرار کی بظاہر تو چھٹی ہوئی آواز تھی، لیکن دعا اور احسن ہی جانتے تھے کہ اس کے لہجے میں کتنا زہر ہے۔

”ان سے ملو۔۔۔ یہ ہے تمہاری بھابھی دعا

ضرار! اور دعا یہ احسن ہے، ویسے تو میرا ہم عمر ہی ہے لیکن تم اسے دیویری کہہ سکتی ہو۔“ دعا کا رنگ ہلکی سی طرح زرد ہو گیا، اس نے ہاتھ ٹیبل پہ پڑی پلیٹ پر جما دی، اس کی آنکھوں کے کنارے جھلکنے کو تیار تھی تھے۔

”اسلام علیکم۔“ احسن نے مری مری سی آواز میں کہا، وہ جواب نہ دے سکی، اگر کوئی تو لیے میں کی سب محسوس کرتے اسی لئے خاموش بیٹھی رہی۔

”آؤ بیٹا! بیٹھو ناشتہ کرو۔“ ڈیڑی نے محبت سے کہا۔

”نہیں اکل! آپ لوگ کریں، اصل میں میں اپنی کچھ چیزیں لیے آیا ہوں، میری جاب فوری سے اشارت ہے، اس لئے مجھے اسلام آباد کے لئے نکالنا ہے۔“ احسن نے معذرت کرتے ہوئے جواب دیا۔

”بیٹا! ناشتے میں اتنا نام تو نہیں لگے گا۔“ ڈیڑی نے اصرار کیا، لیکن وہ دہاں مزید نہیں رک سکتا تھا اس لئے دوبارہ معذرت کر کے چلا گیا، ضرار نے اسے آواز بھی دی، لیکن وہ نہیں رکا، دعا نے اتنی جلدی جاں چھوٹنے پہ شکر ادا کیا، ورنہ ضرار جانے کب تک انہیں اذیت دیتا رہتا۔

☆☆☆

”بہت یاد آ رہی ہے تمہیں اپنے عاشق کی۔“ وہ ٹیس سے کسم پٹی کھڑی تھی ضراری کی آواز پہ چونک کر اسے شہو نہ لگا ہوں سے دیکھا۔

”میں نے کوئی غلط بات تو نہیں کی۔“ وہ جیسے ہلے میں بولا۔

”چلیز! تو ان باتوں کا چھوڑ دیں، میں اب بیوی ہوں آپ کی۔“ اتنے دنوں بعد اس نے آج زبان کھولی تھی۔

”لیکن پہلے تم اس کی محبوبہ تھی۔“ وہ دانت

پیش کر بولا، دعا کے سینے میں درد کی ایک لہری اٹھی، اس نے نظریں جھکا لیں۔

”وہ کیا سمجھتا ہے، میں اسے سکون سے رہنے دوں گا، جس طرح اس نے مجھے اتنا عرصہ تکلیف پہنچا رکھا، مجھے ہرموڑ پہ مات دیتا رہا، میں بھی اسے ایسی آگ میں جلاؤں گا کہ وہ سلگ سلگ کر مر جائے گا۔“ دعا کا تھادل کانپ اٹھا۔
”اور تم جو ہر وقت روٹی صورت بنائے اس کا سوگ منائی رہتی ہونا، تمہیں بھی میں اس کی سزا دوں گا۔“ وہ اس کے قریب آ کر پھکارا کہ خوف سے وہ قدم پیچھے ہٹ گئی۔

”مجھ سے صاحب! تنگ صابر کھانے پہ بلا رہی ہیں۔“ ملازما آنے پہ وہ خاموش ہو گیا، دعا نے کبھی سکھ کر سانس لیا اور ضرار کے جانے سے پہلے خود ہی بھاگتی ہوئی نیچے چلی گئی۔

”بیٹا! لوگوں کا کھونٹے پھرنے کا کیا ارادہ ہے۔“ می نے بہت پیار سے پوچھا، انہیں معصوم دعا بہت پیاری لگتی تھی۔

”میرا ارادہ تو یورپ جانے کا تھا لیکن آپ کی بھوکہ پٹی ہے کہ اس نے تو اسلام آباد بھی نہیں دیکھا اس لئے ہم نے سوچا پہلے کچھ دن احسن کے پاس گزاریں گے پھر آپ کی بھوکہ دل چاہا تو یورپ بھی چلے جائیں گے۔“ ضرار نے بڑی صفائی سے جھوٹ بولا، اس نے چونک کر ضراری طرف دیکھا۔

”ہاں ہاں کیوں نہیں بیٹا! احسن کو کمپنی کی طرف سے ہائٹ بھی ملی ہے آپ دونوں کچھ دن گزارو وہاں جا کر کھو مو پھرو۔“ ڈیڑی نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

”بیٹا! جیسے بھوکے جہاں جانے کو وہ خوش ہوا ہے وہیں لے جاؤ۔“ خلاف توقع احسن کی وجہ سے می نے منع نہیں کیا، دعا کمانا

چھوڑ کر کھڑی ہو گئی۔

”کیا ہوا بیٹا! اٹھ کیوں گئی۔“ مٹی نے پریشانی سے پوچھا۔

”مجھے بھوک نہیں ہے۔“ وہ ہنسنے لگی۔

”اسلام آباد جانے کی خوشی میں بھوک ہی ختم ہو گئی، تو پھر ہم آج ہی چلتے ہیں تم چاؤ تیاری کرو، میں بھی آتا ہوں۔“ ضرار نے زہری کی مسکراہٹ سے کہا، وہ کچھ کچھ بغیر وہاں سے چلی گئی۔

”ضرار حد ہوتی ہے کسی بات کی، میں اتنے دنوں سے آپ کی باتیں برداشت کرتی جا رہی ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں آپ کی یہ بات بھی مان لوں گی۔“ ضرار کے کمرے میں آتے ہی وہ بیٹھ پڑی تھی۔

”جس طرح تم اس وقت زبان چلا رہی ہو نا، اگر آئندہ تم نے میرے ساتھ ایسی باتوں کی تو میں تمہاری زبان کھینچ لوں گا، جی تم۔“ وہ اس کے بازو کوٹھے سے پکڑ کر جھپٹتے ہوئے بولا۔

”میں اسلام آباد نہیں جاؤ گی۔“ وہ سہمی ہوئی آواز میں بولی۔

”جینکے کرو۔“ اس نے اس کے بازو پر دباؤ ڈالا، دعا کے منہ سے سسکی سی ابھری، آٹسو پھسل کر گالوں پر گر گئے۔

تو ضرار نے اس کا بازو چھوڑ دیا۔

☆☆☆

سارا راستہ خاموشی سے گزرا، جب وہ لوگ اسلام آباد پہنچے تو اسن کے استقبال کے لئے فلیٹ کے دروازے پر ہی کھڑا تھا، ضرار نے اپنے آنے کی اطلاع پہلے ہی دے دی تھی، دعا نے نیوی بلیوکر کے کام والا سوٹ پہنا تھا۔

عام فلوں میں اس رنگ میں وہ بہت خوبصورت لگتی تھی، لیکن آج اس کی کوہی رنگت

میں کچھ زردی سی لگی تھی، احسن نے اسے ایک نظر دیکھ کر نظریں جھکا لیں، پھر بہت خوشدلی سے ضرار سے ملنا، حسب معمول ضرار کے لہجے اس کی باتوں میں طنزیہ طرز تھا جسے سن کر وہ لوگ کسی نہ کسی طرح برداشت کر رہے تھے۔

احسن ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگ گیا، پھر جب اس کی برداشت جواب دے لگی تو وہ آگس کا بہانہ کر کے اٹھ گیا۔

”تم لوگ کھانا کھا لیتا، میں نے بنوا دیا تھا، میں دیر سے واپس آؤں گا۔“ یہ کہہ کر وہ چلا گیا، ضرار نے غصے سے منھ پھینچ لیا۔

”حسن تمہارے چہرے پر جلن، حسد دیکھ کر مجھے بہت سونگن ملتا ہے، تمہیں سونگن سے جینے نہیں دوں گا۔“ دعا نظریں جھکا کر ہمیشہ جی رہی۔

”بہت خوش ہو رہی تم بھی اپنے پرانے عاشق کو دیکھ کر۔“ اس نے دعا پر جملہ کسادہ ہو کر گئی، لیکن خاموشی سے لب کاٹی رہی، اسے ضرار کی ذہنی حالت پر شک ہو گیا لیکن خاموش بیٹھی رہی، فون کی بیل ہوئی تو ضرار اس میں مصروف ہو گیا۔

”جی ڈیڈی! ہم خیریت سے پہنچے، جی، جی کچھ دن رہیں گے، دعا بھی ٹھیک ہے بلکہ بہت خوش ہے، ٹھیک ہے ڈیڈی یہ لوگ چلیں جائیں گے، اوکے رات کا کھانا ادھر ہی کھا لیں گے، جی کیسی ہیں؟ اللہ حافظ ڈیڈی۔“ فون بند کر کے وہ

اس سے مخاطب ہو کر بولا۔

”نیا ہو جاؤ ہمیں ڈیڈی کے دوست کے گھر جانا ہے ڈیڈی نے انہیں بتایا تو انہوں نے ہمیں فون پر انوائٹ کیا ہے، ابھی چلتے ہیں، بہت اچھی ٹیلی ہے، پہلے جب بھی میں اسلام آباد آتا تھا ادھر ہی ٹھہرتا تھا۔“ ضرار نے کچھ تفصیل سے بتایا تو وہ ہر ہلکا کر اٹھ گئی، ضرار نے ڈیڈی کے اس دوست کا نمبر ملایا اور انہیں کچھ دیر میں پہنچنے کا

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیں

ابن انشاء

15/-	اردو کی آخری کتاب
200/-	غبارِ گندم
25/-	دنیا کول ہے
200/-	آوارہ گرد کی ڈائری
200/-	ابن بطوطہ کے تعاقب میں
130/-	چلتے ہو تو چین کو چلئے
5/-	نگری عمری پھر اسافر
200/-	خطا شادی کے
165/-	بستی کے اک کوپے میں
165/-	چاندگر
250/-	دل چٹھی
250/-	آپ سے کیا پردہ
200/-	ڈاکٹر مولوی عبدالق
60/-	قواعد اردو
120/-	انتخاب کلام میر
120/-	ڈاکٹر سید عبداللہ
160/-	طیفِ بشر
120/-	طیفِ غزل
120/-	طیفِ اقبال
	لاہور اکڈمی، چوک اردو بازار، لاہور
	فون نمبر: 7321690-7310797

ہاتھ لای لائی میں ہی اسے دعا نظر آگئی، جس کے بازو پٹی بندھی ہوئی تھی اور ماتھے پر بھی بینڈج ہوئی تھی، وہ بیٹھی مسلسل رو رہی تھی، اسن کو دیکھ کر بتائی ہے اس کی طرف بروی۔ ”کہاں ہے ضرار۔“ اسن نے نرمی سے پوچھا، اس نے روئے ہوئے سامنے کی طرف اشارہ کیا۔

”دعا خود کو سنیاوا کچھ نہیں ہوتا، اٹھل اور آئی کو اطلاع دے دی۔“ اس نے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔ ”نہیں میرا اتنا حوصلہ ہی نہیں پڑا کہ میں انہیں بتا سکوں۔“ اس نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

ضرار آئی پو میں تھا اس سے وہ اسے صرف دور سے دیکھ ہی سکا، اس کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے، جو بھی وہ تھا لیکن اس نے ضرار کے ساتھ اپنا بچپن گزارا تھا اسے بالکل بھائیوں کی طرح سمجھا تھا، اپنی آنکھوں کی نمی کو چھپائے ہوئے دعا کو لٹی اور پھر گھر کا کمر ملایا، انہیں سیریس، ایکٹیفک اور توہین بتایا صرف نازل ہی بتایا، لیکن وہ لوگ پریشان ہو گئے تھے اور اسی وقت اسلام آباد کے لئے نکل پڑے تھے۔

☆☆☆

ضرار ہوش آ گیا تھا، اب وہ خطرے سے بھی باہر تھا، لیکن اس کا سارا جسم بیٹوں سے جکڑا ہوا تھا، ڈاکٹرز نے اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ ہو سکتا ہے جب وہ مکمل صحت پا ہو گیا تو اس کی بائیں ٹانگ میں ٹھوڑی سی لٹکڑا ہٹ ہو، لیکن ایسا ہونے کے صرف دس پرسنٹ چانس تھے، نوے پرسنٹ مکمل صحت یاب ہونے کے تھے، ابھی ڈاکٹر نے انکشن دیا تھا جس کی وجہ سے وہ سو رہا تھا، دعا اس کے قریب ہی بیٹھی تھی۔

”دعا یہ میں کھانا لایا ہوں تم کچھ کھا لو، تم کی حالت ہوئی ہے تمہاری۔“ اسن نے کمرے میں آکر اسے کچھ شاہرز پکڑاتے ہوئے کہا۔ ”نہیں مجھے بھوک نہیں ہے، ضرار کا جائیں، اگر انہوں نے کچھ کھایا تو پھر میں بھی کھا لوں گی۔“ اس نے شاہرز پکڑ کر سائینڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے جواب دیا۔

”حیرت ہے وہ ہمارے ساتھ اتنا برا سلوک کرتا ہے، بلکہ تمہارے ساتھ تو جانے کیا کیا سلوک کرتا ہے، ہمیں مار چکا ہے، اس کے باوجود تم اس کا اتنا خیال کر رہی ہو۔“ اسن نے حیرت سے کہا، دعا نے اسے ناراض نظروں سے دیکھ کر کہا۔

”اسن کمال! ضرار میرے شوہر ہیں وہ میرے ساتھ جو بھی سلوک کریں، یہ ہم میاں بیوی کا پرسنل معاملہ ہے آپ کون ہوتے ہیں اس معاملے میں بولنے والے۔“ ”تم ان دعا ناراض کیوں ہو رہی ہو، میرا یہ مطلب نہیں تھا۔“ وہ معذرت کرتے ہوئے بولا، دعا نے رخ موڑ لیا، وہ اس کے قریب کرسی بٹھج کر بیٹھ گیا، بہت نرمی سے بولا۔

”دعا جو بھی ہو میں اس بارے میں تم سے معافی مانگتا چاہتا ہوں، پتا نہیں اس وقت میں کیوں کچھ نہیں کر سکا، لیکن اب مجھے احساس ہوا ہے کہ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا، دعا ضرار تو جانتے ہیں کہ وہ اور ڈاکٹرز کے مطابق کچھ پتا نہیں اسے کسی قسم کی معذوری بھی ہو جائے، دیکھئے تم اس کے ساتھ خوش نہیں ہو، تم میرے سامنے جو بھی کہو لیکن میں جانتا ہوں کہ تم خوش نہیں ہو، اس لئے دعا ابھی موقع ہے ہم دونوں بہت دور چلتے ہیں جہاں ہمیں کوئی نہ دھڑلے سکے۔“

”شٹ اپ اسن! تمہاری جرأت کے لئے ایک بات کرنے کی، وہ بھی میرے شوہر کے لئے جو اس وقت ہسپتہ پر پڑے ہیں اسن کمال کا جانو ایک لفظ کالج کے بندھن میں کتنی ہے جو کورت کو بدل کر رکھ دیتا ہے، اس کا اس کے ساتھ جو بھی سلوک کرے، لیکن اس کا اعزازنا اپنے شوہر کے ساتھ ہی ہوتا ہے، اس کے لیے جو بھی تھا مجھے نہیں یاد مجھے صرف یاد ہے کہ میں ضرار علی کی ہوں اور میری بیٹہ اس کی بیٹی، ارے اسن کمال تم سے تو یہ شخص اچھا ہے اس نے مجھ سے محبت کا دعویٰ کیا تو مجھے اپنا بھی اور تم نے اپنی محبت کو اسے سامنے کی اس کا ورکا دیا اور پھر کبھی نہ بولے اور آج بزدلوں کی جگہ مجھے یہاں سے بھاگ جانے کا کہہ رہے میری بات غور سے سنو، خدا میری عمر بھی میرے شوہر کو لوگ جائے، اگر خدا غصہ سے خواہستہ کچھ ہو گیا تو میں تمہارے جیسے شخص کی طرف سے کسی پسنڈ نہیں کروں گی، جو اپنے حق سے پیٹنے عزت پر نظر رکھے ہوئے ہو، اگر ان کی سلاطی ہے تو وہ اس کی اسی وقت یہاں سے چلے جاؤ اپنی شکل کسی بھی مجھے یا میرے گھر والوں کو دکھانا، تم اور ڈیڈی آنے والے ہیں یہ ناہو رائیں کہہ کر تمہیں یہاں سے نکالوا پڑے۔“

اسن بہت ختم کرتے وہ ہانپ سی گئی تھی۔ ”اسن کچھ دیر نظر بن جگائے کھڑا ہا پھر میرے قدموں سے وہاں سے چلا گیا، دعا نے ایک گہرا سانس لیا، اچانک اسے اپنے ہاتھ اور غصوں ہوا اس نے چونک کر دیکھا تو ضرار کی آنکھوں سے آنسو نکل کر اس کا چہرہ بھگور رہے تھے، دعا نے کب اٹھ گیا تھا۔

”آپ..... آپ کیوں رو رہے ہیں، آپ کی طبیعت پہلے ہی خراب ہے، پانی دو آپ کو۔“

اس نے جلدی سے گلاس میں پانی ڈالا، لیکن ضرار نے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا پھر کچھ دیر اور غم لے کر بیٹھ بولا۔

”میں خدا کا جتنا شکر ادا کروں، اتنا ہی کم ہے کہ اس نے مجھے میری محبت تو دی ہی ہے اس کے ساتھ ساتھ ایک نیک اور وفا شعار بیوی عطا کی، پھر ایک نئی زندگی بھی دی۔“ دعا کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے، ضرار نے دونوں ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنا چاہی، تو دعا تپ گئی، ان کے ہاتھ پکڑ کر بولی۔

”گلے شکوے، معافی، جتانی کے لئے تو ساری عمر بڑی ہے، ابھی آپ کسی قسم کی ٹینشن نہ لے، آپ کو آرام کی ضرورت ہے، میں ہر مل ہر لمحہ آپ کے ساتھ ہوں۔“ یہ کہہ کر اس نے ان کے سینے پر ہاتھ سے سر رکھ دیا تاکہ انہیں تکلیف نہ ہو، لیکن ضرار کو لگا کہ زمانے پھر کا سکون اس کے اندر آ گیا، دعا بھی پرسکون ہو گئی اور خدا کا شکر ادا کیا جس نے اتنی جلدی اس کی مشکل آسان کر دی اور دروازے سے باہر کھڑے ضرار نے ایک دیکھی مگر اسودہ سانس لی۔

”دعا کیا ہوا؟“ وہ دعا کی نظروں سے گر گیا یہ کہ تھا کہ دعا کی بانی زندگی کسی بھی کک کے بغیر گزرا ہے گی، میں نے دیکھ لیا تھا کہ ضرار کی آنکھ کھل چکی تھی وہ یہ بھی جانتا تھا کہ دعا ایک وفا شعار بیوی ہے بھی یہ سب کھائی نے کہا تھا نتیجہ سامنے تھا اسے یقین تھا کہ اب بھی مجھے ضرار دعا کو اسن کا طعنہ نہیں دے گا دعا خوش رہے یہی اس کی دلی تمنا تھی۔

☆☆☆

”چلو! چھٹنے سے جل جانے والی ہمیشہ بہو ہی کیوں ہوتی ہے۔ کبھی بیٹی کیوں نہیں ہوتی۔“

اخبار میں لکھا فقرہ اس نے کسی سے سنا اور سر دھوا دھکی تو بچے کی محی کہ جب بھی چلو! چھٹتا تھا تو مرنے والی ہمیشہ بہو ہی کیوں ہوتی محی، عام حالات میں تو شاید وہ محی اور لوگوں کی طرح سختی اور بھول جاتی مگر اس ایک فقرے نے اس کے دل میں بھائی بھڑ جا ڈالے تھے۔

اسے بے طرح حسین اور نازک سی خالہ یاد آئی وہی خالہ جس کے سانس سرے شادی کے وقت کہا تھا۔

”دعیں تو صرف لڑکی چاہیے، جھیز کی آپ فکر نہ کریں نہ ہمیں اس کی ضرورت ہے۔“ اور سادہ لوح والدین نے ان کے لفظوں پہ اعتبار کر کے حسین مگر غریب خالہ کو ان کے کالے کلونے چالیس سالہ بیٹے کے ساتھ رخصت کر دیا۔

نادیہ کو آج بھی اچھی طرح یاد تھا وہ کتنا روٹی تھی جب خالہ کو اس جھشی کے ساتھ رخصت کیا جا رہا تھا اس نے اپنی ماں کا دامن چھجوئے ہوئے کہا تھا۔

”ای روک لو، یہ لوگ خالہ کو کہاں لے جا رہے ہیں، دیکھو خالہ کتنا رو رہی ہے۔“

مگر چار سال کی معصوم نادیہ کو معلوم نہیں تھا کہ اس راستے پہ چلنے والوں کو کوئی روک نہیں سکتا اور خالہ کو روٹے ہوئے ہی یہی یہ سہرا بٹلے کرنا ہی تھا۔

بہت جلد پھر خبریں آنے لگیں کہ خالہ کی سانس کے چہرے سے خوش خاتی کا نقاب سرک گیا ہے، وہ بات بے بات اسے فقیر اور کنگال ہونے کے طعنے دیتی، مہمانوں کے سامنے بے عزت کر دیتا۔

”ارے بہن مت پوچھو ہم نے اپنے بچے کے تو بس نصیب ہی پھوڑ دیئے، ارے اے تو سب ہی کہتے ہیں کوئی بھلا یوں بھی کرتا ہے، کنگلے لوگوں نے بالکل خالی ہاتھ ہمارے ساتھ رخصت کر دی، ہم تو کسی کو منہ دکھانے لائق نہیں رہے جو دیکھتا ہے پوچھتا ہے کہن جھیز میں کیا لائی ہے، اب ہم کیا تائیں کہ بی بی تو صرف ادا میں ہی لائی ہیں رنجھانے کو اور تو کوئی کن نہیں ہے۔“

اور خالہ چھپ چھپ کے آسو بہانے کے سوا کچھ بھی نہ کر سکی، باپ کی ہڈی خالی کی سوا اسے مل رہی تھی، نصیر علی کی باجیا بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا، وہ محی سب سے چھوٹا، نصیر علی نے بھی ننگ کر سکی جگہ کام نہیں کیا تھا، مزاج میں تھکاپن تھا سو ہر جگہ سے دو چار دن میں جھگڑا کر کے کام چھوڑ کر آ جاتا یا اگلے نکال دیتے۔

بہنیں روٹی اس نے ہمیشہ اپنائے رکھی اس کی محدود سی آمدنی میں کھر کا خرچ بمشکل پورا ہوتا تھا، روز بروز قدر آدمی ہوتی بیٹیوں کی لائن کے لئے جھیز کہاں سے بنتا۔

لڑکیاں بھی شکل و صورت کی اچھی تھیں سو جوان ہوتے ہی ان کے لئے رشتے آنے لگے، اگرچہ رشتے بھی اسی کے چہرے گھروں سے آتے

تھے مگر باتوں باتوں میں لڑکے کی ماں ہمیں سنائی کر دیتیں کہ انہیں اچھے جھیز کی امید ہے، آخر ہر کوئی دیتا ہی ہے۔

بہت جلد لڑکیوں کے لئے آنے والے رشتوں میں نماں امد تک کی آگئی کیونکہ نصیر علی

نے سب کو صاف بتا دیا تھا کہ اس کی بیٹیاں جھیز میں صرف شکل و صورت فراہم راداری اور ہنر و سلیقہ ہی لائیں گی اور فی زمانہ یہی محی مارکیٹ میں سب سے کم قیمت میں بکتی تھی۔

پہلا دھچکا ہیں اس وقت لگا جب کنوارے



جوان لڑکوں کی بجائے شادی شدہ یا رڑوے
مردوں کے رشتے ان کے لئے آئے شروع
ہوئے، کررشتے کروانے والی باسی کا خیال تھا۔
”اے لو، اب اگر مجھ نہیں دوگے تو ایسے
ہی رشتے ملیں گے خالی صورت کی کوئی چاہتا ہے
کیا، اے مہاں کرر نہیں کرنی بیٹیوں کی شادی تو نہ
کرؤ، مجھے کیوں محبت میں ڈالا ہوا ہے، دھری
رہیں گی بونہی باج سکلن تیرے سینے پر اللہ بھی
پوچھے گا مرنے کے بعد، تو بڑا اللہ محاف کرے
کیا زمانہ آگیا ہے۔“

اٹھانے لگا، میکہ عورت کا مان ہوتا ہے اور
 بیٹوں کا کوئی میکہ تھا ہی نہیں، بس سب سے
 نصیر اسے گھر میں قدرے خوش بھی، اس کے شہر
 نے بننے کی چاہ میں شادی کی تھی اور نصیر
 ماں کے بعد دیگرے تین بچے پیدا ہوئے، پہلے
 اگر بھی نہیں تھی تو کسی کو بری نہیں کی یوں نام
 بھی جیسے قبول کر لیا کیا اس کا شوہر اس کے ساتھ
 اچھا سلوک کرتا تھا۔

مرال گئے، نادیرہ کی دعائیں مانگتی رہی تھی،
 اہم کو خوش خوش واپس آگئے اس نے ماں کو کہتے

”آپ کا بہت شہریہ، آپ کی کوشش سے
 لی بہن کا گھر اجڑنے سے بچ گیا، اس کا صلہ
 ہی آپ کو دے گا۔“

اور اس کے کچھ ہی دنوں بعد خالہ ہستی
 کہتی ان کے گھر آئی، نادیرہ نے اپنی زندگی

سو وہ بانی بھنوں کا مکین بن گئی یہاں
 میں ایک آدھ مرتبہ ان کے گھر چلی جاتی تھی
 کھاروہ آکر اسٹیشن، خالدہ کو بھی جب
 دل کا پتہ نہ قابل برداشت لگنے لگا تو وہ بہن سے
 ملنے آجانی، نادیدہ کو اس کی حالت اور رویہ دیکر
 اس کا در اپنے دل میں محسوس ہونے لگی۔
 اس مرتبہ وہ بہت دنوں بعد آئی تھی، اسے
 بی بہن کے گلے گلے چھوٹ چھوٹ کر رو

نے تو اب اسے دل سے اپنی بھولیسلم کر لیا تھا، وہ
 کھانا بنا رہی تھی، مگر میں کوئی نہیں تھا، میں بھی
 بارگاہی سن ایسا یک سطر طرہ اس کے لباس میں
 آکر لگی تھی، انہیں سن کر میں باہر سے
 بھاگ آئی تو اب تک اس کا پورا وجود مل رہا تھا،
 بس بیٹا دیکھتے ہی دیکھتے اسے جان باری،
 میں نے شور مچا کر لوگوں کو بھی اکٹھا کر لیا تھا، مگر
 ہوئی کون نال مل سکتا ہے۔“

نادیہ نے مگر مجھ کے آنسو بھائی اس مکار عورت کی طرف ایک نفرت بھری نظر ڈالی اور خالدہ کا غم دل میں اتار لیا، اس نے گھر واپس آ کر اپنی ماں سے کہا۔

”ای، انا لوگوں نے خالدہ کی شادی اسے
خراب لوگوں میں کیوں کی تھی؟“ اس کی ماں نے
خندنی آہ بھری۔

”جنا! کوئی دیواروں اور پھولے نصیبوں
والے گھر کی بیویوں نے اسی طرح کے پتھر آتے
ہیں، دنیا روپ اور سلیقہ نہیں دیتی، دولت اور
عزت، یہ خاتمہ کو لوگوں نے ہمیشہ کی خاطر میری
معموم، بہن کو جاکر مار ڈالا۔“

”انگ رہی تھی، شام کو اسے بھائی سے پتہ چلا کہ
”اماں کا اپنا ٹیکس پھٹ گیا تھا، ڈاکٹر نے
آپ بچان کر دیا ہے، تم دعا کرو، سب ٹھیک ہو
جائے گا۔“

اور نادیہ نے دن رات دعائیں کرنا شروع
کر دیں مگر جتنے دن اس کا باپ پیسے گھٹا تھا
وہی ہی واپس آ گیا، اس کے ساتھ ماں بھی ملے
اس کی لاش آئی تھی، زہر پیکل جانے کی وجہ سے وہ
زندگی کی بازی ہار گئی۔

نادیہ کی دنیا اندر ہو گئی، ماں کا جنازہ اٹھا تو
اس کی بچیوں نے درد بام بلامیہ، اس کی سوتیلی
ماں نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگالیا۔

”چپ کرو، مرنے والوں کے ساتھ مرا
نہیں جاتا وہ چلی گئی ہے، اس کی دنیا باقی بھی چلے
جائیں گے تم حوصلہ نہ ہادو۔“

نادیہ نے ہمیشہ تیوری سے بل ڈال کر ملنے
والی بڑی امی کی طرف سے ملنے والے دلا سے کو
پلے سے باندھ لیا، اس کی ماں مر گئی تھی، اس نے
اب جوان ہوئی تھی کو ایسے نہیں چھوڑا جا سکتا تھا
سو اس کا باپ بڑی امی کے گھر لے گیا، تقریباً
کرنے والوں کا تانا بندا تھا، نادیہ نے تم صبر بھی
سب کو دیکھتی رہتی، رفتہ رفتہ یہ بھیج بھیج چھٹ گئی،
وہ کمرے میں چپ چاپ بیٹھی تھی جب اسے آواز
پڑی۔

”جی سہیہ آپ آپ نے بلایا ہے مجھے۔“
”ہاں، جلدی ہے یہ ترین دھو کر صفائی کر
ڈالو، تو برائے دنوں سے اکیلے تھے لوگوں کا کام
کر کے تو میں ادھ موٹی ہو گئی ہوں اب تو اپنے
ہی گھر میں آرام نہیں سے میرے لئے۔“

اور نادیہ کے اندر خطرے کی گھنٹی نہیں گھنٹاؤں
اٹھا تھا، یقیناً بھری اور نرم رویے بھاب بن کر
اڑنے والے تھے، سوتیلی ماں کا سلوک یاد

کر کے نادیہ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے، اس
خوفزدہ نظروں سے چار پانی پہ پڑے غرور
بیٹھی بڑی امی کی طرف دیکھا، وہ تیر لکھ
بولیں۔

”میری بیٹی تمہاری نوکرائی نہیں ہے
تمہیں کیا کیا کر کھلائی رہے اور تم مہارانی
چار پانی پہ بیٹھی مخصوص صورت بنائے ٹھوکتی
ہم بھر پائے اسکی خدمتوں اور ہمدردیوں سے
میں سننے کو تو یہی ملے گا کہ سوتیلی ماں مجھ
ڈھاتی ہیں۔“

یوں نادیہ اپنی بڑی امی کے گھر کی نوک
بن گئی، برقع، دھونا اور صفائی کرنا ابتدائی روز
سارے گھر کا کام اس کی اکیلی جان پہ
باپ سارے دن کا گیا شام کو آتا تھا اس
اس نے کئی بچوں کے پیچھے پڑتے چہرے کو نظر
کر نہیں دیکھا تھا، بھائی سب لاپرواہ تھے، کافر
براسلوک دیکھتے تو خاموشی سے گھر سے باہر
جاتے، ان میں سے کوئی بھی اس کے سامنے
کھڑے ہونے یا بولنے کی جرأت نہیں رکھتا تھا
زندگی نادیہ پر تنگ سے تنگ ہونے لگی
ہی دنوں میں اس نے محسوس کیا کہ باپ مسعد
خالہ زاد جو کراں سے ملنے آیا کرتا تھا اسے
توجہ سے دیکھنے لگا ہے، وہ گہرا گئی اور کہتے ہیں
شیطان کو سوچو شیطان حاضر اسی وقت ہر
روزانہ کھلا اور زہیب بھائی اندر آگئے، نادیہ
گئی، اس وقت وہ گھر میں اکیلی تھی، مسعد یہ آیا
کسی دوست کے گھر گئی تھیں اور بڑی امی نے
دکان سے کچھ سودا سلف لانے گئی تھیں، اس
جلدی سے بے ترتیبی سے اوڑھا ہوا دوپٹہ ٹھیک
اور بولی۔

”بھائی! وہ آیا اور بڑی امی دونوں گھر
نہیں ہیں آپ پیٹھک میں پیٹھک جائیں، میں انہیں
دکان سے کچھ سودا سلف لانے گئی تھیں، اس
جلدی سے بے ترتیبی سے اوڑھا ہوا دوپٹہ ٹھیک
اور بولی۔“

”بھائی! وہ آیا اور بڑی امی دونوں گھر
نہیں ہیں آپ پیٹھک میں پیٹھک جائیں، میں انہیں
دکان سے کچھ سودا سلف لانے گئی تھیں، اس
جلدی سے بے ترتیبی سے اوڑھا ہوا دوپٹہ ٹھیک
اور بولی۔“

بلاتی ہوں۔“ وہ مسکرایا اور اس کے قریب آ گیا۔
”میں جانتا ہوں کہ وہ دونوں گھر نہیں آئی
لے آیا ہوں۔“ نادیہ کا پورا وجود لرز گیا، وہ کئی
قدم پیچھے ہٹ گئی، تب وہ قدرے شرمندہ ہو کر
رک گیا کچر کھنکھلا کر بولا۔

”نادیہ! غلط مت سوچو، میں تم سے اکیلے
میں بات کرنا چاہتا ہوں اس لئے آیا تھا، میں
جانتا ہوں کہ خالہ اور سہیلی کا رویہ تمہارے ساتھ
ٹھیک نہیں ہے مگر تم مجھے ان کے جیسا مت سمجھا،
میں تمہارا درد سمجھتا ہوں اور تمہاری بہتری کے
لئے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔“ نادیہ نے خود کو تسلیاں
لیا۔

”کیا کریں گے آپ میری بہتری کے
لئے، کیا ہو سکتا ہے اب میری تعلیم بھی اچھری
ہی رہ گئی۔“ وہ خود خسی کا شکار ہو رہی تھی،
زہیب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”صرف تعلیم ہی اچھی زندگی کے لئے
ضروری نہیں ہوتی، بلکہ کئی محنت بھی زندگی کو
سنوار دیتی ہے، تم مجھے اچھی طرح سے جانتی ہو،
میں پڑھا لکھا ہوں قبول صورت ہوں، برسر
روزگار ہوں، کوئی بھی لڑکی آسانی سے مجھے اپنا
جیون ساتھی بنائے نہ پڑھا مند ہو سکتی ہے میری
چاہتی ہی ہوگی کہ مسعد اور خالہ امی وجہ سے میری
انہی خاطر تو متع کر رہی ہیں مگر میں نہیں اپنی زندگی
کا ساتھی بنانا چاہتا ہوں، اگر تمہیں کوئی اعتراض
نہ ہو تو خالہ سے بات خود میرے والدین کر لیں
گے اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہاری ان
ساری محرم دیوں کا میں ازالہ کر دوں گا، تم بہت
خوش رہو گی میرے ساتھ۔“

نادیہ نے حیرت سے دیکھا، ایسے روپیلے
سننے دیکھنے کی اہل غریب آنکھیں نہیں ہوتیں، اس
وقت اس کا دل اس سچائی سے نظریں جمانے کو
نہ ہوا تو خالہ سے بات خود میرے والدین کر لیں
گے اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہاری ان
ساری محرم دیوں کا میں ازالہ کر دوں گا، تم بہت
خوش رہو گی میرے ساتھ۔“

نادیہ نے حیرت سے دیکھا، ایسے روپیلے
سننے دیکھنے کی اہل غریب آنکھیں نہیں ہوتیں، اس
وقت اس کا دل اس سچائی سے نظریں جمانے کو
نہ ہوا تو خالہ سے بات خود میرے والدین کر لیں
گے اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہاری ان
ساری محرم دیوں کا میں ازالہ کر دوں گا، تم بہت
خوش رہو گی میرے ساتھ۔“

چاہ رہا تھا، وہ خاموش کھڑی تھی جب بیرونی
دروازہ ایک بار پھر کھلا، ظلم ٹوٹ گیا تھا، اندر
آنے والی بڑی امی تھیں، ان کے چہرے کے
تأثرات دیکھ کر نادیہ ہم گئی، البتہ زہیب نے
بڑے نازل انداز سے انہیں سلام کیا تھا اور نادیہ
نے سودا سلف لینے کا ہاتھ بڑھا یا، تو انہوں نے
ایک جھٹکے سے شاہراہ اس کے ہاتھ میں تھامے اور
نادیہ کو بہت کچھ غلط ہونے کا احساس ہو گیا۔

زہیب جب تک گھر میں موجود رہا وہ خود
پر کنٹرول کیے خاموش رہیں، جیسے ہی وہ گھر سے
باہر نکلا بڑی امی نے غرائی ہوئی آواز میں اسے
پکارا، نادیہ کا پختہ قدموں کے ساتھ ان کے
گھرے میں گئی۔

”زہیب کب سے آیا ہوا تھا؟“ ان کی
نگاہیں گویا اس کے وجود کا انکسار کر رہی تھیں،
وہ ہلکا گئی۔
”جج..... جی..... ابھی ایک منٹ پہلے ہی
آئے تھے۔“

”آتے تھے۔“ انہوں نے زہر خند سے
اس کے الفاظ دہرائے۔
”منہ ٹوٹا ہے بھائی کہتے ہوئے؟ کیا کہہ
رہا تھا وہ؟“ نادیہ نے آکسو پیتے ہوئے جواب
دیا۔

”آپ کے اور سہیلی باجی کے بارے میں
ہی پوچھ رہے تھے۔“

”ٹھیک ہے، آئندہ دھیان رکھنا، بھونٹی
ہے وہ تمہارا بچپن کی گھنٹی ہے ان دونوں کی آئندہ
اسے بھائی کہہ کر بلانا بھگتی نہ ختم۔“ نادیہ نے
اثبات میں سر ہلا دیا، لیکن اگلے کئی دنوں تک

سہیلیہ آپ کا منہ سوچا رہا اور وہ بات بے بات
اسے بے غرائی کرتی رہیں، دس چندرہ دن کے
بعد پھر موقع دیکھ کر زہیب آ گیا، نادیہ بھی ٹھیک

TAURUS

برج ثور

سیارہ زہرہ

21 اپریل تا 21 مئی

نام کے پہلے حرف

ب۔ و

خوبصورت، تھیل گلاب کے ایک پھول کو رنگ رنگ گلہڑتوں کی شکل میں پیش کرے گا، ان کی ذات میں رومانس کے پہلو کو کم اہمیت نہیں دی جاسکتی، اگر کسی خوبصورت چہرے میں انہیں اسے خواہوں کی تعبیر نظر آئے تو وہ اس کی خاطر سب کچھ تپاگ دینے پر تیار ہو جاتے ہیں۔

ان کے کرے کا ایک سرسری جائزہ آپ کو ان زندگی کے پس منظر کو سمجھنے کے لئے بہت کار آمد ہوگا، وہ اپنے خطوط کو نہایت حفاظت سے سنبھال کر رکھتے ہیں اور گاہے بگاہے انہیں پڑھ کر بھولی بھری یادوں کو تازہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، فوراً افراد کو بصیحت کی جاتی ہے کہ ان جذباتی یادوں کے ساتھ ضرورت سے زیادہ لگاؤ ان کے مفاد میں نہیں ہے، ان کی زندگی کے بڑے بڑے چیلنجوں میں سے ایک یہ ہے کہ ماضی کی یادوں سے بچھا چھڑا میں جو کہ بعض اوقات بہت تنگ بھی ہوتی ہیں اور زمانہ حال میں رہنے کی کوشش کریں۔

نام کے پہلے حرف ب۔ و
نشان تیل
عنصر خاک
مبارک دن جمعہ
خوش بختی کا ہندسہ 6

دوسرے بروج سے تعلقات

بہترین سنبھلا اور چہدی
بہتر جوزا، سرطان، حوت اور حمل
غیر یقینی دلو، اسد، عقرب
غیر جانب دار میزان، قوس
فوراً افراد کے علی اور مادہ پرستانہ انداز زندگی کے بارے میں بہت کچھ جاننا چاہئے لیکن بہت کم لوگ اس گہری رد مانویت سے آشنا ہوتے ہیں جو ان کی رگوں میں خون کی طرح گردش کرتی ہے، آپ انہیں گلاب کا ایک پھول پیش کریں (جو کہ وہ بہت پسند کرتے ہیں) اور وہ ہمیشہ کے لئے آپ کے ہو کر رہ جائیں گے، ان کا

پکی تھی اس نے صاف لفظوں میں کہا۔
”بڑی امی نے کہا ہے کہ آپ بچپن سے سعدیہ آپا سے منسوب ہیں، آپ میرے لئے مشکلیں پیدا کرتیں۔“
”لیکن میں تمہارے ساتھ مخلص ہوں اور جھوٹ بولتی ہیں خالہ، میری کسی سے کوئی مشکلی نہیں ہوئی۔“ وہ پھٹ پڑی۔
”نہیں ہوئی تو اپنی خالہ کو سمجھائیں، جنہوں نے میرا جینا حرام کر رکھا ہے۔“ وہ تیزی سے بولا۔
”بس اتنا بتا دو کہ تمہیں میرے ساتھ یہ تو کوئی اعتراض نہیں باقی میں سب سنبھال لوں گا۔“ نادیدہ نے نظر بھر کر اسے دیکھا۔
”میں وہ خواب نہیں دیکھنا چاہتی جس کی کوئی تعبیر نہیں، میں جانتی ہوں میں خوش قسمت نہیں۔“ اور زوہیب کا رکا ہوا سانس بحال ہو گیا تھا، اس نے خوشی سے بھر پور آواز میں کہا۔
”اس کا مطلب ہے تمہیں کوئی اعتراض نہیں۔“

☆☆☆

نادیدہ کو اپنے نصیب سے ڈر لگتا تھا، اسے یقین نہیں تھا کہ زوہیب اس کے لئے کچھ کر سکے گا، اسے یقین تھا کہ اب جب پندرہ مئی دنوں کے بعد زوہیب کے ماں باپ اس کا رشتہ مانگنے کے لئے آئے اور گھر میں گویا طوفان کھڑا کھڑا ہوا، اب اسے کورشتہ پسند آگیا تھا وہ ہاں کرنا چاہتے تھے جبکہ بڑی امی بعد میں کہ زوہیب اور سعدیہ کی بچپن کی مٹکلی ہے وہ اپنی بیٹی کا حق کسی کو مارنے نہیں دے گی، مگر میں ایک نیشنس کی پھیلی ہوئی تھی، نادیدہ ہر اسالی میں سارے گھر میں کام کرتی رہتی اور دل ہی دل میں ہوتی رہتی، جانے لے جانے والا تھا۔

☆☆☆

خود آگاہ:-

اپنی زندگی کے ابتدائی دور ہی میں ثور افراد خود آگاہ ہوتے ہیں۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خود آگاہی کا یہ جذبہ شدت اختیار کرتا جاتا ہے اور وہ یہ بات سمجھ جاتے ہیں کہ اس جذبہ کو اپنے بہترین مفاد میں کیونکر استعمال کیا جا سکتا ہے، اگرچہ وہ دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات کے بارے میں ہمیشہ اچھا محسوس نہیں کرتے تاہم کوئی تنگ و شبہ اپنے مقام کے بارے میں انہیں کوئی تنگ و شبہ نہیں ہوتا، چونکہ وہ حسن و خوبصورتی کے بارے میں مثالی قسم کا تصور رکھتے ہیں، اس لئے انہیں اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ اپنی ذات کو ”جہاں ہے جیسے ہے“ کی بنیاد پر قبول کریں نہ کہ ”ایسا ہونا چاہیے“ کی بنیاد پر، اگر یہ ہو گیا تو وہ صبح بچے ایک خوبصورت اور خود آگاہ شخصیت قرار پا سکتے ہیں۔

آرائشک:-

ثور افراد اس وقت بہت مسرت محسوس کرتے ہیں جب وہ زندگی کے حسن میں اضافہ کرنے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں، ان کا گھریا دفتر روایت اور جدت کا خوبصورت امتزاج پیش کرتا ہے، چونکہ ہر چیز ان کے لئے ایک سازگار ماحول پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے، اس لئے وہ ہر چیز کا تفصیلی مطالعہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

ثور افراد موسیقی سے محبت کرتے ہیں اور آلات موسیقی سے کام لینا بھی خوب جانتے ہیں، ان کی یوچر اور کسی آواز ان کے محسوس سرمایہ میں شمار ہوتی ہے اور وہ اس کے بخوبی استعمال سے

خوش محسوس کرتے ہیں۔

عادت کے غلام:-

ثور افراد عادت کے غلام ہوتے ہیں، وارث شاہ کے بقول وہ مرتے مرجا میں لیکن اپنی عادت سے دستبردار ہونا ان کے بس میں نہیں ہوتا، ان کے تاشے کا مینو ان کی صبح کی مصروفیت حتیٰ کہ ان کے دفتر کاروائی، بھی بکھار ہی دیتا ہے، زمین سے تعلق ہونے کی بنا پر وہ زندگی کے چکر سے خوب آشنا ہوتے ہیں، وہ سورج، چاند اور سیاروں کے منظم طلوع و غروب سے آگاہ ہوتے ہیں اور اسی نظم و ضبط کو اپنی زندگی کے ساتھ مربوط کرنے کی کوشش کرتے ہیں، زندگی کسی تبدیلی کے بغیر آگے نہیں بڑھتی اور ہر تبدیلی لازماً اپنے اندر کوئی نہ کوئی بحران لے کر آتی ہے، بحران سے ہم لوگ عموماً تباہی مراد لیتے ہیں حالانکہ یہ لفظ فیصلے کے وقت کی نشاندہی کرتا ہے۔

محکم المراءے:-

ثور افراد بخوبی جانتے ہیں کہ وہ کب درست بات کر رہے ہوتے ہیں، اپنی شریعتیں اور اپنی احساس کتری کے باوجود وہ عزت نفس کے بارے میں بہت حساس ہوتے ہیں، بیرونی حقائق خواہ کچھ بھی ہوں وہ اپنی ذات کی قدرت و قیمت کو برقرار رکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان کے جذبات کا ان کے عقائد سے گہرا تعلق ہوتا ہے، وہ اپنے اعزاء و احباب کے بارے میں کٹر خیالات رکھتے ہیں، چونکہ وہ اپنے عزیز و اقارب سے بے حد لگاؤ رکھتے ہیں اس لئے اکثر ان کی بہتری کے لئے کوشاں رہتے ہیں اور بزم خود کو دیکھتے ہیں کہ کس چیز میں ان کی بہتری

ہے حالانکہ انہیں چاہیے کہ دوسروں کو اپنی ذمہ داریوں کا خود احساس ہونے دیں۔

انظام و انصرام:-

پورے دائرہ المزاج میں ثور افراد سب سے بہتر منظم ثابت ہوتے ہیں، وہ اپنے برادر برج سنبلہ کے افراد کی طرح اتنے صاف تھریے تو نہیں ہوتے لیکن چیزوں کے رکھ رکھاؤ کے بارے میں بکھر جاتے ہیں۔ ثور افراد کو وقت گزرنے کا بھی بہت احساس ہوتا ہے، ان کے دماغ میں ایک قائم کلاک آدیاں ہوتا ہے جو زندگی کے ادوار کی گھڑیاں گزارتا ہے اور منادی کرتا ہے کہ مختلف معاملات کے لئے تفتاد و مقرر کیا جانا چاہیے۔

نرم مزاج، شریعتی:-

نرم لمس، نرم بات اور نرم حرکت کے ضمن میں ثور افراد کی کوئی بات نہیں دے سکتا، وہ بہت نرم مزاج بھی ہوتے ہیں اور غصہ کا اظہار بھی اسی شدت سے کرتے ہیں، یعنی وہ انتہا پسند ہوتے ہیں اور دونوں انتہاؤں کے درمیان تیسرا راستہ کوئی نہیں ہوتا۔

ثور افراد نئے لوگوں کی ساتھ ملاقات میں اکثر شرماتا ہے اور یہ اکثر ان کے بچپن کے احساس کتری کا شائبہ ہوتا ہے، اس میں کچھ حصہ والدین کی طرف سے سختی کا بھی ہوتا ہے، نیا ماحول اور نئے افراد ان کی بے چینی کا باعث بنتے ہیں کیونکہ انہیں نامعلوم رویوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، کوئی انہیں ناخوشگوار قسم کی صورتحال ان کے نظام اعصاب پر سخت ضرب لگاتی ہے۔

خود بین، آرام پسند:-

آرام اور اطمینان ثور افراد کے لئے لہجہ اہمیت کے حامل ہیں، وہ خوشبودار بانی کے ساتھ غسل کرنا اور نرم گرم کمر میں سونا بے حد پسند کرتے ہیں، ان کا سب سے بڑا مسئلہ خوراک ہوتا ہے، اس معاملہ میں ان کی قوت ارادی جو پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہلا سکتی ہے دریاؤں کا رخ موڑ سکتی ہے اور سرکش گھوڑوں کو رام کر سکتی ہے۔

احساس ملکیت:-

ثور افراد احساس ملکیت سے سرشار ہوتے ہیں، جو شے ایک بار ان سے وابستہ ہو جاتی ہے، وہ اس کے بارے میں ملکیتی اعزاز میں سوچنا شروع کر دیتے ہیں اور اسے خود سے جدا کرنا گوارا نہیں کرتے، احساس ملکیت ان کے تمام احساسات پر حاوی ہوتا ہے۔

وہ اپنے خاندان اور دوستوں کے بارے میں بھی احساس ملکیت میں مبتلا ہوتے ہیں، وہ اپنے عزیز و اقارب پر اسی طرح ملکیت کا حق جتاتے ہیں جس طرح وہ اپنے کپڑوں، فرنیچر اور زیورات وغیرہ پر حق جتاتے ہیں، اس کا مثبت اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت میں خاطر خواہ دیکھی لیتے ہیں۔

عیش پسند:-

ثور افراد عیش پسند ہوتے ہیں، وہ ہمیشہ فرسٹ کلاس میں سفر کرنے کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اس پر کتنی بھی خرچ کیوں نہ آتا ہو۔ ثور افراد قدر اور معیار کا ایک گہرا احساس رکھتے ہیں، وہ معاملات زندگی میں اعلیٰ قسم کے ذوق کے مالک ہوتے ہیں، وہ سنی اور فطری اشیاء کی بجائے فنیٹی اور پائیدار اشیاء کی تلاش میں سرگرداں ہوتے ہیں، وہ اعلیٰ سے اعلیٰ چیز کی تلاش

میں اعلیٰ سے اعلیٰ سنو رک بیچ جاتے ہیں۔

تحریریں اعزاز:-

ٹور افراد زیادہ توقعات وابستہ نہیں کرتے، وہ کاروبار حیات کو بخوبی سمجھتے ہیں، وہ لوگوں کی خامیوں کو اس قدر سمجھتے ہیں کہ وہ ان سے زیادہ توقعات وابستہ نہیں کرتے اور اس پر قانع رہتے ہیں جو ان کے پاس ہوتا ہے، وہ صحت افراد کی طرح پراسرار خوابوں کی دنیا میں نہیں رکھتے اور نہ ہی دلو افراد کی طرح ہوائی قلعہ تعمیر کرنے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ وہ خود کو کوشٹ پوست کا انسان قرار دیتے ہیں اور حقیقت کی دنیا میں رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔

دراصل ان کا تحریریں اعزاز بہت معصومانہ ہوتا ہے، اگر کوئی شخص انہیں کوئی تحفہ دے تو وہ اسے ہمیشہ دل سے لگا کر رکھیں گے، اگر کوئی شخص ان کے مشکل وقت میں ان کا ساتھ دے تو وہ آخری دم تک اسے یاد رکھیں گے۔

مختارہ صدیقی:-

ٹور افراد اکثر کسی قسم کے خوف کا شکار ہوتے ہیں، انہیں یہ بھی خوف رہتا ہے کہ وہ کسی غلطی کا ارتکاب نہ کر رہے ہو، اس لئے وہ درست قدم اٹھانے کی احتیاط میں اکثر پیش و پیش کا شکار رہتے ہیں۔

ٹور افراد احمد کے بچے ہوتے ہیں، جب کسی معاملہ میں ان کی مرضی کے نتائج مرتب نہیں ہوتے تو وہ ہمت دھری و اتر آتے ہیں، انہیں معلوم ہوتا چاہیے کہ ہر قسم کی صورتحال کو نہ تو کنٹرول کیا جاسکے اور نہ ہی درست پیش گوئی کی جاسکتی ہے، اگر وہ تبدیلی کے بارے میں مثبت رد عمل کا اظہار نہ کریں تو اس کا نتیجہ عملی

کی صورت میں مرتب ہوگا، اگر وہ وقت کے ساتھ ساتھ چلنے کے خواہش مند ہوں تو انہیں خطرات مول لینے چاہئیں۔

مستقل مزاج:-

ٹور افراد مستقل مزاج ہوتے ہیں، وہ جس کام کا کاغذ ہاتھ لیتے ہیں اسے باہر تکیل تک پہنچا کر ہی دم لیتے ہیں خواہ اس کے لئے کتنے ہی برس درکار کیوں نہ ہوں، بزنس کا معاملہ ہو یا کوئی براہیچک ہو یا انسانی تعلقات..... وہ اسے شکستہ میں بھی اکتاہٹ کا شکار نہیں ہوتے، وہ محسوس کرتے ہیں کہ اگر وہ محنت سے کام کریں اور محنت نہ ہاں تو وہ جو چاہتے ہیں حاصل کر لیں گے۔

قدامت پسند، لالچی:-

ٹور افراد بچپن ہی سے قدامت پسند ہوتے ہیں، یہ جانتے ہوئے کہ زمین و مسائل بہت قیمتی ہوتے ہیں وہ انہیں دانشمند انداز سے استعمال کرنے کی خواہش رکھتے ہیں، وہ کسی شے کو اس وقت تک فالو قرار دے کر نہیں چھوڑتے جب تک انہیں یقین نہ ہو جائے کہ مستقبل بعید میں بھی اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

ایماندار، قابل بھروسہ:-

آپ ٹور افراد پر اپنی رقم اپنے راز اور اپنی زندگی کے بارے میں اعتماد کر سکتے ہیں، ان کا عقیدہ ہوتا ہے کہ ایماندار ہی بہترین حکمت عملی ہے، بحالت عروج وہ انتہائی ایماندار ہوتے ہیں اور اپنی غلطی تسلیم کرنے میں پہل کرتے ہیں۔ وہ تحریری معاہدے کرنا پسند نہیں کرتے لیکن قول کے وحی ہوتے ہیں اور اپنا وعدہ ہر حال میں

پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

☆☆☆

ٹور عورت

برج ثور کا حاکم سیارہ زہرہ ہے، زہرہ کی طرح ٹور عورت بھی متکفل روٹی سے چمکتی ہے اور پچی خوبصورتی کو متکفل کرتی ہے، ٹور عورت کے دل میں جگہ بنانے کے لئے مرد کو واقعی خوبصورت ہونا چاہیے، تاہم اگر مرد خوبصورتی کے ساتھ ساتھ ذہانت کی صفات سے بھی متصف ہو تو وہ اس کی ذات کے سحر میں گرفتار ہو جاتی ہے، وہ نسوانی صلاحیتوں سے بھرپور ہوتی ہے، اس لئے وہ مرد میں صنف خائف کی بہترین خصوصیات دیکھنا چاہتی ہے، محبت کی دیوی زہرہ اور زمین کا خوبصورت استخراج اسے اس کے محبوب کے لئے ایک نایاب تحفہ بنادے گا۔

ٹور عورت نہایت کمبری فطرت کی مالک ہوتی ہے، وہ کسی تعلق کو کھرانے کا عہد کر لے تو اسے پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہے، وہ ہر قسم کے تعلقات میں بہترین شریک ثابت ہوتی ہے، وہ ایک بہترین دوست اور ہمدرد شریک حیات ثابت ہوتی ہے، وہ ایک تکمیل پسند عورت ہوتی ہے اور دوسروں سے مناسب معیار زندگی کی توقع کرتی ہے ورنہ وہ بہت جلد تنگ چینی کرنے لگ جاتی ہے۔

ٹور عورت وفا دار، مستقل مزاج اور گھر لیو عورت ہوتی ہے، وہ پائیدار اور مستقل تعلقات پسند کرتی ہے، وہ اپنے دوستوں اور عزیزوں کو اپنی زندگی کے خوبصورت لمحات میں شریک کرنا پسند کرتی ہے۔

ٹور عورت روایت سے بھرپور ہوتی ہے، ایسے گلاب کا ایک پھول بیج کر دیکھیں، وہ اپنے بیج سے اسے ایک مکمل گلدستے کی شکل دے دے گی، جب اسے اپنے خوابوں کا شہزادہ نظر آ جائے تو وہ اس کی خاطر پوری دنیا کو چھوڑ سکتی ہے۔

ٹور عورت بے حد جذباتی ہوتی ہے اور کوئی بھی چیز جو انتہائی خوبصورت ہو یا اس کے سخی کی یادوں کو ابھارے تو اس کی آنکھوں میں اشک سے نہایت کارگر کھولے اسے بہت جلد تکلیف دے سکتی ہے، اگر اس کی محبت سے انکا کیا جائے تو وہ ایک مرتبہ جانتے ہوئے پھول کی طرح نظر آئے گی۔

ٹور عورت اپنے محبوب میں توس و قرح کی طرح رنگارنگ خوابیں دیکھنا چاہتی ہے، اس کے نزدیک حقیقی مرد وہ ہے جو حواس نصورتی زیرک اور گفٹ ہو، اس کے محبوب کو متناسب الاعضاء، ہینڈمز اور مضبوط کرنی بدن کا حامل ہونا چاہیے، پرشاپ مرد اس کے دل پر چھا جاتے ہیں بیکوئیکہ وہ خود قیامت خیز حسن و شباب کی مالک ہوتی ہے۔

وہ ایسے محبوب کو دل و جان سے چاہتی ہے جو ہواہست سے بھرپور ہو، اس کے ساتھ محبت و احترام سے پیش آئے اور اس کے مستقبل کے بارے میں فکر مند ہو، وہ ایسے مرد کے زیر تسلط رہنا چاہتی ہے جو کہ ہر طرح سے مرد ہو، مردانہ وجاہت سے بھرپور مرد اور فطری حسن سے مالا مال مقامات پر رہنے والے لوگ اس کو بھاتے ہیں، اس کا محبوب جب تک اس کے معیار پر پورا اترتا رہے گا جب وہ اس کی ذات کے سحر میں گرفتار رہے گی۔

☆☆☆

حدیث نبوی ﷺ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

”قیامت کے دن حساب کے لئے بارگاہ الہی میں جب پیش ہوگی تو آدمی کے پاؤں اپنی جگہ سے سرک نہ سکیں گے جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں کا سوال نہ کر لیا جائے گا۔“

☆ ازل یہ کو پوری زندگی اور عمر کے بارے میں کہہ کر ناموں میں گزاری۔

☆ اور دوسرے اس کی جوانی (اور جوانی کی قوتوں) کے بارے میں کن مشاغل میں جوانی اور اس کی قوتوں کو بوسیدہ اور پرانا کیا۔

☆ تیسرے مال و دولت کے بارے میں کہاں سے اور کن طریقوں سے اور کن راستوں سے اس کو حاصل کیا۔

☆ اور اس دولت کو کن کاموں اور کن راہوں میں صرف کیا۔

☆ پانچواں سوال یہ ہوگا کہ جو کچھ معلوم تھا اس کے بارے میں کیا عمل کیا۔

(جامع ترمذی، معارف الہدیث) وفا عبدالرحمان، روپنڈری

چار باتیں

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے ارشاد فرمایا۔

”چار باتیں اور خصلتیں ایسی ہیں کہ اگر تم کو وہ نصیب ہو جائیں تو پھر دنیا (اور اس کی نعمتوں) کے نوت ہو جانے اور ہاتھ نہ آنے میں کوئی مضائقہ ہے اور نہ گناہ۔

۱۔ امانت کی حفاظت۔
۲۔ باتوں میں سچائی۔
۳۔ حسن اخلاق۔
۴۔ کھانے میں احتیاط اور پرہیز گاری۔

(مسند امام احمد، معارف حدیث) صائبر ابراہیم، فیصل آباد

نذر

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ”نذر دو قسم کی ہے، ایک تو وہ نذر جو اللہ تعالیٰ کی بندگی میں کرنے کے لئے مانی جائے اس کا پورا کرنا ضروری ہے، اس لئے یہ خاص اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور دوسری نذر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ کے لئے کی جائے، وہ نذر شیطان کے لئے ہے اور اس کا پورا کرنا جائز نہیں اور اس قسم کی نذر کا کفارہ دے جو قسم کا کفارہ دیا جاتا ہے۔“

(نسائی، مشکوٰۃ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو شخص کسی غیر میں چیز کی نذر

مانے تو اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے اور جو شخص کسی ایسی چیز کی نذر مانے اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے اور جس کی نذر مانے جس کا پورا کرنا اس کے لئے ممکن نہ ہو تو اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے اور جو شخص ایسی چیز کی نذر مانے جس کو پورا کر سکے تو اس کو پورا کرے۔

(ابوداؤد، ابن ماجہ، مشکوٰۃ) مارون آصف، خانیوال

قال

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے۔
”بہ بھگتی کوئی چیز نہیں ہے، بہترین چیز فال نیکی ہے۔“

لوگوں نے عرض کیا۔
”فال کیا چیز ہے؟“
آپ نے فرمایا۔
”وہ ایسا کلمہ جس کو تم میں سے کوئی شخص کسی شخص سے یا کسی ذریعے سے نہ۔“

(بخاری و مسلم، مشکوٰۃ) حمیرا احسان، ساہیوال

آئینہ یوی

اسلامی نقطہ نظر سے ایک آئینہ یوی کے اوصاف نہایت جامع اور مختصر الفاظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بیان فرمایا ہے۔

”میں تمہیں بتاؤں کہ آدمی کا بہترین خزانہ کیا ہے، نیکی یوی..... جب آدمی اسے دیکھے تو اسے خوشی حاصل ہو، جب کسی بات کا حکم دے تو اس کی اطاعت کرے اور جب وہ نہیں ہا جا رہا ہے تو اس کے گھر بچوں اور (ناموں) ہر چیز کی

حفاظت کرے۔“

گفتہ رحم، اہل آباد

دانی

چھوٹا منصوبہ بنانا ہے تو تجارت کرو، اس سے بڑا منصوبہ بنانا چاہتے ہو تو باغات لگاؤ۔
اور اگر اس سے بھی بڑے منصوبے کا ارادہ ہے تو نئی نسل کو دانا اور لائق بناؤ۔
سدرہ نعیم، شہنشاہ پورہ

صوفیائے کرام

صوفیائے کرام نے مساوات کو اپنایا، وہ جانتے تھے کہ جن لوگوں پر اثر ڈالنا ہے، ہمیں ویسا بننا پڑے گا، اس حد تک کہ وہ ہمیں بھی نفس ہم میں سے ہے، صوفیائے کرام سیکڑوں میل دور وسط ایشیاء سے ہندوستان میں آتے تھے، یہاں پہنچ کر سچے دل سے اسے اپنا وطن سمجھتے، پورے طور پر ہمیں اپنا لیتے، ہماری بولی سمجھتے، ہمارا پہناوا پہنتے، ہمارا راز رکن کہن اپناتے، ہماری رسومات و رواج کو اپناتے پھر وہ ہم سے بات کرتے، وہ اس سچید سے واقف تھے کہ جب تک ہم جیسے نہیں ہیں گے، ان کی بات ہم تک نہیں پہنچے گی، جب مکمل طور پر ہم میں رجحان ہو جائے تو وہ ہماری زبان میں ہماری عوامی کہانیاں لکھتے، ان تصانیف میں وہ ہمارے لئے پیغامات رکھ دیتے تھے، ان کی تصانیف اپنی اپنائیت لئے ہوش کو عام نہیں حفظ کر لینے پھر تقریبات میں، محفلوں میں لوگ انہیں دالہا نہ پڑھتے اور سننے والے سر نہ ہتھتے۔

صوفیائے کرام نے سبھی اسلام کی تبلیغ نہیں کی تھی، انہوں نے سبھی بحث و مباحث نہیں کیے تھے، انہوں نے سبھی تقریریں نہیں کی تھیں، وہ اسلام کا ڈھنگ نہیں جانتے تھے، صرف اسلام کے لئے جیتے تھے، ان کے پاس وہ ہتھیار تھے، اخلاق

اور حسن کردار، ان دونوں ہتھیاروں میں مساوات کی دھار تھی، جولوہ کی دھار سے زیادہ کاشت کرتی ہے۔

داتا صاحب نے کبھی کسی سائل سے یہ نہیں پوچھا کہ میں تو ہندو ہے یا مسلمان، وہ صرف دینا جانتے تھے اور وہ واحد قادر مطلق، جو دینے پر قادر ہے، اپنے چاکری کی لاج رکھتا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ چند سالوں میں آدھالاہور مسلمان ہو گیا، متعصب لوگ کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے، وہ جگہ کہتے ہیں لیکن یہ تلوار نولادی نہیں، اسلامی کردار کی تھی۔

(ممتاز مفتی کی تصنیف ”عاش“ سے اقتباس)

زاہرہ طاہر، حافظ آباد

انسانیت

دنیا میں رہتے ہوئے کچھ لوگ دولت کے پیچھے لگے رہتے ہیں اور کچھ انسانیت کے حصول میں زندگی صرف کرتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ دولت والے اکثر زندگی میں ہی نامراد ہو کر مرے اور انسانیت والے زندگی کی پیشانی پر کمر کر بھی جیتے ہیں۔

فدہ بخاری در بہار خان

وقت

○ میں اپنے فریضوں پر اس لئے غالب آتا ہوں کہ وہ چند منوں کو عموماً کچھ نہیں سمجھتے جبکہ میں ان محلوں کی قدر و قیمت خوب سمجھتا ہوں۔ (نیولین بوٹا پاتا)

○ جولوگ وقت کا سب سے زیادہ غلط استعمال کرتے ہیں، وہی سب سے زیادہ وقت کی کمی کی شکایت کرتے ہیں۔ (بروز)

○ وقت بدل جانے پر لوگوں کی نظریں بھی بدل جاتی ہیں۔ ڈاکٹر زاہر حسین

حنا زہیر احمد، بہاولپور

باتوں سے خوشبو آئے

☆ جب عقل برستی ہے تو باتیں کم ہوجاتی ہیں۔

☆ خود را دینے پر مت شرم! کیونکہ خالی ہاتھ واپس کرنا، اس سے بھی گری ہوئی بات ہے۔

☆ لوگوں سے اس طریقے سے ملو کہ اگر مر جاؤ تو وہ تم پر روئیں اور زندہ رہو تو تمہاری ملاقات کے مشتاق ہوں۔

☆ سب معاملے تقدیر کے آگے سرگرم ہیں۔

☆ جسے اس کے اعمال پیچھے ہٹا دیں، اسے اس کا سب ونب آگے نہیں بڑھا سکتا۔

☆ اُم رہاب، ساہیوال

کیا تم بھی

کیا تم بھی پھر شام کی دہلیز پر آس کی آہٹ پر دروازے کی جانب بھاگے جاتے ہو، کیا تم بھی درد چپانے کی کوشش کرتے

اکونچک جاتے ہو، اور بن کارن مسکاتے ہو

کیا تم بھی

نہندے پہلے بگلوں پر ڈھیروں خواب جاتے ہو

یا پھر یہ خواب چیزوں میں

روتے روتے سو جاتے ہو

کیا تم بھی؟

اندازِ بیاں اور

معصیت اصل میں یہی ہے کہ مخالف ٹیم کا لمبا

تڑکا بلور خدا جھوٹ نہ بلوائے پورے ایک

فرلانگ سے ٹھٹھا ہوا آتا، ایک پارٹی جھٹکے گئے

ساتھ رک کر ٹھٹھا کر پھر خلاف توقع نہایت تیزی

سے گیند بھیجتا، اس کے علاوہ حالانکہ صرف دایں

سے دیکھ سکتا تھا گر گیند بائیں ہاتھ سے بھیجتا

مرزا کا خیال تھا کہ اس بے ایمان نے یہ چکر

دے کر اسی صورت اختیار کر لی ہے لیکن ایک

ایسی موقوف نہیں، کوئی بھی یہ انداز نہیں کر

تا تھا کہ گیند سے اور کہاں پھینکے گا بلکہ اس کی

سہرت دیکھ کر بھی کبھی تو یہ شبہ ہوتا تھا کہ اللہ

کے پھینکے گا بھی یا نہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ اس نے گیند سے اتنے دھکم

پھٹے لئے، جتنے پھینکنے کے انداز سے، بقول مرزا

ارے سے کوئی خائف نہیں ہوتا، وہ زیادہ سے

زیادہ دھکم ہی تو لے سکتا ہے، جان تو اتنا ہی سے

لی ہے۔“ گیند پھینکنے سے پہلے جب وہ اپنی

مالی کوڑکی چال سے لہرایا ہوتا ہوا آتا تو اچھے

ہوں کے بیٹے ہاتھ کے ہاتھ میں رہ جاتے۔

ملاقات احمد یوسفی کی کتاب ”چراغِ تسنن“ سے

(اس)

نیرہ بخاری، ایک

ستم ظریفی

فرخین کے ڈبے میں ایک صاحب کو نگار

باتے دیکھ کر ان کے سامنے والی نشست پر بیٹھی

ای عورت نے نرمی سے ان سے کہا۔

”سہارا کے چھوٹے سے میری طبیعت

اب ہونے لگتی ہے۔“

وہ صاحب ایک گہرا رش لگا کر دھواں فضا

بھیڑتے ہوئے بولے۔

”بھوتہ! ایسی صورت میں تو میں آپ کو

مشتورہ دے سکتا ہوں کہ آپ تمباکو نوشی مت

کریں۔“

شرین زاہرہ، خانپور

غیبت کا گناہ

حضرت ابراہیم بن ادنم غیبت کرنے والوں

کی سخت سرزنش کرتے تھے غیبت اسے کہتے

ہیں کہ کوئی کسی کا اس کی غیر موجودگی میں اس

طرح تذکرہ کرے جو کہ اسے پابند ہو، ایک

حدیث میں وضاحت اس کی طرح ہے۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غیبت کی حقیقت دریافت

فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”تمہارا اپنے بھائی کا اس طرح تذکرہ کرنا

جو اسے پابند ہو۔“ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

کسی نے پوچھا۔

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر وہ

بات اس میں موجود ہو تو ایک پھر بھی غیبت ہوگی۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”یہی تو غیبت ہے اور اگر وہ بات اس میں

نہ پائی جائے تو پھر یہ بہتان ہوگا۔“

چنانچہ حضرت ابراہیم بن ادنم کو ایک دفعہ

ایک ضیافت میں مدعو کیا گیا آپ نے لوگوں سے

کسی کی غیبت کی تو فرمایا۔

”عجب بات ہے کہ پہلے لوگ گوشت سے

پہلے روٹی کھاتے تھے، مگر یہاں دیکھتے ہیں کہ

لوگ اپنے بھائی کی غیبت کر کے روٹی سے پہلے

اس کا گوشت کھا رہے ہیں۔“ پھر آپ وہاں سے

اٹھ گئے اور کھانا نہ کھایا۔

نمرہ سعید، اوکاڑہ

تعبیر

سیاہ باتوں کے آگے سرخ دھوئیں

جانے اسے انھیں ملا کر بات کرتی ہوں

کہ میں نے عمر میں دیکھا ہے پہلی بار یہ منظر

میری بیندیں میرے خوابوں کے آگے سرخ احگر

چل رہی تھی۔

طاہرہ رحمان، بہاولنگر ☆☆☆

صانع ابرار ہم --- فصل آباد
پلک چمکتے ہی دنیا اجاز دیتی ہے
وہ بیتاب جنہیں بسے زمانے لگتے ہیں
فراز ملتے ہیں غم بھی نصیب والوں کو
ہر اک کے ہاتھ کہاں یہ زمانے لگتے ہیں

خزاں میں چاک گریاں تھا میں ہمار میں تو
مگر یہ فصل ستم آشنا کسی کی نہیں
میں آج زد یہ اگر ہوں تو خوش گمان نہ ہو
چراغ سب تجھے بھیجیں گے ہوا کسی کی نہیں

کچھ یاد ہے ہر فصل میں گزرے ہیں مگر
شاید اب جاں سے گزر جانے کا موسم آیا
وقا عبدالرحمان --- روپینڈی
تھا جنہیں زخم وہ دریا بھی مچھی میں ڈوبے
میں کہ صحرا نظر آتا تھا سمندر نکلا
شہر والوں کی محبت کا میں قائل ہوں مگر
میں نے جس ہاتھ کو چما وہی خنجر نکلا

تھکا گیا ہے ستر اداسی کا
اور اب بھی ہے مرے شانے پر سرا داسی کا
میں تجھ سے لیے ہوں یاد مہرباں میرے
کہ تو علاج نہیں میری ہر اداسی کا

فراز اس شہر میں کو دکھاؤں زخم اپنے
میں تو ہر کوئی مجھ سا بدن پہنے ہوئے ہے
سدا نعیم --- شیخوپورہ

دور پہنچے ملے دل کے
تیری تجھے کس کی تلاش

ان ملتا ہے رونے سے دل کو بھی آذر
ہو بھی موسم تو بارشیں مانگوں
بہادر احمد --- بہاولپور
میرے کرنے کا کچھ اس میں ہنر ایسا تھا
میری بات کا مہیوم بدل دیتا ہے

میں میں ہوش کے سب ملے بھی ساتھ رکھتا ہے
کرتا ہے لیکن فاصلے بھی ساتھ رکھتا ہے
دل آب و ہوا تو اس آئے بھی اس کو
ت کی ساری منتیں میں ساتھ رکھتا ہے

جان رکھتا ہر اک آہٹ پر
بہادر احمد --- ساہیوال
سے قریب رہ کر تجھے تلاش کروں
اس میں میری بد خواہیاں نہ کیں

کے کہو بہت نا مراد شے ہے جنوں
کے کہو کہ مجھے ہے بہت جنوں اس کا

اشوں کی محرمیاں مت پوچھ میرے ہم نفس
میری سس سس میں خوابوں کا زہر اترتا ہے

ایک --- بھارتی
ہی کریں کوئی صورت انہیں بلانے کی
ہے ان کو تو عادت ہے بھول جانے کی
کے ذکر پر تم کیوں سنبھل کے بیٹھ گئے
ہری بات نہیں بات ہے زمانے کی
پہ ہی ریت پہ تڑپ چنی گئی

بٹی رہی ہے دکھ کا بھی عنوان محبت
ہم نے پڑے ہیں اتنے فسانے کہ بس
لگتا ہے ہر فسانے کے ہے جان محبت

رشتوں کو توڑنے میں ذرا احتیاط کرنا
رخ اپنا موڑنے میں ذرا احتیاط کرنا
ایسا نہ ہو کہ ایک دن پچھتاو ہر گزری
غم مجھ کو چھوڑنے میں ذرا احتیاط کرنا

شرین زاہرہ --- خانپور
اپنا آجکل سنبھال کر چلتا
چمچیر خانی ہوا کی عادت ہے

دل کو چھاری یاد کے آنسو عزیز تھے
دنیا کا کوئی درد سمونے نہیں دیا
ناصر یوں اس کی یاد چلی ہاتھ تھام کر
ملے میں اس جہاں کو کھونے نہیں دیا

جو گنگ چکی ہے گرہ دل میں کل نہیں سکتی
تو لاکھ ملتا رہے ہم سے دوستوں کی طرح
نور محمد سعید --- اوکاڑہ
مختصر لفظوں میں ہے اب یہ مزاج زندگی
رابطہ سب سے ہے مگر واسطہ نہیں

ہر چارہ گر کو چارہ گری سے گریز تھا
ورنہ نہیں جو دکھ تھے بہت لادوا نہ تھے

وہ ریت کر کے میرے خواب کی زمینوں کو
میرے وجود میں دریا تلاش کرتا ہے
گنوا کے مجھ کو کسی عہد خوش گمانی میں
وہ شاید اب کوئی مجھ سا تلاش کرتا ہے
بہاول نگر --- طاہرہ رحمان
تم پہ ہی ریت پہ تڑپ چنی گئی

اب بھرے شہر میں مجھے دھڑوڑو

یہ ورق ورق تیری داستان
یہ سبق سبق تیرے تذکرے
میں کروں تو کیسے کروں الگ
تجے زندگی کی کتاب سے

جب سے چھوڑا ہے تو نے ساتھ میرا
میں کسی کو بھی چھوڑ سکا ہوں
ہو گیا ہوں میں سگدل اتنا
دل کسی کا بھی توڑ سکتا ہوں
عمر ادلی --- حاصل پور

نہ ہاتھ تمام سکے نہ پکڑ سکے دامن
بہت ہی قریب سے اٹھ کر پھڑکیا کوئی

وہ کل کے آنے کی مطلق خبر نہیں رکھتا
وہ جی کے ماضی میں باتوں سے حال بننا ہے

میں سر جھکا کے کہ دوں گی اپنے رب کے سامنے
کہ ہزاروں گناہ ہو گئے تیری رحمت کے ناز پہ
عقل کی جبین ---

آہ! یہ جیلا نفاں غفلت کی خاموشی نہیں
آگئی ہے یہ دلاسا فراموشی نہیں

زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں
لوٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گز ہر نہیں

کون دیتا ہے محبت کو پرستش کا مقام
جو تم انصاف سے سوچو تو دعا دو ہم کو

وردہ نمبر --- لاہور
نے تو آنکھ سے آنسو رواں ہمارے ہوئے
کہ ہم پہ دست بہت مہرباں ہمارے ہوئے

بہت سے زخم ہیں ایسے جوان کے نام کے
بہت سے فرض سر دوستاں ہمارے

میرے لہو میں کھلے ہیں تیرے بھر کے
کب آئے ان پہ تیرا موسم وفا
کبھی ہو یوں بھی کہ وہ آئے اور ہم نہ
کبھی تو اہل جنا کا بھی حوصلہ دیکھ

میری دعاؤں میں رہتا ہے تیرا دم
اب اس سے بڑھ کر میرا اعتراف کیا
شرہ شیرازی

وہ میری طرح ریاضت تو کر لے مرنے کی
وہ میری طرح تنہاؤں کو مارے تو کسی
میں پھر ایک ہمتی ہوئی صبح اسے لا کر در
رات وہ میرے لئے رو کر گزارے تو کسی

قربت کی تیری پیاس ہے دیے تو ٹھیک ہوں
اک درد دل کے پاس ہے دیے تو ٹھیک ہوں
تو مجھ کو اپنی ذات سے باہر نہیں
یہ دکھ بھرا قیاس ہے دیے تو ٹھیک ہوں

ہم سمندر کو بھی جینے کا مزا دیتے ہیں
ہم ہی دریاؤں کی رفتار بنا کرتے ہیں
حرفہ حماد ---

ہمیں خبر ہے ہوا کا حراج رکھتے ہیں
مگر یہ کیا کہ ذرا دیر کو رے بھی نہیں

کاش صندوق میں مری مانگ اچالے آ کر
اتنے غیروں میں وہی ہاتھ جو اپنا دیکھوں
تو مرا کچھ نہیں لگتا ہے مگر اسے جان حیات
جانے کیوں تیرے لئے دل کو دھڑکا دیکھوں

تو بدلتا ہے تو بے ساختہ میری آنکھیں
اپنے ہاتھوں کی لکیروں سے ابھ جاتی ہیں
مصباح فیصل --- کوہاٹ

خوشبو تو سانس لینے کو ٹھہری تھی راہ میں
ہم بد گمان ایسے کہ گھر کو پلٹ گئے
ماتا دوبارہ ملنے کا وعدہ جدائیاں
اتنے بہت سے کام اچانک منٹ گئے

اے شوق کی بے باکی وہ کیا تیری خواہش تھی
جس پر انہیں غصہ ہے انکار بھی حیرت بھی

محبتوں میں دکھاؤں کی دقتی نہ ملا
اگر گلے ملتا تو ہاتھ بھی نہ ملا
خدا کی اپنی بڑی کائنات میں میں نے
بس ایک شخص کو مانا مجھے وہی نہ ملا
نبیلہ نعمان --- گلبرگ لاہور

رات کیا سوئے کہ باقی عمر کی نیند آگئی
خواب گیا دیکھا کہ دھڑکا لگا تعبیر کا

سب نے کیے ہیں مجھ پہ بھانڈوں کے تجربے
اک بار آپ بھی تو مجھے آزمائیے
میں شہر بھر میں اک ایذا پسند ہوں
گر چاہیے دعا تو میرا دل دکھائیے

تیرے چہرے کی کشش تھی کہ پلٹ کر دیکھا
ورنہ سورج تو دوبارہ نہیں دیکھا جاتا
آگ کی ضد پہ تا جا پھر سے بھڑک سکتا ہے
راکھ کی تہ میں شرارہ نہیں دیکھا جاتا

فرخ راؤ --- کینٹ لاہور
کرم کرو ستم کرو ہم گلہ نہیں کرتے
خزاں میں پھول بھی کھلا نہیں کرتے
خاک میں ملا دو ہمیں مگر اتنا یاد رکھو

ہم جیسے لوگ دوبارہ ملا نہیں کرتے

مجھ میں کیا ہے جو یاد بھلا کرے گا کوئی
اتجھے اچھوں کو یہاں لوگ جلا دیتے ہیں

ہم زندگی کی جنگ میں ہمارے ضرور ہیں
لیکن کسی مقام پر پسپا نہیں ہوئے
عاشق شاہزاد --- لاہور

یہ اچھا ہے کہ آپس کے بھرم نہ ٹوٹنے پائیں
یہ دوستوں کو آزما کر کچھ نہیں ملتا
کوئی اک آدھ سینا ہو تو پھر اچھا بھی لگتا ہے
ہزاروں خواب آنکھوں میں سجا کر کچھ نہیں ملتا

میرا یہ وجود ہو کم سے کم نہیں ریت پہ کی نقش پر
تو بنائے تو میں بنا کروں تو مٹائے تو میں مٹا کروں
میں تمام باد کے موتیوں کو ہے کسے آنکھوں کی قید میں
تیرا حکم مجھ کو ملے گا تو میں قیدوں کو رہا کروں

میری آنکھوں میں سورج گچھلتا رہا چاند جلتا رہا
تیری یادوں کا سورج لگتا رہا چاند جلتا رہا
یہ دہبر کہ جس میں کڑی دھوپ بھی چھتی لگنے لگی
تم نہیں تو دہبر سلکتا رہا چاند جلتا رہا
نسرین خوشید --- جہلم

وہ مجھ کو دیکھ کے برسا تھا بالوں کی طرح
میں زخم تھا تم پھر بھی اعتدال میں تھا

کوئی تارے کون سمجھائے کون سے دس سدھار گئے
ان کا رستہ دیکھتے دیکھتے تھیں ہمارے ہار گئے
ایک لگن کی بات ہے چون ایک لگن ہی جیون ہے
پوچھ نہ کیا کھویا پایا جیتے کیا ہار گئے

☆☆☆

”جنگ کے نام بھیجا جانے والا تھا۔ کارگر ہو ہی گیا۔“

موکل نے حیرت سے پوچھا۔
”تو کیا تم نے میرے مشورے کے خلاف
جنگ کو فتح بھیج دیا تھا؟“
مول نے چہرے پہ مصحوبیت بکھیرتے ہوئے کہا۔

”میں نے جج کو بھیج جانے والے تختے پر
اپنے مخالف کا نام لکھ دیا تھا۔“

مصباح فضل، کوہاٹ
کاگر گرنے

دوسہیلوں میں شوہر سے جلیوں بہاؤں
سے پیسے انھیں کی بات ہو رہی تھی، ایک نے کہا۔

”مجھے تو جب بھی پیسوں کی ضرورت ہوتی
ہے، میں اپنے شوہر کو دھکی دے دیتی ہوں کہ

میں نے اپنے میکے جا رہی ہوں اور وہ کوئی بحث
کیے بغیر مجھے گرائے گی تم تھما دیتے ہیں۔“

عائشہ شہباز، لاہور
دوائی

گلی میں کھڑے کھڑے ایک عورت نے
اپنی پڑوس سے بڑی بے چارگی کا مظاہرہ کرتے

ہوئے کہا۔
”میرے میاں ادھ مرے سے ہو رہے

ہیں، مگر میں انہیں ان کی دوا لا کر نہیں دے سکتی۔“
پڑوس فوراً ہمدرد لہجے میں بولی۔

”نہیں ابھی اتنی رات تو نہیں گزری، بعض
میڈیکوز رات، دن کھلے جتے ہیں۔“

”مگر شراب کی دکانیں تو سب بند ہو جاتی
ہیں۔“ خاتون نے بے بسی سے جواب دیا۔

نسرین خورشید، جہلم

وعدہ

میں ستارے توڑ کر لاؤں گا تیرے واسطے
اس کا وعدہ میرے جان و دل پہ ایسا چھا گیا
میں بہت خوش تھی مجھے اک چاہنے والا ملا
وہ ہمارے گھر ”ستارہ لان“ لے کر آ گیا
صائمہ مظہر، حیدرآباد

چل رہا ہے

اُدھر ناکے پہ ناکہ چل رہا ہے
اُدھر ڈاکے پہ ڈاکہ چل رہا ہے
اُدھر منصوبہ بندی کے ہیں چہرے
اُدھر کاکے پہ کاکا چل رہا ہے

ایمان علی، ٹوبہ ٹیک سنگھ

مقام شکر

”کیا کبھی کسی نے تمہیں اپنے پاں کام کاج
یا کوئی ملازمت وغیرہ کرنے کی پیشکش کی۔“ ایک

صاحب نے ایک پیشہ ور بھکاری سے پوچھا۔
”جی ہاں..... صرف ایک مرتبہ ایسا اتفاق

ہوا تھا۔“ بھکاری نے ٹھنڈی سانس لے کر جواب
دیا۔

”ورنہ لوگوں نے میرے ساتھ ہمیشہ
ہمدردی اور محبت کا ہی سلوک کیا ہے۔“

شاہدہ اسد، گوجرانوالہ

قطعہ

بٹی ہے گھر میں اس کو بٹھائے گی کب تک
یہ سر پہ اپنے بوجھ اٹھائے گی کب تک

داماد کے پلو سے اسے ہاندے گی اک دن
بکری کی ماں خیر منائے گی کب تک

نوشین الطاف، نیورا جو پنڈی باخاں

☆☆☆

میری ڈائری

صائمہ محمود

ڈاکٹر نازش امین: کی ڈائری سے ایک نظم
”بے اعتباری“

سنو!

تم جب بھی کہتے ہو
بہت مصروف ہوں میں

اس وقت
انجانے ہی جانے کیوں؟

تمہاری آنکھ کا
نادیدہ گل

ڈھونڈ لیتی ہوں
بمشرہ سحر: کی ڈائری سے ایک نظم

کوئی تم سے پوچھے کون ہوں میں؟
تم کہہ دینا

کوئی خاص نہیں
اک دوست ہے چاکا کا

اک جھوٹ ہے آدھا سچا سا
اک خواب ادھورا پورا سا

اک پھول ہے روکھا سوکھا سا
اک سپنا ہے بن سوچا سا

اک اپنا ہے ان دیکھا سا
اک رشتہ ہے انجانا سا

حقیقت میں افسانہ سا
کچھ پاگل سا دیوانہ سا

بس اک بہانہ اچھا سا
جیون کا ایسا سچی ہے

جو دور ہو تو کچھ پاس نہیں

کوئی تم سے پوچھے
”کون ہوں میں؟“

تم کہہ دینا
کوئی خاص نہیں

عائشہ ندیم: کی ڈائری سے ایک نظم
”ہم نے تمہیں مانگا“

ہم نے تم سے سوائے تمہارے کچھ نہیں مانگا
تم نے کہا تھا وہ گاؤں جو تم نے مانگا

شطلوں کی زد میں صرف میں کہاں
اس زلیت میں ہر خاک بشر نے

دور دور حسین بار مانگا
وصل ہجر بار بار میں ترس گئیں توپ گئیں

بجی آنکھیں بھی دھوئیں
یادوں سے لپٹی شدلوں نے

مجھ سے تمہیں گئی بار مانگا
خزاں کی رتوں میں بہا رہے

قرار رہے اس لئے ہم نے صم
خاموش ساعتوں میں رات

عبادتوں میں تمہیں اپنے رب سے مانگا
محبت اثر رکھتی ہے چھوٹی سی ہے

دل کو اگر یہی جہ تو دوست
بڑے پیار سے بڑے مان سے ایک

بار پھر سے ہم نے تم کو مانگا
یاور عظیم: کی ڈائری سے ایک پیاری غزل

اور کیا کرتا بیان غم تمہارے سامنے
میری آنکھیں ہو گئیں پر غم تمہارے سامنے

ہم جدائی میں تمہاری مر بھی سکتے ہیں مگر چاہتے ہیں کہ نکلے دم تمہارے سامنے جس میں ہم دونوں کے بچپن کی بھی اک تصویر ہے ڈھونڈ کر لایا ہوں وہ اہم تمہارے سامنے آتے آتے اب یہ رہ جاتی ہیں دل کی حسرتیں کھولتے ہیں ہم زبان کم کم تمہارے سامنے تم سمندر کی طرح آغوش داکرتے نہیں ہم تو بن جاتے ہیں موجِ نیم تمہارے سامنے کس لئے تم تندر میں شرارے ہو اس طرح خواب میں کیا آگے ہیں ہم تمہارے سامنے

نو شین الطاف: کی ڈائری سے ایک نظم

تمہاری یادیں گر رہی ہوئی اداس خاموشی کی قسم تمہارے بن چپوں کی رنگینیاں کہیں دور آسمانوں کے دستوں میں کھو گئی ہیں کسی پرندے کے طرح آسمان کو چھونے کی خواہش میں دم توڑ گئی ہیں تمہاری یادیں بہا رہے ہوئے آسودگی کی قسم آج بھی مدت گزر جانے کے بعد حیاتی کا ہر لمحہ تمہاری یادوں کی خوشبو سے مہکا ہوا ہے

تمہاری نام کی مالا چلتا ہے اور میری پاگل و فانی کم کیو لاتی ہیں صرف تمہاری ہی آرزو کرنی ہیں اور جن میں یاد کرتی ہیں

صائمہ محمود: کی ڈائری سے ایک نظم

اے صبا! میں اب کہاں رہا ہوں خوابوں ہی میں صرف ہو چکا ہوں سب میرے بغیر مطمئن ہیں میں سب کے بغیر جی رہا ہوں کیا ہے جو بدل گئی ہے دنیا میں بھی جو بدل گیا ہوں گواہنے ہزار نام رکھوں

پراسے سوا میں اور کیا ہوں میں جرم کے اعتراف کر کے کچھ اور ہی چھپ گیا ہوں اور فقط اسی کی خواہش اخلاقی میں بھوت ہوتا ہوں اک شخص جو مجھ سے وقت لے کر چو آنہ کا تو خوش ہوا ہوں ہر شخص سے بے نیاز ہوا چھپ رہا ہے یہ کہہ میں خدا ہوں دیا ہوں تو اپنے دوستوں میں پرستھ سے تو ہنس کر ہی ماہوں کل پر ہی رکھو دفا کی باتیں میں آج بہت بچھا ہوا ہوں

صائمہ سلیم: کی ڈائری سے ایک غزل

جو غم ملا جنہیں کے شکن میں چھپا لیا دل تھی گداز چہرہ کو پتھر بنا لیا جو آتش کی گھٹکے سناجھ لے گئی جو اشک تھا ہوائے حشر نے اڑا لیا کاغذ کے پھول سر پہ سجا کر چلی حیات نگلی برون شہر تو بارش نے آ لیا اک میں ہی طہ ہر نہیں تو بھی فریب ہے اپنی ہی ذات سے ترا بھی پتا لیا اک عمر جس کی مار یہ رہ کر سچ رہے بچتے تھے ادھ میں کہ وہی تیر تھا لیا ہم بھی گھٹک شوق پہ نالوں رہے مگر دل نے آسمان ہی سر اٹھا لیا ہم نے کہ بخت حصہ نہ جاگ اٹھے اے ظفر معمرہ ازل سے دل بے صدا لیا

نازیہ جمال: کی ڈائری سے ایک نظم

شہر و در و دل پر عتاب اترتے ہیں کی طرح کبھی عشق ہو تو پتا چلے

یہ جولوگ سے ہیں چھپے ہوئے ہیں دوستاں تو یہ کیوں ہیں؟ یہ جولوگ سے ہیں چھپے ہوئے ہیں جسم و جاں تو یہ کس لئے؟ یہ جو کان ہیں میرے آہوں پہ لگے ہوئے تو یہ کیوں بھلا؟ یہ جو ہونٹ ہیں صف دوستاں میں ملے ہوئے تو یہ کس لئے؟ یہ جو اضطراب رکھا ہوا ہے وجود میں تو یہ کیوں بھلا؟ یہ جو سنگ سا کوئی آگرا ہے جو دہلیں تو یہ کس لئے؟ یہ جو دل میں درد چڑھا ہوا ہے لطیف سا تو یہ کب سے ہے؟ یہ جو چلتیوں میں ہے کس کوئی خفیف سا تو یہ کب سے ہے؟ یہ جو آتش میں کوئی برف سی ہے جی ہوئی تو یہ کس لئے؟ یہ جو دوستوں میں تنہی ہے کی ہوئی تو یہ کیوں بھلا؟ یہ جولوگ پیچھے پڑے ہوئے ہیں فضول میں انہیں کیا پتا، انہیں کیا خبر؟ کسی راہ کے کسی موڑ پہ جو انہیں ذرا کبھی عشق ہو تو پتا چلے

سمین رضا: کی ڈائری سے ایک غزل

دشت تھی مگر چاک لبادہ بھی نہیں تھا یوں زخم نمائی کا ارادہ بھی نہیں تھا خلعت کے لئے قیمت چال یوں بھی بہت تھی پھر اتنا دلاؤ لبادہ بھی نہیں تھا ہم مرجھا کتے ترے ہر تہہ ستم پہ سچ یہ ہے کہ دل اتنا کشادہ بھی نہیں تھا

ہم خون میں لہلائے گئے تیری گل میں اور تو کہ سر ہام ستادہ بھی نہیں تھا یاد کوئی تندہ کر دم کہ وہ ہم سے نا خوش تھا مگر اتنا زیادہ بھی نہیں تھا آخر کو تو گل ہو گئے سورج سے سار اور میں چراغ سر جادہ بھی نہیں تھا پاگل ہو فراز آج جو رہ دیکھ رہے ہو جب اس سے ملاقات کا وعدہ بھی نہیں تھا

شامین سلیم: کی ڈائری سے ایک غزل

عذاب در بدری سے گلنا چاہتے ہیں اب اس کے خیمہ خوشبو میں رہنا چاہتے ہیں صدائے گل کی طرح مویہ صبا کی طرح تیری گل سے دل گزرتا چاہتے ہیں حلاش رزق میں بھی ہوئی مکان کے بعد پرندے اپنے گھروں کو پلٹنا چاہتے ہیں ہمیں نہ دیکھ زمانے کی گرد آنکھوں سے تجھے خبر نہیں ہم تجھ کو کتنا چاہتے ہیں وفا ہے شرط تو پھر اپنے درمیان اب بھی یہ لوگ کس لئے دیوار رکھنا چاہتے ہیں امیر شہر سلامت مصاحبان سمیت ہم اہل صبر ان سے کتنا چاہتے ہیں

ایمن عزیز: کی ڈائری سے ایک غزل

لے لکتے ہیں دل دکھانے میں وقت گلتا ہے پھر منانے میں گھاؤ لفظوں کا پھر بھی نہیں سکتا بات بنتی نہیں بنانے میں گلشن دل کو تہا مت کرتا صدیاں لگ جائیں گی بنانے میں فصل گل نے جو بے قرار کیا ہم گئے گھر کو پھر جانے میں دل آخر بھی منتظر تھا ولی

محمد بلال فیاض ----- ملتان نویدہ قدر بردا ----- اسلام آباد
س: شادی کا پہلا مہینہ فخر ہے اور دوسرا صبر ہے
اور تیسرا.....
ج: جبر ہے۔
س: کون سا جرم کیا تھا جو حنا کی محفل میں آگئے؟
ج: کس نے؟
س: آپ کی عمر کیا ہے؟
ج: آپ نے عمر سے کیا لیا ہے؟
میاں میر احمد انجم ----- فیصل آباد
س: اب آرزو ہے ہم سب مل کر تمہارے گھر
آئیں؟
ج: یہ سب کون ہیں؟
س: اگر ہو سکے تو اب کہہ دو؟
ج: اگر میں ناں کہہ دوں تو تمہاری تو آرزوی
پوری ہو جائے گی۔
س: پتھو ہے کہ اب تک نہیں گئی میرے گھر سے
اک روز میرے گھر میں کوئی مہمان آیا تھا
ج: آ رہی ہیں سبب آوازیں
جن سے جانا ترے مکان میں کیا؟
بلو فیاض ----- ملتان
س: کیا مشہور معروف عین عین صاحب نہیں
رہتے ہیں؟
ج: کیا آپ کو شک ہے؟
س: سلام عرض کرنی ہوں؟
ج: علیکم السلام عرض ہے۔
س: آپ کو ستانے والوں میں ایک اور اضافہ؟
ج: کس کا؟
س: روتے کیوں ہیں؟
ج: ستانے والوں کو دیکھ کر ہستا کون ظالم ہے؟
اسلام آباد
س: سنئے آنے والے قارئین کو آپ کیسے خوش
آمدید کہتے ہیں؟
ج: خوش آمدید کہہ کر۔
س: کسی کی یاد آنے کو فوراً بعد اگر وہ خود ہی
سائنے آجائے تو کیا بھجنا چاہیے؟
ج: یہ تو آپ کا مختصر ہے کس کو کیا بھجی ہیں۔
س: یاد کا سچ کس کا سفر تھا نہیں کاسفر، شہنشاہوں کا
سفر زندگی میں سفر کے علاوہ کچھ اور بھی ہے
کون؟
ج: صرف انگریز کا سفر۔
س: سنئے، یکنے گول نہ چاہے وہی بار بار نظر دوں
کے سامنے آئے تو کیا کرنا چاہیے؟
ج: آنکھ بند کر لیں۔
س: زندگی بھٹی ہے بھٹی ہے یا کڑی ہے
کچھ کھٹی ہے کچھ کھٹی۔
ج: عین عین صاحب آپ کے اس خوبصورت
نام سے متاثر ہو کر میرا جی چاہتا ہے کہ اپنا
نام نون قاف رکھ لوں کیا خیال ہے؟
ج: ساتھ ندا کی بجائے عین لکھ لیتا آسانی
ہوگی۔
س: آپ زیادہ سے زیادہ میرے کتنے سوالوں
کے جواب دینے کی سکت رکھتے ہیں؟
ج: آپ زیادہ سے زیادہ کتنے سوال کرنے کی
سکت رکھتی ہیں؟
عینا سحر ----- جہلم
س: سنا ہے آپ بات کرتے ہیں تو رس مگلے
بھرتے ہیں؟
ج: آپ آکر کھا لیں۔

آپ نے دیر کر دی آنے میں
نگفتہ رحیم کی ڈائری سے ایک غزل
ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں
ستم ہو کر وعدہ بے جالی
کوئی بات صبر آزا چاہتا ہوں
یہ جنت مبارک رہے زہدوں کو
کہ میں آپ کا سامنا چاہتا ہوں
ذرا سا تو دل ہوں مگر شوخ اتنا
وہی لن ترانی سنا چاہتا ہوں
کوئی دم کا مہمان ہوں اے اہل محفل
چراغ سحر ہوں بھجا چاہتا ہوں
بھری بزم میں راز کی بات کہہ دی
بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں
حمیرا رضا کی ڈائری سے ایک غزل
اس کو یہ بھی خراج ملتا ہے
شاعروں سے مزاج ملتا ہے
اس کے لہجے میں رنگ و خوشبو کا
اک حسین استخراج ملتا ہے
آج اک عمر ہو چلی سننے
آج آتا ہے آج ملتا ہے
ایک آنکھوں کے یوں سنہالے ہیں
چسپے لڑکی کو راج ملتا ہے
اک مدت گدائی کرتے ہیں
تیب کہیں تخت و تاج ملتا ہے
فتیش کیوں نہیں ملا کرتیں
جب کسی سے مزاج ملتا ہے
قدر لازم ہے اس کی ساحر
اس زمین سے تاج ملتا ہے
مار پیہ عثمان کی ڈائری سے ایک نظم
☆☆☆

اس سب کو دیکھتے ہوئے ہم آئے والے
انکسٹن میں لینے کے لئے سر توڑ کوشش کرتے،
سیاست دانوں کے بھی ہمیں کے کہ چھوڑیں
سیاسی پارٹیوں کے نکٹ کا حصول راحت فتح علی
کی ہموائیم میں شامل ہو جائیں ہزاروں گنا زیادہ
کمائیں گے۔

لطف موسیٰ شہرت کا

مارچ میں یولی ووڈ کی ساتویں شخصیت
طور پر ماحوری بھی مادام تساؤ کے موسیٰ زیم کی
زینت بن گئی، ماحوری کا دو کیوٹ سے بچوں کی
مٹی بن جانے کے بعد مادام تساؤ کے موسیٰ جادو
میں ڈھل جانا اس بات کا اشارہ دیتا ہے کہ یہ
دھک دھک کرل آج بھی اپنے چاہنے والوں



اصل سے نقل کا مایاب

یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ راحت فتح
اپنے چچا اور استاد نصرت فتح علی کا سایہ ہونے
کے باوجود اصل سے زیادہ چھپا ہوا ہے، نصرت
فتح علی خان نے اپنی پوری زندگی میں کسی بھی شو
سے پندرہ سے تیس لاکھ نہیں کمائے ہونگے، جبکہ
راحت کا اشارت ہی تیس لاکھ سے ہوتا ہے وہ
بھی صرف پنجاب میں جہاں رہا کرتی رہت میں
لاکھ جبکہ اسلام آباد یا کراچی میں ہر شو کے چالیس
لاکھ جمع فائینو اشار ہوگی کی سہولیات اور ہزاروں
ملک تو پانچول ہی والی بات ہے کہ وہاں معاوضہ
ڈالرروں میں ملتا ہے جو پاکستانی روپے میں ایک
کڑور کے قریب ہوتا ہے۔

ج: کیا کوئی آنکھ پھوسے سے بچ گئی ہے جو ماریہ کا
خیال پائی ہے۔
س: اس کے ریمیں میں اتنی گرمی کیوں لگتی ہے؟
ج: کیونکہ سروپوں میں سردی لگتی تھی۔
کشت نصیر کرمل —————
س: ہم مسلمان کیسے ختم ہو سکتے ہیں؟
ج: بڑا مشکل کام ہے کر کے دیکھ لو۔
س: کیا واقعی لے کے ختم ہو سکتے ہیں؟
ج: یہ نہیں لکھا کہ کس کے لئے ناختم۔
س: یہ دینا ہے یہاں دل کا نکلا کٹی کو آتا ہے
تائیں تو؟
ج: واقعی مجھے پسند اخبار میں اشتہار دے
دیں شاید کوئی بتا دے۔
س: جب دل ہی نوٹ کیا؟
ج: سبھی مرحوم نے کہا تھا اب جی کے کیا
کریں۔
لہا سیتل —————
س: بیٹی جی او اس لکھوں میں چاندنی راتیں دل پر
گہرا نقش کیوں چھوڑ جاتی ہیں؟
ج: گرمیوں کی دوپہر میں باہر نکلا کر۔ او ای
نزدیک ہی نہیں آئے گی۔
س: بیٹی یہ یہ تو بتائیے کہ خوشی کا رنگ کیسا ہوتا
ہے؟
ج: خوشی کی لالی چہرے پر دوڑ جاتی ہے۔
س: وہاں جیسے دل کی بیٹی میں جو پچھل جی ہے
وہاں پر ٹھہرا آجائے؟
ج: دل تو سمندر سے بھی گہرا ہوتا ہے جس کی
تہ میں ہمیشہ طوفان اچھل چلتے رہتے ہیں۔

س: کس کا ہے یہ تم کو انتظار میں ہوں ناں؟
ج: کیا ہو تم؟
س: وجود دن سے ہے تو تصویر کا نبات میں رنگ
اور جو درد سے؟
ج: تصویر کا نبات۔
س: آپ میرے سوال دیکھ کر کو اپنی گال جیسا نہ
کیوں بنا لیتے ہیں؟
ج: آپ میرے جواب پڑھ کر کھسپائی ملی جو بن
جائی ہو۔
خانیق رشاک نول —————
س: 4: کو رات پہ پہنچے ان کے مکان کی
چھت پر میں نے کیا محسوس کیا؟
ج: جیسے کوئی آ رہا ہو۔
س: کنوارے اور شادی شدہ انسان میں فرق
جائیں؟
ج: کنوارے بے خوف اور شادی شدہ ہمیشہ خوفزدہ
نظر آتے گا۔
س: ہے تو وہ بھی بڑی تین عمریں اکثر کامیاب ہو
جاتا ہوں؟
ج: اس کی مار سے بچ جاتے ہیں۔
س: میں تمہاری ہر جائز ناجائز خوشی پوری کروں
گی یہ الفاظ لڑکی کب کہتی ہے؟
ج: جو ناہتھ میں لینے تک۔
س: کوئی شکوہ اگر ہو کوئی شکایت اگر ہو تو ہم سے
گلہ کر دو تم ملا کرو؟
ج: اگر یہی حال رہا تو کسی دن اچھی شاعری کرنے
لو گے۔
س: اگر کسی کس لڑکی سے انتظار محبت کیا جائے
تو کیسے؟

ناگزیر و جوہات کی بنا پر اس ماہ سدرہ سحر کا مکمل ناول ”دستم گزیرہ“ شامل نہیں کیا جا رہا۔



حنانہ سرخو

افراح طارق

پالک کا راننا
بارہ تے
آدھا کلو
چھہ جوئے
حسب ذاتقہ
دو چائے کے تچھے
حسب ذاتقہ
ایک عدد
ایک چائے کا چچو
حسب ضرورت
ترکیب
سرخو میں سرکہ ڈال کر ہلکی آٹھ پر پکائیں
سرکہ پک جانے پر تمام اجزاء مکس کر لیں، مزے
دار بخوبی چٹنی تیار ہے۔
انار دانہ کی چٹنی

اشیاء
انار دانہ
پودینہ
برادھیا
لوکٹ
آلوچہ
املی
پیاز
سرخ مولیاں
نمٹا
پسی ہوئی لال مرچ
کالی مرچ
ہمک

اشیاء
پالک
دہی
لہسن
ہمک
مکھن
سفید مرچ
پیاز
زیرہ (پہا ہوا)
کالی مرچ
ترکیب

پالک کے پتوں کو گرم پانی میں ایک منٹ
ابال کر ٹھنڈے پانی میں رکھ دیں، پھر انہیں
باریک کاٹ لیں، پیاز کو چوکور چھوٹا چھوٹا
کٹ لیں، مکھن کے جوئے کو بھی باریک کاٹ لیں،
ایک فرما لی بین میں مکھن ڈالیں، جب پھل
جانے تو پیاز کو چند سینکڑھوں لیں، اب پالک
ڈال کر تیز آٹھ پر پکائیں تاکہ پانی خشک ہو
جانے، اب لہسن، ہمک، کالی مرچ ڈال دیں، چند
سینکڑھوں کر چولہا بند کر دیں بھننے ہوئے دہی
میں اسے شامل کر لیں اچھی طرح مکس کر دیں اور
زیرہ ڈالیں ٹھنڈا کر کے کوش کر فرمائیں۔
خجور کی چٹنی

اشیاء

کے دلوں پر راج کر رہی ہے اور اس شہرت و
مقبولیت میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ موسم میں ڈھل
کر وہ انٹرنیشنل فیم کی دھوے دار بن گئی ہے۔
مومی سیوزیم میں ایک رجسٹر رکھا ہے جس پر
شائقین اپنی فرمائش لکھ سکتے ہیں کہ وہ مزید کس کو
یہاں دیکھنا چاہتے ہیں، تو کرینہ کے بعد سب
سے زیادہ فرمائشیں ماہوری کے لئے درج ہوئیں
اور یوں وہ سوزی گڑ یا بین کر فلم نگری میں پھر سے
گولڈن انگو کیلئے لئے تیار ہیں۔

یہ منگنی نہیں ہو سکتی

ابھی میرا کی منگنی کی بازگشت زور و شور سے
سنائی دے رہی تھی کہ ظالم ساج کا رول کرنے
کے لئے ہونے والے سرسینے کیپٹن نوید کے
والد صاحب فیک پڑے اور سو باتوں کی ایک
بات کر کے میرا اور نوید کی اس رویتنگ فلم کا انڈ
کر دیا کہ یہ منگنی نہیں ہو سکتی اور یوں سب کچھ ختم
ہو گیا۔

اولڈ از گولڈ

ایک عرصے سے دن اینڈ اوٹی باہرہ شریف
کو پھر سے اداکاری کی طرف لانے کی کوشش کی
جاری ہیں، اس سلسلے میں ایک پروڈکشن ہاؤس
کی طرف سے باہرہ کو پھر سے اسکرین کی زینت
بنائے جانے کی شدید ہے، باہرہ شریف صرف اس
لئے دور باہرہ اداکاری کی فیلڈ میں آنے سے گھبرا
رہی ہیں کہ ان کے خیال میں انہوں نے ایک
گولڈن بیئرید کو انجوائے کیا، کہیں اب ایسا نہ ہو
کہ وہ اب ایسے ناظرین کو متاثر نہ کر پائے اور
بنی بنائی عزت بھی ہاتھ سے چلی جائے۔
باہرہ جی ہم آپ سے یہی نہیں گے کہ آپ
کچھ نہ سوچیں اور آٹھ بند کر کے اداکاری کے

لہذا اس کے بعد اباجی نے وہی کیا جو کرنا چاہیے
تھا یعنی یہ منگنی نہ ہوئی اور نہ ہوئی، گا زور دار لہرہ
لگا یا اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ میرا نے اس کے
معصوم بھولے بھالے بیٹے کو دونوں ہاتھوں سے
لوٹا ہے اب میرا بچاری کے پاس سوائے خاموشی
کے اور کوئی راستہ نہیں تھا کہ بات بچ بھی تاہم ان
کی والدہ محترمہ سرسبز شفقت نے کہا کہ جب منگنی
ہوئی تھی تو ٹوٹے کا سوال ہی نہیں بات تو مٹی
کی بھی ٹھیک ہے مگر کوئی ان سے پوچھنے کے پہلے
اسنے بہت سارے کام ان سے کاٹ کر لٹ کر گئے
گئے گے ہیں جو میرا اس طرح سے منگنی کرتی۔

☆☆☆



ترکیب

انار داتہ صاف کر لیں، دھنیے کی ڈھریاں الگ کر دیں، لوکانوں کو چمیل کر گودا لگ کر لیں، املی پانی میں بجھو دیں، انار دانے کو باریک پیس لیں، پھر اس میں ہر ادھیا اور پیاز ملا کر پیس لیں اور اس مرکب میں آلوچہ، املی کا گودا، نمک اور پسلی کا میرج بھی ملا دیں، سب چیزوں کو یکجا کر لیں، انار داتہ کی چٹنی تیار ہے۔

چکن ہر امالا

اشیاء

چکن

نمک

ادرک، لہسن (پسا ہوا)

ہری پیاز

دھنیا

پودینہ

آئل

سویا

دہی

ہری مرچ

پیشینی

گرم مصالحہ

ترکیب

چکن کو کیوب کی شکل میں بونیاں بنوائیں، کسی برتن میں تیل ڈال کر گرم کر دیں اور اس میں ادرک، لہسن کا پیسٹ ڈال کر بجھوئیں بھن جائے تو اس میں چکن کے ٹکڑے ڈال کر اچھی طرح بھون لیں، ہری پیاز، ہر ادھیا، پودینہ، سویا اور ہری مرچ کو گرینڈ کر لیں، چکن جب اچھی طرح بھن جائے تو اس میں پیسا ہوا ہر ادھیا شامل کر لیں

ہرے مصالحے اور چکن کو اتنا بھونیں کہ خوشبو آئے لگے اور تیل مصالحے سے ٹبک ہو جائے، اب اس میں دہی، پیس شامل کر دیں، پھر پیاز پندرہ منٹ تک پکائیں، آخر میں اس میں پیشینی، نمک اور پیاز ہوا گرم مصالحہ ڈال دیں، پیاز منٹ مزید پکا کر اتار لیں، چکن ہر ادھیا تیار ہے گرم گرم چپائیں کے ساتھ نوش فرمائیں۔

کاجو اور مرغی کا سالن

اشیاء

چکن

کاجو

لہسن

ہری پیاز

کارن فلور

میدہ

نمک

آئل

سویا سوس

دکن مرچ

شکر

مرغی کی بخنی

ترکیب

مرغی کے کیوبس بنوائیں، بے بغیر ہڈی کے ہوں گے، میدہ، دکن مرچ، سویا سوس کا پیسٹ بنا کر چکن کیوبس پر لگا دیں، کڑائی میں اتنا آئل ڈالیں کہ کیوبس فرمائی ہو سکیں، تیل گرم ہونے پر چکن کیوبس کو بقیہ تمام اشیاء کے ہمراہ فرمائی کر لیں، جب چکن اچھی طرح بھن جائے تو چھلے سے اتار لیں، ہری پیاز کا سفید حصہ باریک پرتوں کی شکل میں الگ الگ کر لیں، سرد کر کے سے پہلے ہری پیاز سے جا کر پیس کر دیں۔

اسپائسی منٹ بیف

اشیاء

گوشت

پودینہ

ادرک، لہسن پیسٹ

پیاز

ہری مرچیں

دہی

کالی مرچ پاؤڈر

ہر ادھیا

سفید سرکہ

گرم مصالحہ پاؤڈر

نمک

تیل

ترکیب

پودینہ، ہر ادھیا، ہری مرچیں، کالی مرچ، ادرک، لہسن کو پیس کر باریک پیسٹ بنائیں، اس کے بعد اس کو گوشت میں اچھی طرح ملا لیں، گوشت میں نمک، گرم مصالحہ، دہی اور سرکہ شامل کریں، پوری رات یا ایک دن کے لئے فریج میں رکھیں، (خیال رہے کہ پیشینی دیر میری نہیں ہو گا اتنا ہی مزے دار ہوگا) کپانے سے پہلے دھنی میں تیل گرم کر دیں اور پیاز گائی کر دیں، اس میں میری بیٹ کیا ہوا گوشت مصالحے سمیت ڈال دیں، ہمیں سے پینتیس منٹ ہلکی آگ پر پکے دیں، جب دہی کا پانی خشک ہو جائے تو اچھی طرح بھون کر کچھ دیر دم دیں، مزے دار منٹ بیف تیار ہے، دھن میں نکال کر پودینے کے چٹوں سے گارن کر کے پرائیوں کے ساتھ پیش کریں۔

نہاری

اشیاء

گائے کا گوشت

آٹا

سونف

سولف

سفید زیرہ

پیاز

لہسن اورک پیسٹ

جائفل

جاوڑی

کونک آئل

دہی

نمک، مرچ

بلدی گرم مصالحہ

کھی

ترکیب

تیل خوب گرم کر دیں، اس میں گوشت ڈال کر ذرا دیر کو بھون کر نمک، سرخ، مرچ، لہسن اورک وغیرہ ڈال کر پیاز منٹ تک بھونیں اور دو گلاس پانی ڈال کر گلا لیں، جب پانی خشک ہو جائے تو سونف، پیاز اور سونف پیس کر ملا لیں، اب کچھ دیر کے بعد گرم مصالحہ، جائفل اور جاوڑی پس کر دیں، دہی میں ملا کر گوشت میں شامل کر دیں، مزید پیاز منٹ بھون کر اس میں مناسب مقدار میں پانی ڈال کر شوربا پکائیں، اب اس پختہ شوربے میں آدھے گلاس پانی میں آٹا گھول کر پکتے ہوئے گوشت میں ڈال کر شوربا مناسب گاڑھا کر لیں، جب حسب منشا سارن تیار ہو جائے تو کھی میں پیاز، ثابت سرخ مرچ کا بھار دیں اور ادھاکا پیاز بیک کٹا ہوا ہنز دھنیا ڈال کر چولہا بند کر کے ڈھک دیں اور دس منٹ بعد گرم گرم تھوری روٹیوں کے ساتھ نوش فرمائیں۔

آپ سب کی خوشیوں اور سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ حاضر ہیں۔

مئی کا آغاز ہے، گرمی کی شدت میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے، طویل دوپہروں میں جسم و جان کو جھلساتی دھوپ اس پر مزید جلکی کی آگھ بھولی، لوز شیدنگ کا موسم تو مستقل ہی بٹھ گیا ہے، ایسے میں ہماری پوری کوشش ہوتی ہے کہ پرچا وقت پر آپ تک پہنچ جائے اور ہمارا انتخاب آپ کو راحت پہنچا سکے ہر ماہ ہم پوری محنت اور لگن سے آپ کے لئے دن کو سنوارتے ہیں، آپ کی پذیرائی ہماری محنتوں کا حاصل ہے، ہمیں خط لکھ کر اپنی رائے کا اظہار ضرور کیا کریں، تاکہ ہم آپ کی آراء کی روشنی میں دن کو خوب سے خوب تر بناسکیں آپ سب کا بیکراں غلطوں اور خنیتیں ہمارا سب سے قیمتی سرمایہ ہیں۔

اپنا خیال رکھیے گا اور میں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے، بلکہ آپ جب بھی دعا کریں پوری امت مسلمہ خصوصاً پاکستان کے لئے دعا کیا کریں، ہمارا یار ملک اس وقت جن مسائل میں گھرا ہے وہاں ”دوا“ کے ساتھ دعا کی بھی بے حد ضرورت ہے۔

اللہ پاک ہمارے پیارے وطن کو پیارے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے اپنی حفظ و امان میں رکھے آئیں، آئیے اب آپ کے خطوط کی طرف متوجہ ہیں۔

یہ پہلا خط ہمیں سلیکٹ سے فاطمہ رحمان نے لکھا ہے۔

ابرہیل کا دن خالص صورت ناسل کے ساتھ ملا، سرداران گل سے ”کچھ باتیں ہماریاں“ میں چھوٹی سی ملاقات ہر ماہ آگاہی کے بہت سے درد کرنی ہے، ہمد و نعت اور پیارے نبی کی پیاری باتیں ہم ہمیشہ فجر کی نماز کے بعد پڑھتے ہیں، سو آگے بڑھے، انشاء نامہ ہمیشہ کی طرح پسند آیا بلکہ اس بار تو انشاء جی کی پچالی نظم دل میں اتر گئی۔

سیلہ ہاشمی کا انٹرویو کامیاب لوگوں کو احساس دلایا گیا، جس میں جب بھی کسی ایسی ٹیڈی سے ملتی ہوں جب کا ایک نام اور مقام ہوتا ہے تو خود کو یہ یاد رکھنا نہیں بھولی کر انشاء اللہ میں بھی ایک دن اپنی محنت اور لگن سے اعلیٰ مقام حاصل کروں گی، مجھے سلسلہ دار ناول کی طرف بڑھے، ”ستارہ صبح امیرکا“ فوری غزل کی تحریر نے جانے کس بار کیوں ہوا کچھ سنا سنا محسوس ہوتا ہے، بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ پڑھتے پڑھتے روبرت کا احساس ہونے لگتا ہے حالانکہ اس ناول کا اشارش بہت زبردست تھا، ”ستم گزیدہ“ عمران سہری تحریر واقعی ستم گزیدہ ہے اس سے زیادہ کیا کہیں، اُم مریم کا ”ستم آخری جزیرہ ہو“ اس بار کافی دلچسپ تھا مریم کی خدا کے واسطے نینب کو جہان جیسے کسی انسان کے ساتھ اونچ نہ کیجئے گا اور معاذ کو کسی اس کی سرکشی کی سزا ضرور دیتے گا۔

ہما عامر کا ناول ”تہنہ راری طلب میں“ بھی ایک بہترین تحریر تھی، مکمل ناول میں مباحات کا ناول ہے حد پسند آیا جبکہ سعدیہ عابد کی تحریر کوئی خاص تاثر نہ چھوڑ سکی تحریر کو بلا وجہ طویل کیا گیا

تھا۔

افسانوں میں سیمنا انصار کا افسانہ پسند آیا، مستقل سلسلے ہمیشہ کی طرح بے حد پسند آیا، دسترخوان بھی بے حد خوبصورت ہے شبنم نے آئی جاتی ہیں، آئی میں فٹنٹ ناظم اس محفل میں آئی ہوں اگر آپ نے ہلکے ٹو آؤ آئندہ بھی آئی رہوں گی۔ فاطمہ رحمان خوش آمدید اپریل کے شمارے کو پسند کرنے کا شکر ہے، آپ کی رائے ان طور کے ذریعے مسلمانوں کو پہنچانی جا رہی ہے، ہم آئندہ بھی آپ کی آراء کے منتظر رہیں گے شکر ہے۔

اُم حبیبہ نلمتان سے لکھتی ہیں۔

تقریباً ڈیڑھ سال سے میں اس محفل میں آئی ہوں، ہر بار بار سوچتے ہیں کہ اس محفل کے ذریعے ہی کبھی آپ سے ملاقات کریں، لیکن ہائے یہ مصروفیت کوشش کے باوجود نہ لکھ پائے، خبر بات ہو جائے اپریل کے شمارے کی طرف، اپریل کا تناسل بار تو بے حد لپٹ ملا، سرد و روخ ہمارا دلش تھا بے حد پسند آیا، ”کچھ باتیں ہماریاں“ کے بعد ہمد و نعت اور پیارے نبی کی پیاری باتیں پڑھی دل میں اتر گئیں کاش کہ ہم اس پر عمل کریں۔

اس بار انشاء جی کی نظم ہے حد بے حد پسند آئی ایک بار نہیں لگی بار پڑھی اور ہر بار سننے سے اسے محفوظ ہونے اس کے بعد ہم جلدی سے اپنے فیورٹ سلسلے دار ناولوں کی طرف لپکے، فوزی غزل کی یہ تحریر بے حد دلچسپ ہے وہ ہر کردار کے ساتھ انصاف کرتی ہیں امید ہے کہ آگے چل کر یہ مزید دلچسپی اختیار کر جائے گا، ”ستم آخری جزیرہ ہو“ میں سب سے خوبصورت کردار جہان کا ہے مکمل اور بھر پور، اللہ کرے کہ میرے

ملک کے سارے نوجوانوں میں جہان کی سی خوبیاں پیدا ہو جائیں آپ ہمیں اُم مریم سے کہنا ہے کہ پلیز آپ ایک بات کا دھیان رکھیں کہ آپ کے کچھ کرداروں کو پڑھتے ہوئے ہم لکھیڈوں کا شکار ہو جاتے ہیں، جسے ماما اور ماما جان دو کردار ہیں اس طرح پیدا اور پانا جہان بھی پلیز آپ ان کے ساتھ کچھ ایسا لکھیں کہ پڑھنے والے، لیکن ان شکار نہ ہو، بڑی ماما چھوٹی ماما، اسی طرح بڑے پنا وغیرہ۔

اب بات کریں گے ہم سدرہ عمران کے ناول کی نو محفرت کے ساتھ آپ سدرہ جی کچھ زیادہ عذباتی نظر آتی ہیں اس انہماک نے شیر سے شسلک جس واقعہ کا ذکر کیا ہے وہ انتہائی فضول ہے، اس طرح کی باتیں فلموں میں بھی

اچھی کتابیں پڑھنے کی

عادت ڈالیے

ابن انشاء

طنز و مزاح، سفر نامے

اردو کی آخری کتاب

آوارہ گرد کی ڈائری

دنیا گول ہے

ابن بطوطہ کے تعاقب میں

چلتے ہو تو چلیں کو چلیے

قدرت اللہ شہاب

یا خدا

ماں جی

اچھی لگتی ہیں، دوسری بات جو ہم ضرور کہیں گے کہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اہل کشمیر جو ایک طویل عرصے سے آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں تو وہ کیا وجوہات ہیں جو ابھی تک ناکام ہیں، کبھی بیٹھ کر سوچئے گا، رب العزت سے کچھ چھپا نہیں وہ سب جانتا ہے جو ہمارے دلوں میں ہے، سدرہ جی معذرت کے ساتھ آپ کی تحریر انتہائی جذباتی ہے، اس بار صبا احمد کا مکمل ناول ”جراغ راہ“ بے حد پسند آیا مصنفہ نے بہت خوبصورتی سے اس تحریر کو شروع سے آخر تک سنبھالے رکھا، اگر ہم غلطی پر نہیں تو، صبا احمد نئی رائٹر ہیں اور اگر واقعی ایسا ہے تو صبا احمد آپ بے حد مبارک بادی مسکن ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو مزید اچھا لکھنے کی صلاحیت عطا فرمائے آمین۔

سحدیہ عابد کا ناول اشارت جتنا اچھا تھا آگے چل کر اتنا ہی بور تھا، افسانے دونوں ہی پسند آئے، ناولٹ کے بارے میں رائے محفوظ ہے آخری قسط پڑھ کر بتائیں گے کہ پنجابی فلمی اسٹائل میں لکھی گئی اس تحریر نے کتنا اثر کیا۔

اب بات ہو جائے مستقل سلسلوں کی حاصل مطالعہ میں ہر ایک کا انتخاب بے حد اچھا تھا خصوصاً فرحین ملک اور سدرہ نعیم کی پسند بے حد اچھی تھی، بیاض میں سبھی کا ذوق بہترین تھا رنگ حنائی ہمیشہ کی طرح چہرے پر مسکراہٹ بکھیر دی، میری ڈائری بھی پسند آئی، ستاروں کا حال میں بے حد جامع انداز میں ہمیں معلومات مل رہی ہیں، دتر خوان سے اس بار ہم نے چکن و د مشروم گا لک بتا کر سب گھر والوں سے داد وصول کی، آپنی پلیز کس قیامت کے یہ نامے کے صفحات میں اضافہ کریں اور پلیز ایک فرمائش ہماری عبداللہ بھائی تک پہنچا دیں کہ وہ صنم بلوچ اور

احسن خان کا انٹرویو ضرور کریں۔

اُم حبیبہ خوش رہو، اتنا طویل عرصہ لگایا آپ نے اس محفل میں آنے میں، آئندہ ہم آپ کی مصروفیت کا بہانہ ہم نہیں سنیں گے اپریل کے شمارے کے لئے پسندیدگی کا شکریہ آپ کا مکمل خط شائع کیا جا رہا ہے آئندہ جلدی جلدی آتی رہنا ہم آپ کی رائے کے منتظر ہیں گے شکریہ۔

نورین ناز: شیخوپورہ سے لکھتی ہیں۔

اپریل کے شمارے میں شائع ہونے والی تحریروں نے ہمیں اس محفل میں شرکت کرنے پر مجبور کر دیا، ”جراغ راہ“ پڑھ کر دل پھر بے حد اچھی تحریر صبا احمد کی، اس موضوع پر لکھنا آسان نہیں ہوتا، مصنفہ کی پلاٹ پر گرفت بے حد مضبوط تھی، ”ستم گزیدہ“ پڑھ کر آنکھیں نم ہو جاتی ہیں، اللہ کریں اہل کشمیر کو جلد آزادی نصیب ہو، ناولٹ ”راہ طلب“ کوئی خاص متاثر نہیں کیا مصنفہ ہماری پنجابی فلموں سے متاثر نظر آتی ہے، کہانی کو بلاوجہ لمبا کیا گیا ہے پڑھتے پڑھتے یوریت کا احساس ہونے لگا، افسانے سب ٹھیک ہی تھے البتہ مستقل سلسلے سبھی بے حد پسند آئے، حنا کی محفل پڑھ کر بندہ مسکرائے بنا رہا ہی نہیں سکتا، آپنی پلیز بھی اس عین غین بھیا سے ملاقات کروا دیں، کس قیامت کے یہ نامے میں آپ کے خطوط کے جوابات دینے کا انداز ہمیں بے حد پسند ہے۔

نورین ناز پہلی مرتبہ شرکت کرنے پر خوش آمدید شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ ہم آئندہ بھی آپ کی محبتوں کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

☆☆☆